تاریخ پاکپتن

صدیوں کا یہ شہر اجودھن پاکپتن کہلاتا ہے
اونچا جیسے کوہ ہمالہ دور سے سمجھا جاتا ہے

تاریخ پاکپتن

پاکپتن کی مذہبی' روحانی
تہذیبی' معاشی اور سیاسی تاریخ کا مستند مرقع

مصنف : میاں اللہ بخش طارق
ایم۔اے (تاریخ)' ایم۔اے (ایجوکیشن)

الفریدؒ اکیڈمی چوک صدیق اکبرؓ پاکپتن
فون :(0443)71306

نام کتاب	تاریخ پاک پتن
مصنف	میاں اللہ بخش طارق ایم اے (تاریخ)' ایم اے (ایجوکیشن)
نظر ثانی	پروفیسر سید مسعود حیدر بخاری
سرورق	ابو سجاد ساغر (پاک پتن)
ناشر	الفرید اکیڈمی چوک صدیق اکبر پاک پتن
مطبع	ثامن پرنٹرز شمع پلازہ لاہور
کمپوزنگ	رانا شاہد خاں
کتابت	وقاص سید
تاریخ اشاعت بار اول	6 جون 1994
تاریخ اشاعت بار دوئم	4 اپریل 1998
صفحات	255

قیمت ـــــ 190 روپے

نوٹیفکیشن منظوری محکمہ تعلیم

بروئے نوٹیفکیشن نمبری SO (P-1)4/79-94 حکومت پنجاب محکمہ تعلیم نے تاریخ پاک پتن کو صوبہ پنجاب کے تمام تعلیمی اداروں اور پبلک لائبریریوں کیلیے منظور کیا ہے

دستخط

انڈر سیکرٹری

A-(iv)

مورخہ 8 جنوری 1995 لاہور

انتساب

مرحومہ مغفورہ ماں جی

سردار بیگم

کے نام

جن کی آغوش نے میرے

شعور کو جِلا بخشی

نظرِ ثانی

استادِ گرامی

جناب پروفیسر سید مسعود حیدر بخاری

صدر شعبہ تاریخ (ریٹائرڈ)

گورنمنٹ کالج ساہیوال

نظارہ پاک پتن

فہرست مضامین

دیباچہ

ہماری زمین پر ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ اس پر سب کچھ موجود تھا۔ گردش لیل و نہار اور طلوع آفتاب و ماہتاب کا سلسلہ جاری تھا' اس کے سربفلک پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں' سرسبز و شاداب وادیاں' لق ودق صحرا' بہتے ہوئے دریا اور رواں دواں سمندر موجود تھے۔ پھل' پھول' چرند پرند' طیوروحوش' شجروحجر اور اس کے میٹھے پانیوں کے چشمے' گرتی ہوئی خوبصورت آبشاریں مسحورکن مناظر کی تصویریں اپنی مثال آپ تھیں لیکن اگر نہیں تھا تو وہی جو اس کائنات کی غایت قرار دیا جا چکا تھا یعنی حضرت انسان' گویا ظہور آدم ہونا ابھی باقی تھا چنانچہ ہر شے سراپا اس کی منتظر تھی کہ اس کے بغیر یہ سارا حسن و خوبی جو ہر چہار سو پھیلا ہوا تھا' بے معنی سا ہو کر رہ گیا تھا' اس سوال کا جواب ابھی باقی تھا کہ اس کائنات ارض و سماء کی تخلیق کا سربستہ راز آخر کیا ہے؟ یہ عقدہ اس وقت کھلا جب آدم علیہ اسلام کو "انی جاعٌ فی الارض خلیفہ" کہہ کر تخلیق فرمایا گیا اور کائنات سے متعلق کل اشیاء کی بنیاد و نہار اور اصول و اساس کی تعلیم دے کر جنت الماویٰ سے انہیں اس زمین پر اتار دیا گیا' پھر اس کائنات ارضی پر ایک نئی زندگی کا ظہور ہوا۔

ایک انسانی زندگی سے پھر ہزاروں لاکھوں انسانی زندگیاں تخلیق ہوتی چلی گئیں۔ زمین پر انسانی آبادی میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا رہا اور اس کے نتیجہ کے طور پر بہت سے تمدنی و معاشرتی مسائل پیدا ہوتے رہے۔ چنانچہ ہر دور کا انسان انہیں حل کرنے کے لئے اپنی تمام تر قلبی و دماغی اور روحانی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا رہا اور اس طرح دنیا کے مختلف خطوں میں مختلف قسم کی تہذیبیں جنم لیتی رہیں۔ غاروں اور کھلی فضاوں کی بجائے جلد ہی انسان نے اپنا گھر بنا کر اس میں رہنے کی سرشت اپنالی کیونکہ یہ اس کی سب سے پہلی اور بڑی ضرورت تھی۔ اس طرح تعمیرات کا ایک ایسا سلسلہ چل نکلا کہ بستیوں پر بستیاں آباد ہوتی چلی گئیں اور بڑے بڑے شہر معرض وجود میں آئے اور مٹتے چلے گئے اور کچے پکے مکانوں کے علاوہ اونچے اونچے ستونوں پر کھڑی عمارات' تراشیدہ چٹانوں میں بنائے ہوئے گھر اور بڑے بڑے محلات پر مشتمل آبادیاں اور شہر انسان کی تخلیقی قوتوں کا شاہکار بن کر ابھرے' لیکن ان میں بسنے والی اکثر و بیشتر اقوام اپنی طاغوتی

سرگرمیوں، رب کریم کی نافرمانیوں اور دعویٰ کبریائی کی بدولت قہر خداوندی کا شکار ہو کر نیست و نابود ہو گئیں، ماضی کی بہت ساری بستیاں اور آبادیاں جو حادثات زمانہ کی بدولت مٹ تو گئیں لیکن انسانی زندگی کے عروج و زوال کی منہ بولتی یہ تصویریں ہمیشہ محققین کے لئے تاریخ و تحقیق اور تجسس کا بڑا میدان فراہم کرتی رہیں چنانچہ ان بستیوں کے کھنڈرات کا مطالعہ ماضی کے انسان کے مختلف ادوار کی گمشدہ کڑیوں کو مدون کرنے میں بڑا ممد و معاون ہو سکتا ہے تاریخ کے ایک طالبعلم کو ماضی کے انسان کا کھوج لگانے میں اس سے بہتر مواد نہیں مل سکتا۔

علم تاریخ کا تعلق بنیادی طور پر ماضی کے انسان سے ہے، انسان جب سے معرض وجود میں آیا ہے وہ اپنے خیالات و افکار اور نظریات کی روشنی میں اپنے ارد گرد کے ماحول پر قابو پانے کی کوشش میں لگا رہا ہے، اس طویل جدوجہد کی پوری کہانی کا نام تاریخ ہے لیکن یہ داستان نہ تو از خود کسی لوح پر کندہ ہے نہ ہی خود بخود کسی کاغذ پر تحریر ہوتی چلی جاتی ہے لہٰذا اسے مرتب کرنے کے لئے حال کے انسان کو ماضی کے انسان کے احوال پر نظر ڈالنی پڑتی ہے اور انسانی زندگی، اس کی جدوجہد، بودوباش کے طور طریقوں کے بکھرے ہوئے آثار اور نشانات کو خواہ وہ کھنڈرات کی شکل میں ہوں یا زبانی روایات یا کسی کتب تاریخ میں درج ہوں، سب کو یکجا کر کے ان سے ایک مربوط داستان مرتب کرنا ہوتا ہے لیکن یہ کام "جوئے شیر لانے" کے مصداق ہے کیونکہ ماضی کے انسان کا ایک بڑا حصہ گمنامی کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں چھپا پڑا ہوتا ہے چنانچہ مؤرخین و محققین کو اپنے علم کی روشنی میں جو آثار دستیاب ہو جاتے ہیں تو انہیں واقعات و حالات کے ایک سرے کو دوسرے سے ملانے کے لئے عقل اور ظن و قیاس سے کام لینا پڑتا ہے تاکہ درمیانی خلاء اگر کوئی ہو تو اسے صحیح طور پر پُر کیا جاسکے لیکن ضروری ہے کہ ان قیاسات کی بنیاد بھی معقولات اور حقائق خواہ کتنے ہی دور از کار ہوں پر اٹھائی جائے تاکہ غلطی کا امکان کم سے کم ہو، پس تاریخ کے بارے میں یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ "وہ روئے زمین پر انسان کے تدریجی ارتقاء کی مسلسل داستان ہے۔"

میرے عزیز شاگرد میاں اللہ بخش طارق نے تاریخ کے اسی تصور کو پیش نظر رکھتے ہوئے پاکستان کی ایک انتہائی قدیم مگر بیحد اہم بستی پاک پتن شریف کی تاریخ مرتب کرنے کا عزم لئے میدان تحقیق میں قدم رکھا ہمارے ہاں بد قسمتی سے ریسرچ

اور تحقیق کا شوق قدرے کم یاب ہے مزید برآں ایسے ادارے بھی نہ ہونے کے برابر ہیں جو ریسرچ سکالرز کی ہمت افزائی کا سبب بنیں، اس سے پہلے اگرچہ پاک پتن پر حضرت بابافرید الدین گنج شکرؒ کے نقطہ نظر سے بہت سی کتب تحریر کی گئیں، لیکن ان کا موضوع زیادہ تر حضرت باباصاحبؒ کی ذات اور احوال تک ہی محدود رہا، اس شہر کے قدیم ترین ماضی اور اس کے مختلف ادوار کے تاریخی خدوخال اور تہذیبی اقدار کے بارے میں کم روشنی ڈالی گئی، یہ اولین سعادت عزیزم میاں اللہ بخش طارق ہی کو حاصل ہوئی انہوں نے پاک پتن کی تاریخ کو اس کے عالم ابتداء سے زمانہ حال تک یعنی اجودھن سے پاک پتن تک کے تاریخی سفر کی مکمل روئیداد کو عہد بہ عہد اور سن و سال کی مطابقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس چابکدستی اور مہارت سے مدون کیا ہے کہ ماضی کے ہر دور کا نقشہ آنکھوں کے سامنے گھوم جاتا ہے، تاریخ پاک پتن کسی سلطان یا راجے مہاراجے کی تاریخ نہیں بلکہ ماضی کے ہر دور کی تہذیبی روایات، تمدنی خصوصیات، سیاسی حالات، مذہبی افکار و نظریات، طرز بودوباش اور تعمیراتی ڈھنگ کی جھلکیاں جگہ جگہ نظر آتی ہیں، ان کا طرز تحریر شگفتہ، دل نشین، سادہ و سہل اور رواں ہے اور قاری کا ذہن دوران مطالعہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، پاک پتن کا ماضی جو زمانے کی اڑائی ہوئی گرد کے نیچے تہ در تہ مستور تھا اسے صاحب موصوف نے دن کے اجالے میں اس طرح عیاں و بیان کیا ہے کہ اس قدیم ترین بستی کی قدیم تاریخ کا کوئی گوشہ آنکھوں سے اوجھل نہیں رہتا اگرچہ کسی بھی ابتدء کو انتہائے کمال قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن پاک پتن کی قدیم تاریخ کی چھان پھٹک اور تحقیق و تجسس کے میدان میں یہ کاوش علمی حلقوں میں خشت اول کا سامان ضرور فراہم کرے گی، مصنف نے اپنی کتاب کو عام قصے کہانیوں سے مزین کرنے کی بجائے اس بستی کے مختلف ادوار کے تاریخی حقائق کو بڑی تلاش اور کاوش کے بعد جمع کیا ہے، اور بڑی احتیاط کے ساتھ ان واقعات و حقائق کو قبول کیا جو تاریخی صداقت کی کسوٹی پر پورے اترتے دکھائی دیے اس کے لئے ان کی خدمات نہایت قابل تحسین ہیں،

بنیادی طور پر یہ کتاب اگرچہ پاک پتن کی تاریخ ہے لیکن یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آج کی دنیا میں پاک پتن کو جو عزت یا اہمیت حاصل ہے وہ صرف حضرت بابافرید گنج شکرؒ کی ذات بابرکات کی مرہون منت ہے اگر یہ بستی ان کی نظر عنایت کی

مستحق نہ ٹھہرتی تو یہاں کے رہنے والے آج بھی "اجودھنی" کہلاتے اور "پاک پتنی" ہونے کی سعادت انہیں کبھی حاصل نہ ہوتی' حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی اجودھن میں آمد برصغیر کے ان شمالی علاقوں میں ایک نئے روحانی انقلاب کا سبب بنی' یہ بستی صدیوں کفر کی آغوش میں پل پوس کر اپنی قدامت پر نازاں تھی لیکن بابا صاحبؒ کی آمد کے ساتھ ہزاروں برس کی باطل پرستی' جہل اور تاریکی جو اس بستی کے باسیوں کا اوڑھنا اور بچھونا تھی' کا وجود باقی نہ رہا' آپ کی دلآویز محبت بھری شخصیت نے یہاں کے مردہ دل لوگوں کو نور ایمان سے نئی زندگی بخشی' دیکھتے ہی دیکھتے یہاں پر بسنے والے کافر قبائل حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ کفرستان ہند کے طلسم خانہ حیرت میں وقتی تلاطم برپا ہوا لیکن نورِ اسلام کے سامنے برہمنی اوہام اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکے نتیجتاً آپ کے سامنے ہے کہ صدیوں کا اجودھن چشم زدن میں "پاک پتن" کے روپ میں ڈھل گیا' تاریخ کا سیل رواں اپنی تیز رفتاری کے ساتھ گزرتا رہا لیکن پاک پتن اپنی نسبت فریدؒ کی بدولت ہر دور کے چھوٹے بڑے ہر انسان سے خراج عقیدت پاتا رہا اور اس چھوٹے سے قصبہ کی عالمی روحانی حیثیت میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا'

دنیا بھر کے اہل عرفان کے چیدہ چیدہ بزرگان دین کی پاک پتن شریف میں آمد اور درگاہ فریدؒ پر حاضری اسی بات کا ثبوت ہے کہ پاک پتن کو جو لازوال شہرت ملی' ہر آنے والی گھڑی اس میں اضافہ کا سبب بنی لہذا پاک پتن پر لکھنے والا کوئی مورخ کبھی جرات نہیں کر سکتا کہ وہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی ذات بابرکات اور ان کی اسلامی خدمات کو پوری طرح اجاگر کرنے میں تغافل برتے' تاریخ پاک پتن کے مصنف کو تصوف اور علی الخصوص حضرت بابا فریدؒ کی ذات سے جو تعلق خاطر ہے اس کا یہ کرشمہ ہے کہ انہوں نے حضرت بابا فریدؒ کی پاک پتن میں آمد کے بعد کے حالات پر خصوصی توجہ مبذول کر کے ان کی ذات' خاندان اور ان کی اسلامی و روحانی خدمات کو بڑی دلسوزی کے ساتھ اجاگر کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی'

اس کتاب کی ایک اور بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ پاک پتن کے جدید دور کے احوال کی بھی عکاس ہے' مصنف نے یہاں کے مختلف قبائل اور برادریوں کے طرز زندگی کے بارے میں بڑی اہم معلومات فراہم کی ہیں بالخصوص عہد برطانیہ میں کچھ لوگوں کی برطانیہ نوازی' تحریک آزادی مسلمانان ہند اور پھر تحریک پاکستان کے دوران اور مابعد

کے حالات میں جس جس کا جیسا جیسا کردار رہا مصنف نے بلا کم و کاست مگر حقائق کے اجالوں میں اسے قلمبند کرنے میں کوئی تردد نہ کیا ماضی کی بجائے حال اگرچہ کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے ہوتا ہے لیکن دور موجود کے حالات و واقعات اور اس دور کے انسانوں پر طبع آزمائی کرنا بڑا دشوار مرحلہ ہوتا ہے' لیکن صاحب موصوف اس پل سے بھی بلا خوف و خطر گزر گئے' کتاب کا ایک اور پہلو جو مصنف کے درد مند دل کی کسک ہے وہ اس کی طبقہ عامتہ الناس کے ساتھ گہری وابستگی اور محبت ہے اس کتاب میں جہاں انہوں نے بڑے بڑے لوگوں کا ذکر کرنا مناسب سمجھا وہاں وہ عام غریب اور بے زبان کارکن جنہوں نے استخلاص وطن اور آزادی کے لئے دار و رسن 'قید و بند' مار پیٹ اور بھوک ننگ کی پرواہ کئے بغیر پورے اخلاص کے ساتھ ہر دور کی تحریکوں میں حصہ لیا' مصنف نے عام روش سے ہٹ کر اوراق تاریخ میں ان کا نام اور حصہ ریکارڈ کر کے ان سب گمنام اور بے نام لوگوں کو زندۂ جاوید بنا دیا'

بابا فریدؒ کی نگری کے بڑے لوگوں کی خوشحالی لیکن عام لوگوں کی زبوں حالی اور حالتِ زار کا نقشہ کھینچ کر مصنف نے اس دور کے جاگیردارانہ مزاج اور ظالمانہ استحصالی نظام پر خفی چوٹ کر کے اپنا فرض سرانجام دینے کی کامیاب کوشش کی ہے 'چھوٹی چھوٹی بستیوں اور شہروں کی قدیم تاریخ کو مرتب کرنا' عام تاریخ نویسی کی روش سے ہٹ کر ایک بڑا صبر آزما اور ریاضت طلب کٹھن کام ہے جسے جواں ہمت مصنف نے اپنی گونا گوں مصروفیات اور اس شہر کی علمی کم مائیگی 'پسماندگی' جاگیردارانہ تناظر نیز ذرائع کی کمیابی کے باوجود صحرا میں نخلستان پیدا کرنے کی کامیاب سعی کی ہے' وماتوفیقی الا باللہ

میرے لئے یہ امر ذاتی طور پر بے حد خوشی اور فخر کا باعث ہے کہ میاں اللہ بخش طارق گورنمنٹ کالج ساہیوال کے تدریسی زمانہ میں میرے شاگرد عزیز تھے زمانہ طالب علمی میں ان کی ندرت طبع' اپنے کام سے لگن اور ذہانت نے مجھے ہمیشہ متاثر کیا' تاریخ نویسی کا جو ذوق و شوق اس دوران ان میں پیدا ہوا' دن بدن اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور پھر انکی خلاق طبیعت نے وادیٔ تحقیق میں اتر کر تاریخ پاک پتن کی صورت میں اپنی نہایت اعلیٰ درجہ کی تخلیق پیش کرنے کی سعادت حاصل کی' مجھے امید ہے کہ تاریخی و علمی حلقوں میں ان کی یہ کاوش قبولیت عامہ کا درجہ حاصل کرے گی'

پروفیسر سید مسعود حیدر بخاری

۴ر شعبان 1414ھ بمطابق 17ر جنوری 1994

تقریظ

پاک پتن ایک قدیم شہر ہے جسے قطب الاقطاب شیخ الشیوخ حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کے وجود مسعود کی بدولت بے مثل روحانی عظمت حاصل ہوئی۔ میاں اللہ بخش طارق نے کئی سالوں کی تاریخی تحقیق کے بعد تاریخ پاکپتن تصنیف کی ہے جو قبل از زمانہ ء اسلام یعنی زمانہ ء ہنود سے تاحال سن و سال کی مطابقت اور مستند تاریخی مصادر و ماخذ کی روشنی میں مدون کی گئی ہے۔ یہ تاریخی دستاویز بلاشبہ یہاں کی مذہبی' روحانی' تہذیبی' معاشی اور سیاسی تاریخ کا مستند مرقع ہے۔

موصوف کے طرز تحریر میں سلاست' اسلوب کی شگفتگی' دلائل کی پختگی' اور خلوص کی دلکشی اس کتاب کو ہماری تاریخی دستاویزات میں ایک منفرد' اعلیٰ مقام عطا کرنے کا موجب ہو گی۔

عفی عنہٗ

حکیم محمد موسیٰ امرتسری۔

55 / ریلوے روڈ لاہور۔

مُقلّدِ باوفا

دنیا میں جب سے تہذیب نے آنکھ کھولی اس وقت سے ہی تہذیب نویسی کا عمل جاری ہے جوں جوں تہذیب پروان چڑھتی گئی' تہذیب نویسی کا فن بھی مسلمہ حقیقت کا روپ دھار چکا ہے اس سلسلہ میں قدیم و جدید عظیم مورخین کی مستند تاریخی دستاویزات منظر عام پر آچکی ہیں جن سے سرموانحراف ناممکن ہے۔ میاں اللہ بخش طارق اگرچہ اکابرین تاریخ کا ہم پلہ نہ سہی مگر یہ بات کہنے میں مجھے باک نہیں کہ وہ مقلد باوفا ضرور ہیں کہ انہوں نے تاریخ نویسی میں نامور مسلمان مورخین کی تابندہ روایات کو اپناتے ہوئے ان محققین کی تقلید کو نہایت ثابت قدمی سے نبھایا جو آج ہماری تہذیبی میراث کے امین ہیں۔ انہوں نے جس انتہائی محنت اور تحقیق سے "تاریخ پاک پتن" کی تاریخ سے متعلق تمدنی' معاشی' سیاسی' معاشرتی' ثقافتی اور روحانی حالات و واقعات' اسباب و عمل کا جا بکدستی سے تجزیہ کیا' ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ ان کی یہ تحقیق و کاوش بلا شبہ ایک عمرانی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ جس سے پاک پتن کے جدید و قدیم تاریخی پہلوؤں کا بالتفصیل مطالعہ کیا جا سکتا ہے بلاشبہ تاریخ پاک پتن ایک مستند تاریخی دستاویز ہے۔ اس کے تاریخی حقائق میں کسی قسم کا جھول نہیں ہے طرزِ تحریر اور اندازِ بیان نہایت دلکش ہے۔

منیب برہانی

ممبر پاکستان رائٹرز گلڈ پنجاب

بانی حلقہ ءارباب فریدؒ پاک پتن

عرضِ مصنف

پاک پتن میری جائے پیدائش، میرے والدین کا مسکن اور صدیوں سے میرے آباؤ اجداد کا گھر رہا۔ اب اسی سر زمین کے قبرستانوں میں ان کی ہڈیاں دفن ہیں، یہی وجہ ہے کہ پاک پتن مجھے دل و جان سے زیادہ عزیز ہے۔میں اس کی فضاؤں میں سانس لے رہا ہوں اور اس کی مٹی سے نکلنے والا آبِ حیات میری رگوں میں موجزن ہے، اس کی گلیوں میں،میں پل کر جوان ہوا، اس کی درسگاہوں نے مجھے نورِ بصیرت عطاء کیا جس کی بدولت مجھے شعور و آگہی کی لازوال دولت ملی۔

میرا یہ شہر جس قدر قدیم ہے۔ حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کی بدولت اتنا ہی عظیم ہے۔ اس کی عظمت اس کے درخشندہ ماضی کے اوراق پر رقم ہے اس کی تاریخ صدیوں پر محیط ہے۔ اس کی ہزاروں سال پرانی تہذیب حضرت انسان کی مسلسل سرگرمیوں کی عبرت آموز سچی داستان ہے۔ لامحدود ماضی کے ان بوسیدہ اوراق کو یکجا کرنا، انہیں تاریخی تسلسل کی لڑی میں پرونے کا کام بے شک ایک اعصاب شکن عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی نے اس شہر کے پر شکوہ ماضی کی دبیز تہوں میں اترنے کی جسارت نہیں کی۔ اس کی جامع تاریخ مستند دستاویزی صورت میں پیش نہ کی جا سکی۔ جب بھی شہر فریدؒ پاک پتن کی تاریخ کے بارے سوال کیا جاتا تو یہی جواب ملتا کہ "یہ شہر بہت قدیم ہے" مگر اس پر کوئی کتاب "موجود نہیں ہے" یہ جواب میرے لیے باعث شرمندگی تھا لہٰذا تاریخ کے ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناطے میں یہ اپنا فرض اور قرض سمجھتا تھا کہ میں پاک پتن کی عظمت پارینہ کو خالصتاً" تاریخی نکتہ نظر سے پیش کروں۔ اس کی صدیوں پرانی تہذیب کو نوک قلم سے کرید کر ماضی، حال اور مستقبل کی لڑی میں پرو دوں۔ میری یہ آرزو میری زندگی کا مشن بنی۔ آج میں رب العزت کا بے حد شکر گزار ہوں اور اسکے حضور سجدہ شکر ادا کرتا ہوں کہ تاریخ پاک پتن دراصل اللہ تعلیٰ کی ہی کرم نوازی ہے۔

تاریخ پاک پتن مقتدر با جبروت حکمرانوں یا سیاسی شخصیات کی مدح سرائی پر مبنی داستان نہیں بلکہ یہ کتاب انسانی رویوں، تمدنی اقدار اور تہذیبی معیار کا مستند مرقع ہے۔ جس میں یہاں پر بسنے والی جملہ اقوام کے عمرانی حالات بالخصوص طبقہ عامتہ الناس کے

ساتھ ہونے والی مسلسل ناانصافیوں اور طبقاتی ناہمواری کو ٹھوس تاریخی شواہد کی روشنی میں معروضی تجزیہ کے ساتھ بیان کر دیا ہے جس سے اب یہاں کا تمدنی پس منظر اور ثقافتی ورثہ بہت واضح اور نمایاں نظر آتا ہے۔

چونکہ موجودہ دور میں تاریخی ماخذ کی بنیاد پر لکھے جانے والے واقعات کو بڑی آسانی سے چیلنج کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں مورخ کی اپنی ذات اور خیالات کا بڑا دخل ہوتا ہے اس لئے میں نے تاریخ پاک پتن کی تصنیف کے دوران دستیاب ماخذوں کے ساتھ ساتھ دوسری سرکاری و نیم سرکاری دستاویزات 'خط و کتابت، فرامین، حکم ناموں، ذاتی یادداشتوں اور تصوف سے متعلقہ مستند کتب کے حوالہ جات سے یہاں کے حالات و واقعات اور اسباب و علل کی ایمانداری سے چھان پھٹک کرتے ہوئے مبنی بر حقیقت سچے واقعات مربوط انداز میں پیش کئے ہیں۔ تاریخ پاک پتن تاریخ نویسی کے سائنسی اصولوں کے مطابق اور فن حدیث میں "اسماء الرجال" کے معیار کو اپنا کر لکھی گئی ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ ناقدین اور قارئین کرام میرے خلوص، میری تحقیقی اور تجزیاتی ریاضت کو شرف قبولیت بخشیں گے۔

ارتقائے زمانہ کے ساتھ اب تاریخ کا نقطہ نظر بہت وسیع اور گہرا ہو گیا ہے۔ اب یہ انسان کے ماضی کے خیالات و افکار کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ حال کی نسلوں کے درمیان تعلقات قائم کرتی ہے اور مستقبل کے بارے واضح پیش گوئی کرنے کی استعداد بھی رکھتی ہے اس لئے اب تاریخ نویسی کے ذریعے معاشرہ کی جملہ سرگرمیوں بشمول تجارتی، ثقافتی ارتقاء، تمدنی روایات اور سیاسی اعمال یعنی معاشرت، معیشت، سیاست اور ثقافت تمام پہلوؤں پر بنظر غائر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ اسی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے پاک پتن کے اندر یہاں کے تمام معاشرتی پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے تاکہ قارئین کرام کسی قسم کی علمی تشنگی محسوس نہ کریں۔

تاریخ نویسی کے فن کا ایک سنہری اصول مقصدیت ہے یعنی تاریخ نویسی با مقصد ہو۔ اس سے عوام میں شعور، ذہنی بیداری پیدا ہو وہ اپنے حقوق سے واقف ہوں اور ماضی میں جن شخصیتوں اور طبقوں نے ان کے حقوق غصب کئے اور ان پر ظلم و ستم روا رکھا۔ ان کی اصل "صورتیں" سب کے سامنے واضح ہو جائیں تاکہ آئندہ نسلیں باشعور ہو کر اپنی تقدیر خود بنائیں اور تقدیر سازی کا کام دوسروں کے سپرد نہ کریں۔

تاریخ پاک پتن انشاء اللہ ایسی ہی مقصدیت کی امین ثابت ہوگی جس کے تمام اُوراق پاک پتن کے باسیوں کے لئے نظریاتی تعلیم' ملی شعور' جذبہ حب الوطنی اور اپنے حقوق کے تحفظات کے تربیت گاہ ہیں۔ تاریخ میں واقعات کبھی نہیں بدلتے جو ہوا تھا' وہ بدلہ نہیں جاسکتا مگر ان واقعات کو بیان کرنے کا نقطہ نظر ہر عہد اور ہر زمانہ میں بدلتا رہتا ہے۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز نے برصغیر میں جس طرح وفادار ٹولہ کو بہت بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں اور انہیں بڑے بڑے خطابات سے نوازہ گیا' انہیں پراونشل درباری بنا کر معاشرہ میں اعلیٰ مقام دیا گیا' اس عہد میں یہ جاگیریں' یہ منصب اور یہ خطابات جاگیرداروں کے لئے نسلی تفاخر کا موجب تھے جبکہ تحریک پاکستان کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر انہیں غدار 'سازشی' خوشامدی ٹوڈی اور انگریزوں کے پٹھو ہونے کے طعنے دیے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اس لئے کہ 1947ء سے قبل انگریز دور میں ہم غلام تھے تاریخی واقعات کی تعبیر کسی حد تک غلامانہ ذہنیت کی ترجمان تھی برطانوی عہد کا حریت پسند مسلمان "باغی" کہلوایا جبکہ آج وہ ہمارا "ہیرو" ہے غلامی کے دور کی تاریخ اور آزادی کے عہد کی تاریخ میں نمایاں فرق ہے۔ "تاریخ پاک پتن" کے اندر ملی نقطہ نظر کے پیش نظر یہ فرق قارئین کرام کو ہر جگہ نظر آئے گا۔ واقعات و حالات کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے آزادی و حریت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی کما حقہ کوشش کی گئی ہے۔

ہندو پاکستان کا ہر باشعور فرد اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کی ذات ستودہ صفات نے ہی اس قصبہ کو ابدی نیک نامی کی رفعتیں عطا کی ہیں۔ آپ نے جس شانِ فاروقیت کے ساتھ اس قصبہ کے کافرانہ ماحول میں جو شاندار بے مثل کارہائے نمایاں سرانجام دیے وہ ہماری تاریخ تصوف میں ایک روشن باب ہے۔ جس کی بناء پر باباجیؒ اور پاک پتن لازم و ملزوم کردار بن گئے۔ جب بھی پاک پتن کا نام آتا ہے حضرت باباجیؒ کے وجودِ اطہر کی خوشبو دل و دماغ کو معطر کر دیتی ہے اسی حقیقت کے پیش نظر راقم الحروف نے تاریخ پاک پتن کو بالواسطہ یا بلا واسطہ حضرت باباجیؒ کی ذات تجلیات سے ہی مربوط کیا ہے تاکہ قاری اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ سکے کہ حضرت باباجیؒ کے ذکرِ خیر کے بغیر تاریخ پاک پتن اپنا کوئی وجود نہیں رکھتی

علم التواریخ کی اپنی ایک الگ زبان ہے جس میں حقائق ادبی چاشنی کے ساتھ عام فہم سادہ زبان میں بیان کئے جاتے ہیں تاکہ قاری کی دلچسپی بھی قائم رہے اور مزید مطالعہ کا شوق بھی پیدا ہو سکے لہٰذا تاریخ پاک پتن میں بے جا طوالت سے مکمل اجتناب کرتے ہوئے سادہ انداز تحریر اختیار کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام کی دلچسپی قائم رہے۔

آخر میں میں اپنے تمام محسنین اور بہی خواہوں کا بصد سراپا شکر گزار ہوں جنہوں نے میری اس کوشش کی تکمیل میں کسی نہ کسی طور معاونت فرمائی۔ سب سے پہلے میں اپنے مربی و محسن معروف مورخ مشفق استاد گرامی جناب پروفیسر سید مسعود حیدر بخاری کا نہایت ہی ممنون ہوں کہ آپ نے اول تا آخر میری انگلی تھامے رکھی اور مجھے وادیٔ تحقیق میں پاؤں پاؤں چلنا سکھایا آپ نے ہر مقام پر مجھے اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا۔ مسودہ کی اصلاح و تصویب فرمائی اور اپنے علمی تجربے سے اس کتاب کو معتبر بنا دیا۔ اس طرح استاد گرامی جناب پروفیسر شبیر احمد مغل صاحب کا رہین احسان ہوں کہ آپ نے اپنی محققانہ آراء سے اس کتاب کی ساکھ میں اضافہ فرمایا۔ جناب خان محمود احمد خاں (ایم این اے) سجادہ نشین پیر طریقت حضرت میاں علی محمد خانصاحبؒ اور آپ کے حقیقی بھائی پروفیسر جناب مسعود احمد خاں شعبہ سیاسیات پنجاب یونیورسٹی کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ آپ نے اپنی ذاتی مصروفیات کے باوجود کتاب پر نظر ثانی کی اور قیمتی مشوروں سے اس کی تحسین فرمائی

اگر میں حکیم اہلسنّت معروف محقق و دانشور جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری کا اسم گرامی اور آپ کی علمی سرپرستی کا تذکرہ نہ کروں تو یہ احسان ناشناسی ہو گا کیونکہ آپ نے اس ایڈیشن کی خاطر میرے لئے اکثر مستند تاریخی ماخذوں کی فراہمی کو انتہائی سہل بنایا جس کیلئے میں ان کا ہمیشہ سپاس گزار رہوں گا۔

معروف قانون دان جناب سید افضل حیدر سابق وزیر قانون (پنجاب)' جناب کیپٹن (ر) خواجہ محسن رضا ڈپٹی کمشنر پاک پتن' جناب سید احسن محبوب ایس ایس پی' جناب سردار قیصر علی خاں' جناب سید طاہر علی شاہ سابق ڈپٹی کمشنر' جناب عاشق حسین بٹ اسسٹنٹ کمشنر' سید محمود عالم شاہ سی ایس پی اور جناب محمد اقبال سگو ڈی ای او پاک پتن کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ سب نے میری ہمہ وقت علمی معاونت فرمائی۔ اپنے بیٹے انجینئر احمد خاور شہزاد کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہوں گا کہ انہوں

نے دن رات ایک کرکے کتاب کے نظر ثانی شدہ مسودے کو جدید کمپیوٹر کتابت میں ڈھالا اور پھر ثامن پریس شمع پلازہ سے ایڈیشن کی اشاعت کیلئے میری پوری پوری اعانت کی۔ اس طرح بیٹے احمد خرم شہزاد ایم ایس۔سی (ایگری کلچر) نے اپنے ذوق جمالیات کو بروئے کار لاتے ہوئے فوٹوگرافی سے جہاں اس کتاب کی ظاہری خوبصورتی میں دو چند اضافہ کیا وہاں اس شہر کے تاریخی آثار کا ظاہری وجود بھی مستند ٹھہرا لہٰذا اس کتاب میں جو بھی خوبی نظر آئے وہ میرے اللہ کا کرم اور حضرت بابا جیؒ کا فیضان ہے اور اس میں جو خامی نظر آئے اسے میری علمی کم مائیگی پر محمول کیا جائے۔ (شکریہ)

خادم الا ساتذہ

میاں اللہ بخش طارق

14 اپریل 1998ء

حصہ اول

پاک پتن عہد ماضی میں

(قبل از اسلام)

ہندو دور کی تعمیری جھلکیاں

پاک پتن عہد ماضی میں

(قبل از اسلام)

تاریخی پس منظر: پاک پتن برصغیر پاک و ہند کا قدیم ترین مشہور تاریخی قصبہ ہے۔ اس کی داستان دراصل انسان کے تہذیبی ارتقاء کی ایک دلچسپ اور قدیم کہانی ہے۔ یہ قدیم بستی کئی مرتبہ بس بس کر اجڑی اور اجڑ اجڑ کر بسی۔

انقلاباتِ عالم نے کئی بار اس کی بساطِ ہستی کو الٹا۔ اس کی شوکت و عظمت کو تاراج' اور اس کی تہذیبی سرگرمیوں کو تہہ و بالا کیا۔ طوفان ہائے بادو باراں' زلزلوں اور حملہ آوروں کی خون آشام سفاکیوں نے اس قصبہ کو ایک بلند ٹیلے میں تبدیل کرنے میں پورا پورا کردار ادا کیا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ٹیلے (ڈھکی) کی بلندی ساٹھ سے اسی فٹ ہے۔ (1)

اسرار عترت فریدی میں بحوالہ تاریخ التمشی تحریر ہے کہ

> "یہ قصبہ اپنی ابتداء سے حضرت بابا فریدؒ کی آمد تک کل ستر بار زمیں بوس ہو کر تودۂ خاک بنا اور ایک عرصہ تک کھنڈرات کی ویرانی' ٹیلے کی بلندی اور اس پر حسرت و یاس اور انجانے خوف کا ماحول رہا" (2)

وادیٔ سندھ کی تہذیبی میراث: تہذیبی لحاظ سے یہ قصبہ آج سے پانچ ہزار سال قبل وادیٔ سندھ کی قدیم تہذیب یعنی ہڑپہ' ٹیکسلا اور موہنجوداڑو کی تہذیبوں کا جاندار حصہ تھا۔ سکندر اعظم کے حملہ ہند 326 ق م یعنی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے سوا تین سو سال قبل بھی یہ قصبہ دریائے ستلج کے شمالی کنارے پر اپنی تہذیبی رونقوں سے موجود تھا۔ بقول جنرل کننگھم

> "یہ وہ شہر ہے جس کے باشندوں کا سکندر اعظم کے عہد کے مورخوں اور مصنفین نے بھی تفصیلی ذکر کیا ہے۔" (3)

اس شہر کے ٹیلے کی فلک بوس بلندی' ٹیلے پر واقع قدیم بوسیدہ مکانات کا طرزِ تعمیر' پُر پیچ گلیاں' پانی کے نکاس کا اعلیٰ انتظام' ٹیلے پر گہرے کنوؤں کی کھدائی' شہر کے گرد فصیل کے آثار' حملہ آوروں کی نقل و حمل پر نگاہ رکھنے کیلئے اونچے اونچے برج

استوار تھے۔ جو حقیقتاً اس وقت کے انسان کی اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کا بین ثبوت اور تہذیبی تسلسل کے تیز تر عمل کا آئینہ دار ہیں۔

اسی تہذیبی پس منظر کی روشنی میں اگر ہم اس قصبہ کی قدیم تہذیب کا موازنہ وادیٔ سندھ اور بابل ونینوا کی قدیم تہذیبوں سے کریں تو اس میں قطعاً مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ شہر بھی اپنی پر شکوہ تہذیبوں کا پرتو ہے۔ تاہم اس شہر کی ٹوٹی پھوٹی دیواریں اور قدیم طرزِ تعمیر زبان حال سے اپنے ماضی کی رفعت و عظمت کی غماز بنکر سر جان مارشل (4) جیسے کسی ماہر آثار قدیمہ کی نگاہِ تحقیق کی منتظر ہیں۔ تاکہ یہ قصبہ بھی باقاعدہ تحقیقی سند حاصل کرنے کے بعد اپنے وجود کی پر شکوہ قدامت پر فخر کر سکے۔ اگرچہ اس قصبہ کی قدیم تاریخ پر گمنامی کا دبیز پردہ پڑا ہوا ہے۔ تاہم کھوج لگانے پر اس قصبہ کی قدیم تاریخ کے بارے درج ذیل چند روائتیں دستیاب ہو سکیں۔

پہلی روایت کے مطابق آج سے پچیس ہزار سال قبل جب آریہ برصغیر میں داخل ہوئے تو انہوں نے "پرت سندھ" کو اپنا مسکن بنایا یعنی سات دریاؤں کی سرزمین جن میں دریائے ستلج' راوی' چناب' جہلم' سندھ اور دریائے کابل بہتے تھے۔ اس وقت پرت سندھ کی مشہور بستیاں اجودھن' دیپالپور اور قبولہ تھیں۔ رگ وید آف انڈیا کے مطابق اجودھن' دیپالپور اور قبولہ کی تہذیبیں پچیس ہزار سال پرانی ہیں۔ مگر صرف پانچ ہزار سال کے تاریخی حقائق کسی حد تک معلوم ہو سکے۔ (5)

دوسری روایت کے مطابق یہ بستی مہابھارت کی جنگوں یعنی کوروں پانڈوں کی لڑائی کے وقت "دھارا نگری" "انیل واڑا" انیل پتن کے نام سے موجود تھی یہ قصبہ چالوکیہ خاندان کی راجدھانی بھی رہا۔ البتہ اجودھن سے قبل اس قصبہ کا معروف نام "گڑوا" تھا ہڑپہ' موہنجوداڑو' انیل واڑا اور گڑوا جیسے نام اس امر کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں کہ یہ شہر دراوڑ نسل نے آریائی دور سے قبل ہی برصغیر میں آباد کئے تھے۔ ان شہروں کے ناموں میں حرف "ڑ" اور دراوڑ کی "ڑ" کا اشتراک ایک ہی تہذیبی دور کا ترجمان ہے۔ جیسے وادیٔ سندھ کی تہذیب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ویدک لیٹریچر کے مطابق اس تہذیب کی بنیاد دراوڑ قوم نے رکھی۔ جنہیں بعد میں آریوں نے مفتوحہ کر کے "داس" یعنی غلام بنایا۔ اغلب خیال ہے کہ اجودھن نام پانے سے بہت پہلے اس قصبہ میں بھی قدیم نسل کے دراوڑ لوگ آباد تھے (7)

اجودھن کی وجہ تسمیہ : پاک پتن کا معروف قدیمی نام اجودھن تھا۔ جس کے بارے بعض ہندو مورخین یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ رام چندرجی مہاراج نے سیتا جی مہارانی کو لنکا کے راجا راون سے آزاد کرانے کے بعد اس قصبہ میں آکر پناہ لی۔ چونکہ رام چندرجی مہاراج کے ایک بھائی کی اس علاقے میں حکومت قائم تھی۔ اس لئے اس نے اپنے آباو اجداد کی قدیم راجدھانی "اجودھیا" (بھارت) کے نام پر اس قصبہ کا نام اجودھن رکھا (8) رام چندرجی کی اس علاقے میں آمد کے بارے تاریخ ملتان میں یہ روایت درج ہے کہ رام چندرجی بغرض سیرو تفریح ملتان تشریف لائے' ملتان میں جس جگہ انہوں نے قیام کیا' آج وہ جگہ ملتان میں " مندر رام تیرتھ" کے نام سے موسوم ہے۔ یہاں انہوں نے ایک تالاب بنوایا اور اعلان کیا کہ جو اس تالاب میں نہائے گا اسے تیرتھ اشنان کا ثواب ملے گا (9)

قدیم زمانے میں دریائے ستلج اجودھن کے قریب بہتا تھا اور دہلی سے ملتان جانے والے مسافر دریا کو اسی پتن سے ہی عبور کرتے تھے کیونکہ ڈیرہ اسماعیل خاں' ڈیرہ غازی خاں' اور ملتان سے جو قدیم راستے دہلی کو جاتے اجودھن ان کے مقامِ اتصال پر واقع تھا۔ درحقیقت یہ قصبہ قدامت کے لحاظ سے ملتان شہر کا ہم پلہ ہے۔

صدیاں گزرنے کے باوجود اگر آج بھی ملتان اور پاک پتن (اجودھن) کی طرزِ تعمیر اور بودوباش کا موازنہ کریں تو جڑواں بھائیوں کی طرح ان کی ظاہری شکل صورت میں کم فرق نظر آئے گا۔ قدیم دور میں ہندوؤں نے اس قصبہ کو خوب آباد کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ شمالی ہندوستان میں یہ قصبہ ہندوؤں کا بہت بڑا مذہبی مرکز اور تیرتھ ہونے کی وجہ سے ہندو تہذیب کا عکاس تھا۔ اس دور میں ہندوؤں نے اس قصبہ کو ایک مضبوط قلعہ کی شکل دی اس کے اردگرد چار دیواری تعمیر کی اور شہر کے چاروں طرف چار مضبوط دروازے تعمیر کئے۔ جو اس حقیقت کے مظہر ہیں کہ اس وقت بھی اس قصبہ کے مکینوں نے حملہ آوروں کی دستبرد سے بچنے کیلئے اعلیٰ پیمانے پر حفاظتی اقدامات کر رکھے تھے۔ ہندو دور میں مذکورہ چاروں دروازوں کے نام باوجود تاریخی تحقیق معلوم نہیں ہو سکے۔ تاہم پرانے قلعے کی شکستہ دیواروں پر یہ دروازے اپنی قدیم بنیادوں پر بہت پہلے غالباً مسلم دور میں از سر نو تعمیر ہوئے آج ان دروازوں کے نام کچھ یوں ہیں۔

ابو دروازہ : یہ شہر کے مشرقی جانب سبز منڈی کے قریب بڑی ڈھکی پر ہے اس دروازہ

رحموں دروازہ

ابو دروازہ

کا نام دیوان عبدالرحمان کے نام پر رکھا گیا۔ وقت کی ستم ظریفی محکمہ آثار قدیمہ کی غفلت اور یہاں کے باسیوں کی بے اعتنائی کی بدولت یہ دروازہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا ہے۔ اب صرف اس دروازہ کے شمالی ستون کا کچھ حصہ اس کی وجودی شہادت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگر فوری طور پر اس دروازہ کی از سر نو تعمیر کی طرف توجہ نہ دی گئی تو آنے والی نسلیں آج کے ذمہ دار افراد کو مجرمانہ غفلت کا مرتکب گردانیں گی۔

شہیدی دروازہ : جنوب کی طرف صرافہ بازار میں ہے۔ اس کے بارے کچھ یوں معلوم ہوا ہے کہ دیوان عبدالسبحان کے عہد میں حجرہ اور شیر گڑھ کے سادات اور قصور کے پٹھانوں کے درمیان کسی مسئلہ پر لڑائی ہوئی سادات حجرہ یہاں آکر پناہ گزیں ہوئے۔ چنانچہ سادات حجرہ کی اعانت کرتے ہوئے دیوان عبدالسبحان اسی دروازے کے قریب شہید ہوئے (10) اسی شہادت کی بناء پر اس دروازہ کا نام شہیدی دروازہ رکھا گیا۔

اس دروازہ کی پیشانی پر ایک چوبی کندہ تختی نصب ہے جس پر تسمیہ کے ساتھ غالباً" دروازے کی اساسی تاریخ اور افتتاحی کلمات درج ہیں۔ دیمک خوردگی کی بناء پر تختی پر کندہ تمام عبارت مٹ چکی ہے۔ مگر تسمیہ آج بھی اپنی پوری رعنائی کے ساتھ تختی پر موجود ہے۔ اور رب العزت کی ابدیت اور حقانیت کا ثبوت فراہم کر رہی ہے۔

موری دروازہ : یہ دروازہ شمال کی طرف گلی حضرت میاں علی محمدؒ بستی شریف کے بالمقابل ڈھکی پر واقع ہے۔ اس دروازہ سے گزرنے کیلئے ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے۔ جس کی مناسبت سے اس دروازے کو موری دروازہ کہتے ہیں۔ اس دروازہ کے پہلو میں ایک قدیمی مسجد ہے جس میں پیر طریقت حضرت میاں علی محمدؒ آف بستی شریف اپنی زندگی کے دوران ہر ماہ رمضان میں مع مریدین نماز تراویح ادا فرماتے۔

موری دروازہ کے قریب منشی دوست محمد اور انکے خاندان کے نام پر محلہ منشیاں آباد ہے۔ قیام پاکستان سے قبل موری دروازہ کو ہانڈیاں والا دروازہ بھی کہتے تھے۔ (11)

رحموں دروازہ : مغرب کی جانب پرانے ٹاؤن ہال کے بالمقابل واقع ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کے بارے کوئی مستند تاریخی معلومات میسر نہیں آسکیں۔ تاہم حضرت بابا فریدؒ کے مزار اقدس کی قربت کی بناء پر پہلے پہل یہ رحمت دروازہ کے نام سے مشہور ہے جو بعد میں رحموں کے نام سے مشہور ہوتا چلا گیا۔
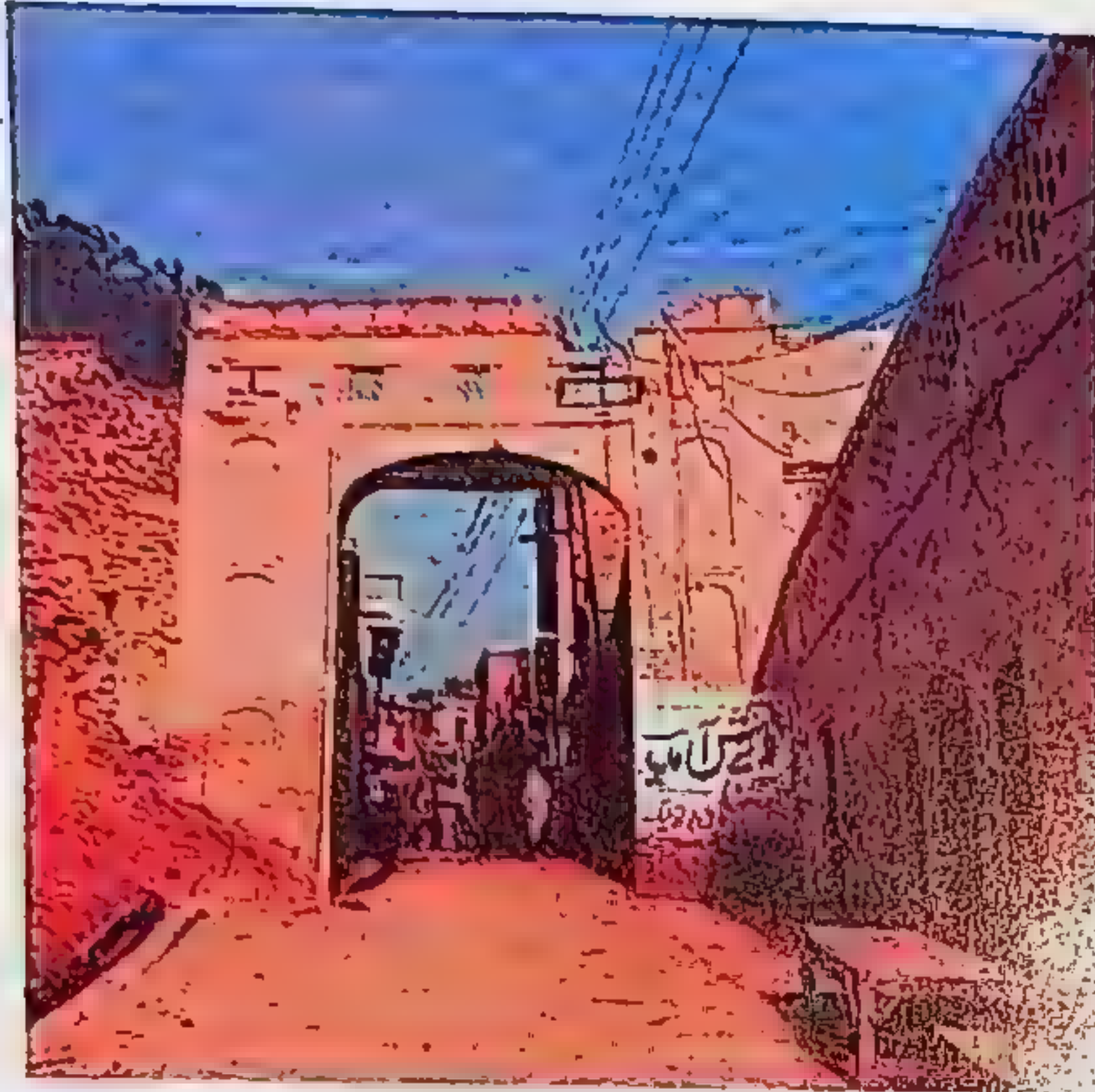
ان دروازوں کے علاوہ ڈھکی کی طرف کچھ دیگر بغلی راستے بھی موجود ہیں۔ ایک راستہ ڈھکی میرباز خاں کی طرف سے اوپر جاتا ہے۔ جبکہ دوسرا سبز منڈی کی شمالی دیوار کے ساتھ ساتھ "کچا برج" کی طرف ہوتا ہوا ڈھکی کے مرکزی مقام پر جاملتا ہے۔ اسی طرح ڈھکی حضرت بابا سید میراں شاہؒ اوپر کی طرف دربار حضرت بدرالدین اسحاقؒ سے جاملتی ہے۔ ایک راستہ بیرون رحموں دروازہ جنوبی گلی سے آستانہ عالیہ حضرت بابا فریدؒ کے عقب سے ہوتا ہوا پختہ سیڑھیوں کے ذریعے اوپر ڈھکی سے جاملتا ہے۔

عہد سلاطین کے ابتدائی ادوار میں ہندوؤں کے اس قصبہ میں حضرت بابا فریدؒ مسعود گنج شکرؒ کی آمد نے اسے بے مثل روحانی عظمتوں سے سرفراز فرمایا اور یوں یہ قصبہ برصغیرپاک و ہند میں روحانیت کا ایک مستحکم مرکز بن گیا۔

قیام پاکستان سے قبل ڈھکی پر غیر مسلموں کی اکثریت آباد تھی۔ جن میں وج' کھتری' ببر' اروڑا' ہانڈے' ٹھیٹھی' برہمن' اور سکھ سردار قابل ذکر تھے۔ (12)

معاشی لحاظ سے ہندوؤں کی اکثریت خوشحال تھی۔ پیشہ کے لحاظ سے یہ لوگ زیادہ تر زراعت اور تجارت سے منسلک تھے۔ ان کے مکانات عموماً صحن کے بغیر تاریک کمروں پر مشتمل ہوتے جن کی بناء پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندو تہذیب میں تعصب و تنگ نظری ان کے فن تعمیر میں بھی جھلکتی ہے۔ ہندوؤں کے مکانات کے بیرونی بڑے دروازوں پر نقش و نگار کے علاوہ کئی دیوی دیوتاؤں کی مورتیں بنائی جاتی تھیں۔ جو ہندو دھرم میں بت پرستی اور صنم گری کے شعائر کی غماز ہیں۔

پاکستان کے قیام سے پہلے حضرت بابا فریدؒ کی نسبت کی وجہ سے یہاں آپ کے گدی نشینوں کا بے حد اثر و رسوخ تھا۔ ان کے علاوہ چند مسلم خاندانوں کی افرادی قوت اور مادی وسائل بھی ہندوؤں کے لئے وجۂ خوف تھے۔ ان مسلم خاندانوں میں چشتی' سید' پٹھان' راجپوت صراف' ارائیں (مہر) کبوہ' عباسی (بھاکری) خاندان قابل ذکر ہیں۔ تعلیمی لحاظ سے مسلمان بے حد پست تھے' بڑے بڑے مسلمان گھرانوں سے بھی تعلیم کوسوں دور تھی۔ مذکورہ چند خاندانوں کے علاوہ یہاں کی مسلم اکثریت غربت و افلاس کی زندگی بسر کرنے پر مجبور تھی۔ ایک طرف بڑے بڑے باجبروت جاگیردار ان پر معاشی جبر کے کوڑے برسا رہے تھے۔ تو دوسری طرف ہندو بنیوں کی سود خوری مسلم اکثریت کو معاشی طور پر بے جان کر رہی تھی۔ ان ناموافق حالات کے باوجود مسلمانوں

موری دروازہ

شہیدی دروازہ

میں اہل حرفہ اور ہنرمند افراد کی بہتات تھی جو ظروف سازی' آہن گری' بخاری' پارچہ بانی' پاپوش سازی' رنگریزی' بقالی' لکڑی کے کھلونے' پھولدان' لکڑی کی رنگین ڈبیاں' رنگین پلنگ' چارپائیاں' موڑے اور پیڑیاں بنا کر باعزت گزر اوقات کرتے تھے۔

تحریک پاکستان کے دوران اس قصبہ کی مسلم آبادی نے جذبہ ایمانی کے تحت نظریہ پاکستان کی مکمل حمایت کی۔ یہاں کے باسیوں نے "مقامی مجبوریوں" کے باوجود مسلم لیگ کے پرچم کو سینوں پر سجا کر یونینسٹ پارٹی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مختصر یہ کہ قیام پاکستان کے ضمن میں یہاں کے متوسط گھرانوں (سید' راجپوت صراف' آرائیں (مہر) کمبوہ' عباسی) کی تن من دھن کی قربانیاں بے مثل' ناقابل فراموش اور باعث فخر ہیں۔ تاہم تحریک پاکستان میں یہاں کے باسیوں کی سیاسی سرگرمیوں کی تفصیل آئندہ صفحات پر بیان کی جائیں گی۔

مختصر یہ کہ سلاطین دہلی کا عہد ہو' یا دور مغلیہ' سکھوں کی پنجاب پر حکومت ہو یا فرنگیوں کا اس علاقہ پر قبضہ غرضیکہ ہر عہد میں اس قصبے کی مذہبی' روحانی' تاریخی' دفاعی اور سیاسی اہمیت کو تسلیم کیا۔ جس کی تفصیل عہد بہ عہد آئندہ صفحات پر درج ہے۔

حوالہ جات

(1) منٹگمری گزٹ از ریسرچ سوسائٹی پنجاب صفحہ نمبر514

(2) اسرار عترت فریدی از پیر محمد چشتی صفحہ نمبر157

(3) ڈسٹرکٹ گزیٹیر آف پنجاب جلد اول صفہ نمبر518

(4) ماہر آثار قدیمہ 1918ء میں ہڑپہ' ٹیکسلا اور موہنجو داڑو کے کھنڈرات دریافت کئے

(5) بحوالہ تاریخ دیپالپور صفحہ نمبر20

(6) انوار الفرید از مولانا مسلم نظامی صفحہ نمبر193

(7) ہڑپہ تہذیب از پروفیسر عبدالحمید صفحہ نمبر65

(8) واقعات دارالحکومت از ملک بشیر احمد صفحہ نمبر15

(9) تاریخ ملتان از مولانا نور محمد فریدی صفحہ نمبر91

(10) بحوالہ منٹگمری گزٹ صفحہ نمبر493

(11) ہانڈا ہندو قوم ہے جو اس دروازہ کے قریب آباد تھی

(12) بحوالہ منٹگمری گزٹ صفحہ نمبر525

ہندو دور کا قدیم مندر

عہد رفتہ کی تعمیر
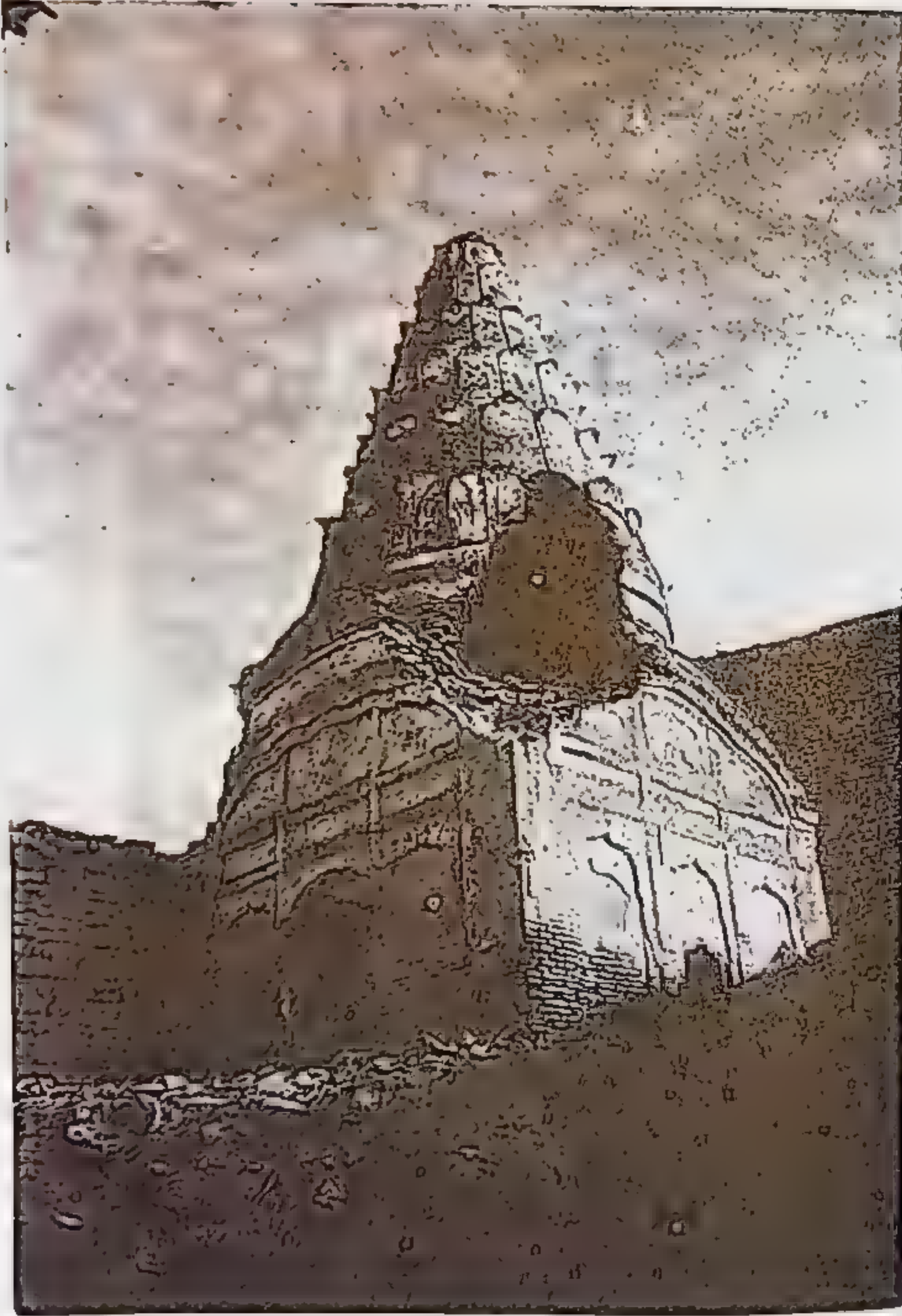
حصہ دوئم

اسلامی دور کا آغاز اور عہدِ سلاطین

اسلامی دور کا آغاز

فتح سندھ : اسلام ابرِ رحمت ہے۔ جہاں جہاں برسا انسانیت کو سکون میسر آیا' ہندوستان کی فضائے بسیط بھی اس ابر کی رحمت بھری بوندوں سے فیض یاب ہوئی۔

یہاں اسلام کا پیغام مسلمان فاتحین' صوفیائے کرام اور بزرگان دین کے ذریعے پہنچا' حقیقتاً" ہندوستان میں اشاعت دین کا سہرا بزرگان دین اور صوفیائے کرام کے سر ہے' جنہوں نے اپنے زندگیوں کو شریعت محمدی ﷺ کامکمل نمونہ بنا کر اپنے پاکیزہ اعمال و افعال سے متاثر کرتے ہوئے بتکدہ ہند کے باسیوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ (1)

عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے دیبل کے مقام پر راجہ داہر کے بحری قزاقوں کو درس عبرت دینے' داہر کے تکبر کو پاش پاش کرنے اور اس کی قید میں مسلم خاتون کی "پکار" پر لبیک کہتے ہوئے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو 712ء میں سندھ کی فتح پر مامور کیا۔ اس جواں سال' نامور جرنیل نے سندھ اور ملتان کا بیشتر علاقہ فتح کرنے کے بعد یہاں کی ہندو رعایا سے اسلامی روا داری کے سنہری اصولوں کے تحت اس قدر احسن سلوک کیا کہ ہندو جلد ہی اپنے "راجہ داہر" کو بھول گئے اور محمد بن قاسم کو اپنا نجات دہندہ تصور کرنے لگے۔

اس علاقے میں محمد بن قاسم کی شاندار فتوحات' مفتوحہ' علاقوں کا بہترین انتظام و انصرام' رعایا کی طرف سے مکمل عزت و احترام کی بناء پر اسلامی تاریخ کا یہ عظیم سپہ سالار ملتان سے آگے مغربی پنجاب کی طرف پیش قدمی کا خواہاں تھا (2) مگر شومئ قسمت کہ تاریخ اسلام کا یہ نامور سپوت اپنوں کی منتقم مزاجی کا نشانہ بنا اور یوں خلیفہ ولید بن عبدالمالک اور حجاج بن یوسف کی وفات کے بعد جب سلیمان بن عبدالمالک تخت خلافت پر متمکن ہوا۔ تو اس نے حجاج بن یوسف سے اپنی مخاصمت کا بدلہ محمد بن قاسم سے لیا۔ محمد بن قاسم کو سندھ سے بلوا کر پس زنداں ڈال کر مروادیا۔

خلیفہ سلیمان کی ناعاقبت اندیشی کی بناء پر ہندوستان کی مزید فتوحات ختم ہو گئیں (3) فتح سندھ کے بعد خلافت بنوامیہ نے ہندوستان کے بقیہ علاقوں کو غلبہ اسلام کے زیر نگیں لانے کیلئے ہندوستان کا رخ نہ کیا اور ایک طویل عرصہ تک کوئی مسلم فاتح فاتحانہ اسلامی یلغار کے ساتھ اس علاقے میں داخل نہ ہوا اور یوں فتح ملتان سے فتح دہلی تک

پانچ سو سال کا عرصہ لگا (4)

تاہم اشاعت اسلام کے سلسلہ میں فتح سندھ کے اثرات ہندوستان کی مذہبی اور روحانی تاریخ پر بڑے گہرے اور مثبت مرتب ہوئے۔ درحقیقت اس فتح نے تبلیغ دین کیلئے جو درِ رحمت وا کیا اس سے آنے والے وقتوں میں یہاں روحانی غلبہ کو ایک کشادہ راہ مل گئی اور یوں نورِ اسلام کی جو کرن 712ء میں "باب الاسلام" سندھ کے ذریعہ برصغیر پہنچی رفتہ رفتہ اس کی ضیاء پاشیوں سے یہ علاقہ بقعۂ نور بن گیا۔ تبلیغ دین کے سلسلہ میں فتح سندھ کی شکل میں جو نخل مسلم فاتحین نے اس رہگزار میں لگایا۔ آنے والے ادوار میں اس سے سندھ کی سرزمین سایہ فگن ثمر آور نخلستان بن گئی۔

خواجہ عزیز مکی ؒ کی آمد: مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان مجاہدین باقاعدہ محمد بن قاسم کی زیر سرکردگی ملتان سے آگے اجودھن، دیپالپور اور قبولہ کی طرف نہیں بڑھے۔ البتہ تبلیغ دین کی خاطر کچھ پاکیزہ ہستیاں انفرادی جذبہ جہاد کے تحت ملتان سے آگے اجودھن کی طرف تشریف لائیں (5) شریف التواریخ از سید شریف احمد شرافت نوشاہی کے مطابق یہ بات صدیوں سے مشہور ہے کہ حضرت خواجہ عزیز مکی ؒ اسلام کے پہلے قلندر، صحابی رسول اور حضور نبی کریم ﷺ کے لشکر کے علمبردار تھے۔ یہی وجہ ہے آپ حضرت عبدالعزیز مکی قلندر المعروف عبداللہ علمبردار مشہور ہیں۔ اسلام سے مشرف ہونے کے بعد آپ اصحاب صفہ میں داخل ہو گئے اور خود حضورؐ نے آپ کو قلندر کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ (6)

آپ کی عمر 600 سال تھی۔ حالت سکر میں کئی مرتبہ مختلف مقامات پر دفن ہوئے اور اپنی تدفین کے چالیس سال بعد دوبارہ قبر سے باہر آجاتے۔ آخری بار کفار اجودھن سے جہاد کیا۔ اس معرکہ آرائی میں حضرت خواجہ عزیز مکی ؒ اور آپ کے دیگر ساتھی شہید ہوئے آج وہ جگہ پاک پتن میں "ٹوبہ گنج شہیداں" کے نام سے مشہور ہے۔ (7) یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت بابا فرید ؒ نے اجودھن میں اپنی آمد کے وقت کریر کے درخت کے نیچے قیام فرمایا تھا۔ بعد میں یہی مقام آپ کے اولین قیام کی مناسبت سے "گوڈڑی بابا فرید ؒ" کہلوایا (8) حضرت بابا فرید ؒ کے عرس کے دوران اس گوڈڑی کی خاص قدرو منزلت ہوتی ہے۔ اب یہاں ایک قدیمی مسجد اور حضرت بابا فرید ؒ کے حقیقی پوتے حضرت شیخ مودود ؒ کا مزار، قبرستان اور ایک دینی درسگاہ ہے۔ اسی جگہ حضرت

خواجہ عزیز مکی ؒ کا مزار مرجع خلائق ہے۔

دوسری روائت کے مطابق حضرت خواجہ عزیز مکی ؒ محمد بن قاسم کی فوج میں ایک مجاہد اسلام تھے۔ جذبہ جہاد سے سرشار کفار سے لڑتے لڑتے بمقام اجودھن پہنچے اور شہید ہو کر یہاں دفن ہوئے۔ (9) مگر یہ روائت بے حد کمزور اور ناقابل یقین ہے۔ کیونکہ باوجود تاریخی تحقیق اس امر کی سند کہیں سے نہیں مل سکی۔ جہاں تک پہلی روائیت کے حقائق کا تعلق ہے۔ تصوف سے متعلقہ یہ مسائل بے حد نازک اور پیچیدہ ہیں۔ مختصراً یہ کہ اگر آپ واقعی صحابی رسول تھے تو شرفِ صحابیت کی بناء پر اس مسئلہ پر منطق، عقلی دلائل یا تنقیدی بحث بے ادبی اور گستاخی کا موجب بن سکتی ہے۔ تاہم جملہ مباحث سے قطع نظر یہ ایک طے شدہ تاریخی امر ہے کہ حضرت خواجہ عزیز مکی ؒ اس سرزمین پر تشریف لائے۔ یہاں دفن ہیں۔ انکی آمد امر واقع ہے۔ جس سے انکار ممکن نہیں۔

حوالہ جات

(1) آب کوثر صفحہ نمبر 189

(2) بشمول پاک پتن و دیپالپور وغیرہ

(3) آب کوثر صفحہ نمبر 191

(4) ایضاً

(5) سوانح حیات حضرت بابا فرید مسعود گنج شکر ؒ صفحہ نمبر 283

(6) شریف التواریخ جلد اولّ از سید شرافت نوشاہی صفحہ نمبر 4

(7) انوار الفرید صفحہ نمبر 94

(8) رسومات عرس فریدی از ملک بشیر احمد صفحہ نمبر 172

(9) سوانح حیات حضرت بابا فرید مسعود گنج شکر ؒ از وحید احمد مسعود صفحہ نمبر 284

عہد سلاطین

غزنوی دور: سندھ اور ملتان کا علاقہ تو مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری کے اندر ہی فتح کر لیا تھا۔ وہ چشمہ فیض جو محمد بن قاسم نے صحرائے سندھ میں جاری کیا۔ بلاشبہ اسکی برکات ملتان اور اس کے گرد و نواح میں ضرور پہنچیں اور لوگ اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہوئے۔ محمد بن قاسم کی آمد کے اڑھائی سو سال بعد تک شمالی ہندوستان میں راجپوت آزادانہ حکومت کرتے رہے اور باہر سے کوئی مسلمان فاتح تسخیر ہند کے لئے حملہ آور نہ ہوا۔ (1) آخر 980ء کے قریب امیر سبکتگین نے ہندوستان کے شمالی مغربی سرحد پر اہم مقامات فتح کرکے مزید فتوحات کے لئے راستہ ہموار کیا۔ اس وقت پنجاب کا حکمران "جے پال" تھا۔ اسکی سلطنت کی سرحدیں پنجاب سے کابل تک پھیلی ہوئی تھیں۔ لہٰذا اس نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں غزنی پر چڑھائی کر دی۔ نتیجتاً امیر سبکتگین نے اپنی پنجاب کی جوابی مہمات کے دوران اجودھن کے علاقہ کو 368ھ میں تاراج کیا اور یوں ہندوستان میں کفر و اسلام کا باقاعدہ ٹکراؤ شروع ہوا۔ (2) امیر سبکتگین کی وفات کے بعد اس کا بلند اقبال بیٹا محمود تخت غزنی پر متمکن ہوا۔ اس کی عظیم فتوحات سکندر اعظم کی یاد دلاتی ہیں۔ لہٰذا اس نے جے پال سے لڑائی جاری رکھی اور 1001ء میں اسے شکست فاش دی۔ (3)

سلطان محمود کی اجودھن میں آمد: 1005ء میں جب ملتان کے حاکم ابوالفتح داؤد بن نصیر کے خلاف محمود فوجی کاروائی کر رہا تھا تو جے پال کے بیٹے انند پال نے محمود پر حملہ کر دیا۔ مگر منہ کی کھائی اور شکست اس کا مقدر بنی چونکہ سلطان محمود غزنوی سیدھا ملتان آیا۔ اس لئے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ محمود نے ملتان جاتے ہوئے راستے میں دیپالپور اور اجودھن کے علاقے کو اپنے پاؤں تلے روندا۔ تکبیر و توحید کے فلک شگاف نعروں سے اس علاقے کی فضائیں گونج اٹھیں اور یہاں کے باسی مسلم افواج کی شوکت و عظمت سے مرعوب ہوئے۔ سلطان محمود نے اپنی وفات سے قبل لاہور کی حکومت اپنے غلام ایاز کے سپرد کی۔ مسلم شاہی خاندانوں کی قدیمی روش کے مطابق سلطان محمود کی وفات کی بعد بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ مسعود غالب آیا۔ مسعود نے باپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہانسی کا قلعہ فتح کیا۔

سلطان ابراہیم اور اجودھن کی تسخیر: اگرچہ سلطنت غزنی زوال پذیر تھی۔ مگر سلطان ابراہیم بن مسعود جیسے متقی اور اولوالعزم شخص نے حکومت سنبھالی تو ایک طرف اس نے سلجوقیوں سے نہایت دانائی سے اطمینان حاصل کیا تو دوسری طرف ایک بہت بڑا لشکر تیار کرکے ہندوستان بھیجا۔ 472ھ میں سلطان ابراہیم خود ہندوستان پہنچا۔ اور یہاں کے مشہور و معروف قلعہ اجودھن (جو لاہور سے ایک سو کوس کے فاصلے پر واقع ہے (4) کا محاصرہ کرکے اسے فتح کیا اور یوں اجودھن (پاک پتن) براہ راست پایہ تخت لاہور کے زیر نگین ہوا۔ جہاں پونے دو سو سال غزنوی خاندان برسراقتدار رہا اور جہاں انہوں نے علم و ادب کی ایسی شمعیں روشن کیں۔ (5) جنکی تابناکی آج بھی لاہور کے در و بام پر رقصاں ہے۔ اجودھن کی تسخیر کے بعد سلطان ابراہیم نے پنجاب کے سب سے بڑے قلعہ روپال کو فتح کیا۔

غوری دور میں اجودھن: سلطان ابراہیم بن مسعود کے بعد سلطنت غزنی نہایت سرعت سے روبہ زوال ہوئی تو اس دوران غوری خاندان عروج کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ معزالدین محمد غوری کے جرنیل علاؤ الدین حسین نے بہرام شاہ کو شکست دیکر غزنی پر قبضہ کر لیا بعد ازاں سلطان محمد غوری ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا۔

سلطان محمد غوری 1175ء میں ملتان کے بعد لاہور کے غزنوی حکمران خسرو ملک کو 1186ء میں شکست دیکر مغربی پنجاب کے وہ تمام علاقے جو پایہ تخت لاہور کے زیر نگین تھے۔ جن میں دیپالپور اور اجودھن قابل ذکر تھے۔ خود بخود سلطان محمد غوری کے زیر نگین ہوگئے۔ (6)

جن دنوں حضرت بابا فریدؒ اجودھن تشریف لائے اور آپ نے شہر سے باہر حضرت خواجہ عزیز مکیؒ کے مزار کے قریب قیام فرمایا تو ایک دن گنگا تری نامی ہندو عورت روتی ہوئی حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ حضرت بابا فریدؒ نے رونے کا سبب پوچھا تو عورت نے عرض کیا کہ عرصہ ہوا بادشاہ معزالدین محمد غوری کی فوج کے سپاہی میرے لڑکے کو اس جگہ سے پکڑ کر لے گئے ہیں۔ لڑکے کا نام نندرام اور عمر 15 سال بتائی۔ آخر حضرت بابا فریدؒ کی خصوصی دعاؤں سے وہ لڑکا سندھ' حیدر آباد سے واپس اجودھن پہنچ گیا۔ اسطرح ماں اور بیٹے نے حضرت بابا فریدؒ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ (7) اس روایت سے یہ بات منکشف ہوئی کہ معزالدین محمد غوری کی فوجیں ملتان

سے لاہور جاتے ہوئے اجودھن سے گذریں اور لاہور فتح کرنے کے بعد یہاں قابض ہوگئیں۔

خاندان غلاماں کے عہد میں اجودھن : سلطان محمد غوری کی نرینہ اولاد نہیں تھی۔ اس نے چند غلام خرید کر ان کی پرورش اپنے حقیقی بیٹوں کی طرح کی ان "نامور غلام تاجداروں" میں سلطان قطب الدین ایبک نے خاندان غلاماں کے بانی کی حیثیت سے 24 جولائی 1206ء میں ہندوستان میں باقاعدہ مسلم اقتدار کی بنیاد رکھی۔

اس دور میں اجودھن کو اپنی قدامت اور دفاعی اہمیت کے علاوہ حضرت بابا فریدؒ کی آمد' آپ کے یہاں مستقل قیام اور آپ کی شاندار تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے بالعموم سیاسی اور بالخصوص روحانی دنیا میں وہ اعلیٰ مقام نصیب ہوا جس نے اس قصبہ کو ابدی نیک نامی اور تصوف کی رفعتوں سے ہمکنار کیا۔ حضرت بابا فریدؒ کی اجودھن آمد سے قبل یہ ضروری ہے کہ آپ کی سوانح حیات کے چیدہ چیدہ پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے۔ تاکہ قارئین کرام کو اس موضوع پر مکمل معلومات فراہم ہو سکیں تاکہ وہ کسی قسم کی علمی تشنگی محسوس نہ کر سکیں۔

حضرت بابا فریدؒ اور آپ کا خاندان : اسلام میں برتری اور فضیلت کا معیار حسب نسب کی بجائے پرہیزگاری اور تقویٰ پر ہے۔ اس معیار کو سامنے رکھتے ہوئے تمام تذکرہ نگاروں کا اس حقیقت پر کامل اتفاق ہے کہ حضرت بابا فریدؒ ایک نہایت معزز و محترم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سیر الاولیاء میں آپ کا نسب فاروقی لکھا گیا ہے۔ اور بیس (20) پشتوں سے آپ کا شجرہ امیر المومنین سیدنا عمر الفاروق سے ملتا ہے جو اس طرح ہے۔ (8)

شجرہ پدری :

(1) امیرالمومنین حضرت سیدنا عمر فاروقؓ
(2) حضرت عبداللہؒ
(3) حضرت شیخ ناصرؒ
(4) حضرت شیخ سلیمانؒ
(5) حضرت خواجہ ادھمؒ

(6) حضرت خواجہ ابراہیم شاہؒ بلخی
(7) حضرت شیخ اسحاقؒ
(8) واعظ اکبر شیخ ابوالفتحؒ
(9) شیخ عبداللہ واعظ اصغرؒ
(10) حضرت شیخ مسعودؒ
(11) حضرت شیخ سلیمانؒ
(12) حضرت سامان شاہؒ
(13) حضرت شیخ محمد المعروف بہ نشمان شاہؒ
(14) حضرت شیخ نصیرالدینؒ
(15) حضرت شیخ شہاب الدین فرخ شاہ کابلیؒ
(16) حضرت شیخ محمد یوسفؒ
(17) حضرت شیخ محمد احمدؒ
(18) حضرت قاضی محمد شعیبؒ
(19) حضرت شیخ جمال الدین سلیمانؒ
(20) حضرت فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

شریف الطرفین ہونے کی بناء پر آپ کا خاندان ہر دور میں روحانی سیادت و قیادت کا مالک رہا۔ آپ کے اجداد میں حضرت ابراہیم بن ادھم بلخ کے فرمانروا تھے۔ جنھوں نے فرمانروائی چھوڑ کر راہ فقر اختیار کی اور پھر اپنے زہد و تقویٰ' عبادت و ریاضت' شریعت و طریقت کے آسمان پر بلاشبہ آفتاب بن کر چمکے۔ اسی طرح آپ کے جد امجد حضرت شیخ شہاب الدین فرخ شاہ کابل کے حکمران تھے۔ ان کے عہد میں کابل نے علمی لحاظ سے خوب ترقی کی۔ بعد ازاں جب شاہان غزنی نے کابل پر قبضہ تو کر لیا' مگر فرخ شاہ کی اولاد کا اعزاز باقی رکھا اور کابل انھیں کے تصرف میں رکھتے ہوئے انھیں یہاں کا صوبہ دار مقرر کیا۔

بعض تذکرہ نگاروں نے سلطان محمود غزنوی کی ہمشیرہ کا نکاح حضرت بابا صاحبؒ کے دادا شیخ شعیبؒ سے ظاہر کیا ہے۔ مگر یہ روایت حقیقت پر مبنی نہیں۔ قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ شعیبؒ سلطان محمود غزنوی کے ہمعصر نہیں تھے۔ اب سوال

پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے اجداد کب اور کیوں اپنے وطن سے ہجرت کرکے ہندوستان (پنجاب) تشریف لائے؟ اس سے متعلق متضاد روائتیں ہیں مگر ذیل کی چند روائتیں بہت مشہور ہیں۔

پہلی روائت کے مطابق جب تاتاریوں نے چنگیز خاں کی سرکردگی میں ممالک اسلامیہ کو تہہ و بالا کرنا شروع کیا اور کابل بھی فتنہ تاتار کی زد میں آگیا۔ تو شیخ شعیبؒ کے والد شیخ احمد تاتاریوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ جس پر شیخ شعیب بمعہ اہل و عیال کابل چھوڑ کر پنجاب تشریف لے آئے۔ پہلے کچھ عرصہ لاہور اور قصور میں قیام فرمانے کے بعد ملتان کے نزدیک موضع کھتوال میں رہائش اختیار کی۔ (9)

لائف اینڈ ٹائم حضرت بابا فریدؒ میں کیپٹن ویڈ نے یہ ذکر کیا ہے کہ آپ کا خاندان بہرام شاہ غزنوی کے خاندان کے ساتھ 1175ء میں ملتان آیا۔ مشہور مورخ ابو قاسم فرشتہ کے مطابق آپ کا خاندان معزالدین شہاب الدین غوری کے عہد میں لاہور آیا۔

تیسری روائیت کے مطابق بابا فریدؒ کے والد شیخ جمال الدین سلیمانؒ، سلطان معزالدین شہاب الدین غوری کے اقتدار کے زمانہ میں کابل سے پنجاب آئے اور کھتوال میں سکونت اختیار کی۔ (10)

چوتھی روائیت کے مطابق جب غزنویوں اور غوریوں کے درمیان اقتدار کے حصول کی جنگ چھڑی تو آئے دن کی جنگوں سے تنگ آکر یہ خاندان وطن چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ ان روائتوں سے کوئی حتمی نتیجہ تو اخذ نہیں کیا جاسکتا' تاہم دوسری روائیت زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس میں بھی یہ بات تصفیہ طلب ہے کہ آپ کے دادا شیخ شعیب نے ہجرت کی یا ان کے فرزند شیخ جمال الدین سلیمانؒ نے کی۔ تاریخی حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے ہم اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ شیخ شعیبؒ نے اپنے فرزندوں کے ہمراہ 1098ء تا 1175ء کے درمیان کسی وقت اپنے وطن سے ہجرت کی۔ جبکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت کا آغاز ہوچکا تھا۔

المختصر آپ کے دادا شیخ شعیبؒ لاہور آتے ہوئے پہلے قصور پہنچے تو قصور کے قاضی نے ان کا استقبال کیا۔ اپنے ہاں رکھا اور حکومت سے سفارش کرکے قاضی شعیب کو موضع کھتوال میں قاضی مقرر کروا دیا۔ جہاں قاضی شعیب نے مستقل سکونت اختیار کرلی۔ (11)

حضرت خواجہ حسن نظامیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "نظامی بنسری" میں "سیادت فریدی" نامی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ

امروہہ کے ایک صاحب نے "سیادت فریدی" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس میں قدیمی نسب ناموں اور نسب کی کتب سے ثابت کیا تھا کہ حضرت بابا فریدؒ سید تھے' فاروقی شیخ نہیں تھے۔ اور فاروقی مشہور ہونے کی وجہ یہ لکھی تھی کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانے میں جب حضرت بابا صاحبؒ کے بزرگ کابل آئے تو اس نے اپنے نسب کو چھپایا کہ کابل کا حاکم اس اموی یا عباسی حکومت کا نائب تھا جو بنی فاطمہ کو سلطنت کا حریف سمجھتی تھی۔ جہاں بنی فاطمہ کو پاتی تھی مار ڈالتی تھی۔ لہٰذا انہوں نے جان کے خوف سے اپنا نسب فاروقی بتایا۔ اور اس بناء پر کابل کے حاکم نے اس سے قرابت کرلی اور آخر کار یہ خاندان کابل کا حکمران ہوگیا۔ مذکورہ حوالہ پر بحث کرتے ہوئے حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کچھ یوں رقمطراز ہیں۔

"سیادت فریدی کو میں نے دیکھا تھا اور اس کی دلیلیں مجھے وزنی معلوم ہوئیں تھیں۔ لیکن ہندوستان کے فریدیوں نے ان دلیلوں کو قبول نہیں کیا' بہرحال اس کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ اس لئے لکھ دیا۔" (12)

تبصرہ: اگر اس روائیت پر بحث کی جائے تو اس کی نفی کے لئے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کے خاندان کے اجداد صاحب اقتدار اور مشہور و معروف تھے۔ جو دنیاوی اقتدار کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ میں بھی برگزیدہ تھے۔ ان کے لئے اپنے نصب کو چھپانا بہت ہی مشکل تھا اور پھر یہ کہ اس دور آشوب میں جب بے شمار خاندان کابل' ایران اور وسط ایشیاء سے ہجرت کرکے ہندوستان آباد ہوئے۔ ان کی موجودگی میں آپ کے اجداد کس طرح اپنا نسب چھپا سکتے تھے؟ پھر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جن دنوں حضرت بابا فریدؒ کا خاندان کابل میں آباد ہوا وہ دور بنو عباس کا دور زوال تھا۔ اس دور میں بنو عباس کی نسلی عصبیت تقریباً مٹ چکی تھی۔ اس لئے سادات کو بنو عباس کے ہاتھوں کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود حضرت بابا فریدؒ نے سادات ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تو کسی دوسرے کو قطعاً یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ آپ کو "فاروقی" سے سید ثابت کرنے کی کوشش کرے۔

حضرت بابا فریدؒ کے والدین: کھتوال میں ہی آپ کے والد ماجد قاضی

جمال الدین سلیمانؒ کی شادی مولانا وجیہہ الدین نجندیؒ عباسی کی دختر نیک اختر بی بی قرسم خاتونؒ سے ہوئی۔ قاضی جمال الدین سلیمانؒ اپنے والد مکرم قاضی شیخ محمد شعیبؒ کی وفات کے بعد موضع کھتوال کے قاضی مقرر ہوئے۔

جہاں تک آپ کے والد گرامی قاضی جمال الدین سلیمانؒ اور نانا مولانا وجیہہ الدین نجندیؒ کے حالات زندگی کا تعلق ہے۔ تذکرہ نویسوں نے اس بارے میں زیادہ معلومات فراہم نہیں کیں۔ بس یہ لکھتے ہیں کہ مولانا وجیہہ الدین نجندیؒ بڑے متقی بزرگ تھے۔ اور قاضی جمال الدین سلیمانؒ بڑے عابد، متقی، فاضل اور قاضی عدل تھے۔ علم و فضل اور عدل و انصاف میں بے مثل تھے۔ (13)

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں۔

"کھوتیوال کہ معاش کمتر باشد و مقام مجہول است
دآں مقام از ملتان نزدیک است" (14)

اسی طرح حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی فرماتے ہیں۔

"ولد شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہ قاضی کھوتیوال بود" (15)

حاصل بحث یہ کہ حضرت بابا فریدؒ والدین کا مستقل مستقر کوٹھے والا ہے۔ جس کا مقرس کھوتیوال یا کھتوال ہے۔ جو ملتان کے نزدیک ہے۔ آج بھی کوٹھے والا ملتان شہر سے مشرق میں کوئی دس بارہ میل کے فاصلے پر سنت بدھلہ روڈ پر ہے۔ اسی مقام کے قبرستان میں حضرت بابا فریدؒ کے حقیقی چچا اور خاندان کے دوسرے افراد کے مزار شریف ہیں۔ جو اس حقیقت کو ثابت کر رہے ہیں کہ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت بابا فریدؒ کی ولادت ہوئی۔ مگر اکثر کتب سیر میں آپ کی ولادت بمقام چک دیوان صاحب المعروف چاولی مشائخ بیان کی گئی ہے۔ جہاں رائے چاولہ حاجی شیر شہید کا مزار ہے۔ جو ملتان سے 131 میل دور ہے۔ تاہم قارئین کی دلچسپی کے لئے موضع چاولی مشائخ کی تاریخی اہمیت بھی بیان کی جاتی ہے۔

قصبہ چاولی مشائخ: چاولی مشائخ ایک بہت قدیمی قصبہ ہے جو اب تحصیل بورے والا ضلع وہاڑی کے قریب ہے۔ یہ قصبہ حضرت دیوان رائے چاولہ کے نام کی وجہ سے چاولی مشائخ مشہور ہوا دیوان رائے چاولہ راجہ ہسپال کے سب سے چھوٹے لڑکے تھے۔ آپ کے مورث اعلیٰ لکھمن راجپوت ڈھڈی قوم کا سردار اور اس علاقے میں اس کی

حکومت تھی۔ رائے چاولہ اپنے ابتدائے طفولیت ہی سے اسلام کی طرف رجحان رکھتے تھے۔ اور بعالم باطن فیضان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیضیاب ہو کر مسلمان ہوئے اور درجہ ولایت تک پہنچے آپ کی ہمشیرہ جس کا نام "کنگن" تھا۔ آپ سے متاثر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ چنانچہ اس کے مسلمان ہونے کا آپ کے دیگر بھائیوں کو بہت رنج ہوا۔ انہوں نے موقع پا کر آپ کو شہید کر دیا۔ مگر بعد میں پشیمان ہو کر سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ آپ کی تاریخ شہادت 131ھ بتائی جاتی ہے۔ آپ کی ہمشیرہ کے نام پر اس علاقے میں کنگن پور کا قصبہ بھی آباد ہے۔ (16)

روضہ کی تعمیر: آپ کا روضہ سلطان محمود غزنوی نے پچاس ہزار روپے سے تعمیر کروایا اور چند گاؤں جاگیر میں دیئے۔ علاوہ ازیں یہاں ایک شاندار مسجد بھی تعمیر کروائی۔ پھر شہنشاہ نور الدین جہانگیر نے اپنے عہد میں اس روضہ کی مرمت کروائی اور روضہ کی مشرقی جانب ایک دوسری مسجد بھی تعمیر کی۔ روضہ کے اندر حضرت دیوان صاحب اور آپ کی ہمشیرہ "کنگن برس" کے مزارات ہیں۔ روضہ کے باہر ایک بہت وسیع قبرستان ہے۔ جس میں روضہ سید شکور شاہ وزیر دیوان صاحب اور وہ درخت جال (ون) جس پر دیوان صاحب نے شکل شیر میں ظاہر ہو کر پنجے مارے موجود ہے۔ جس کی بناء پر آپ کو "حاجی شیر" بھی کہتے ہیں۔

جلیل القدر صوفیاء کرام کا اکتساب فیض: آپ کے مزار پرانوار پر بڑے بڑے صاحب کمال صوفیائے کرام حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت شیر شاہ سید جلال الدین بخاریؒ، حضرت بہاؤ الحق ذکریاؒ ملتانی، حضرت سخی لال شہباز قلندرؒ یہاں تشریف لا کر کسب فیضان کرتے رہے۔

بابا گرونانک جی کی حاضری: سکھ مذہب کے بانی بابا گرونانک جی بھی یہاں تشریف لائے اور انہوں نے یہاں چلہ کشی کی۔ جس کی یاد میں سکھوں نے یہاں دھرم سالہ گروونانک صاحب تعمیر کروایا۔ یہاں وہ چاہ (17) بھی موجود ہے۔ جس پر حضرت بابا فرید الدینؒ صاحب نے بارہ برس تک ریاضت و عبادت کی۔ حضرت دیوان چاولی مشائخ کے مرید میاں چمنہ کی اولاد اب یہاں مجاوری کرتی ہے۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں یہاں عرس ہوتا ہے۔ دربار شریف کا جملہ انتظام و انصرام محکمہ اوقاف کے ذمہ ہے۔

حضرت بابا فریدؒ کی ولادت: حضرت بابا فریدؒ کی ولادت مسعود قصبہ کھتوال (کوٹھے والا) میں ہوئی خاندانی طور پر آپ کا نام مسعود رکھا گیا مگر بعد میں آپ فریدالدین گنج شکر کے لقب سے صفحہ دہر پر مشہور ہوئے۔ فرید کے معنی یکتا اور بے مثل ہیں۔ جبکہ دیگر روائتوں کے علاوہ آپ کی حلاوت سخن اور شیریں گفتگو کی بناء پر آپ کو "گنج شکر" بھی کہا جانے لگا اور یوں آپ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے نام سے آسمان روحانیت پر بمثل آفتاب و ماہتاب ظلمت کدہ ہند میں نمودار ہوئے۔

آپ کے سن پیدائش کے متعلق مختلف تذکرہ نویسوں کے درمیان اختلاف ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے مستند سن ولادت کا تعین مشکل ہے۔ تاہم قرائن و شواہد سے جو سن متعین کیا گیا سوائے کشفی تذکرہ نگاروں کے دیگر بزرگان کو اس پر کامل اتفاق ہے۔

سیرالاولیاء میں آپ کا سن پیدائش 569ھ لکھا ہے۔ اسی طرح بعض نے 564ھ تحریر کیا ہے۔ تاہم اگر حضرت بابا فریدؒ کا سن وفات 664ھ بمطابق 1265ء تسلیم کر لیا جائے تو آپ کی پیدائش کا سن 571ھ بمطابق 1173ء ہے۔

فوائد الفواد میں درج ہے کہ کسی نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے حضرت بابا فریدؒ کی عمر شریف کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے عمر شریف 93 سال بتائی۔ لہٰذا اس مستند روایت کی موجودگی میں آپ کا سن پیدائش 571ھ ہے اور یوں اللہ تعالیٰ نے قاضی جمال الدین سلیمان کو حضرت بابا فریدؒ کی صورت ایک ایسا سپوت عطا فرمایا جس کی دینی عظمت قاضی شعیب کے بزرگوں کی کھوئی ہوئی سلطنت کی شان و شوکت سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ (18)

تعلیم و تربیت: حضرت بابا فریدؒ کی ولادت کے تھوڑے عرصہ بعد آپؒ کے والد شیخ جمال الدین سلیمان نے وفات پائی تو آپ کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری والدہ محترمہ کے سر آپڑی۔ چونکہ آپ کی والدہ بزرگوں کی اولاد تھیں اور علم و عرفان کے لحاظ سے نہایت بلند مقام رکھتی تھیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنے لخت جگر کی تعلیم و تربیت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم یعنی اس وقت کی چند ابتدائی مروجہ درسی کتابیں موضع کھتوال میں ہی پڑھیں یہیں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا پھر آپ کی والدہ نے اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ کو ملتان بھیج دیا۔

ملتان میں قیام: ان دنوں ملتان یگانہ روزگار علماء کی موجودگی کی وجہ سے قبۃ الاسلام کہلاتا تھا۔ ملتان میں آپ نے سرائے حلوائی کے قریب مسجد مولانا منہاج الدین ترمذی میں قیام فرمایا اور علوم دینیہ کی تعلیم شروع کر دی۔ دو تین سال کے اندر اندر تفسیر حدیث، اصول، معانی، فلسفہ، منطق، فقہ، ریاضی اور ہیئت وغیرہ کا درس ختم کر لیا۔ جس وقت آپ ملتان تشریف لائے اس وقت آپ کی عمر 13 سال تھی۔ ملتان میں آپ کے قیام کے تھوڑے عرصہ بعد آپؒ کے کمال صلاحیت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ یہاں تک کہ حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ کے دل میں آپ سے ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے شرفِ ملاقات: ملتان میں قیام کے دوران آپ ایک دن مسجد منہاج میں بیٹھے نافع پڑھ رہے تھے۔ کہ حضرت قطب عالم بختیار کاکیؒ اس مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک نوجوان کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہے جونہی حضرت بابا فریدؒ کی نظر حضرت بختیار کاکیؒ کے چہرہ مبارک پر پڑی آپ نہایت ادب سے حضرت قطب عالمؒ کے نزدیک جا بیٹھے۔

حضرت بختیار کاکیؒ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت بابا فریدؒ سے پوچھا "مسعود کیا پڑھتے ہو" آپ نے جواب دیا "نافع" حضرت بختیار کاکیؒ نے پوچھا کیا تم کو اس سے نفع ہوگا؟ آپ نے کہا مجھ کو انشاء اللہ آپ کی نظر مبارک سے نفع ہوگا یہ کہہ کر آپؒ نے اپنا سر حضرت بختیار کاکیؒ کے قدموں پر رکھ دیا۔ کچھ دیر کے بعد حضرت بختیار کاکیؒ وہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت بابا فریدؒ بھی آپ کے ہمراہ تین منزل تک گئے۔ تب حضرت قطب عالمؒ نے حضرت بابا فریدؒ سے فرمایا "کچھ عرصہ اس طرح علوم ظاہری حاصل کرو پھر میرے پاس "دہلی آنا" انشاء اللہ اپنی مراد کو پہنچو گے" یہ سن کر حضرت بابا فریدؒ ملتان واپس آگئے اور وہاں تقریباً پانچ چھ سال تک تعلیم حاصل کی(19)

سیر و سیاحت: ملتان سے فارغ ہو کر آپ نے مختلف مقامات کا طویل سفر کیا۔ جن میں خراسان، سیستان، کرمان، چشت، بدخشاں، بغداد، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، نیشاپور، دمشق، بیت المقدس اور بخارا شامل ہیں۔

اس طویل سفر میں آپ کامل فقراء اور بابرکت بزرگان دین کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے بغداد شریف میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے آپ کو اپنی مشہور کتاب "عوارف المعارف" کا قلمی نسخہ چند نصیحتوں کے ساتھ عنایت کیا اور فرمایا "اپنے مرشد کی صحبت حاصل ہونے تک اس کا مطالعہ کرتے رہو۔"

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس طویل سفر کے دوران ہر وقت آپ کو حضرت قطب عالمؒ کی خدمت میں حاضری کا خیال رہتا یہاں تک کہ آپ وطن واپس روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے اپنی والدہ ماجدہ کی خدمت میں موضع کھتوال آئے پھر یہاں سے دہلی میں حضرت بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے یوں حضرت بابا فریدؒ کی تعلیم' سیاحت' روحانی استفادہ اور مجاہدہ سب ساتھ ساتھ جاری رہے۔

بیعت و خلافت : دہلی پہنچ کر آپؒ نے حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی قدم بوسی کی۔ حضرت بختیار کاکیؒ آپ سے بہت خوش ہوئے اور آپ کو اپنی بیعت سے مشرف فرمایا۔ پھر ایک حجرہ قیام کے لئے متعین فرمایا۔ جہاں آپؒ اپنے پیرو مرشد کے ارشاد کردہ مجاہدے میں مشغول رہے۔ منقول ہے کہ جس مجلس میں حضرت بابا فریدؒ نے شیخ الاسلام حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی جناب میں بیعت کی اس وقت حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ حضرت مولانا علاؤ الدین کرمانیؒ ' سید نور الدین مبارک غزنویؒ' شیخ نظام الدینؒ ابوالموئدؒ ' مولانا شمس ترکؒ پانی پتی اور خواجہ محمود موعنہؒ موجود تھے۔ (20) جن دنوں حضرت غریب نواز خواجہ معین الدین چشتیؒ دہلی تشریف لائے۔ حضرت قطب عالمؒ نے اپنے مریدین کو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی خدمت میں توجہ اور برکت کے لئے پیش کیا جب آپ نے حضرت بابا فرید الدینؒ کو دیکھا تو فرمایا بختیار!

"ایک شہباز عظیم تمہاری گرفت میں آیا ہے۔
جو سدرۃ المنتہیٰ کے علاوہ کہیں قرار نہ پکڑے گا"

پھر ایک ساعت تأمل کے ساتھ خوشی سے فرمایا!

"فرید ایک ایسی شمع ہے جس سے خاندان چشت و
درویشاں روشن ہوجائیگا۔"

ہانسی میں قیام : 633ھ کا ذکر ہے کہ حضرت بابا فریدؒ اپنے مرشد حضرت بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔ جب ہانسی کو روانگی کی نیت سے کھڑے ہوئے تو حضرت عالم

ؒ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا "مسعود" کیا تم جانا چاہتے ہو؟ حضرت بابا فریدؒ نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا " جیسا مخدوم کا حکم ہو" فرمایا جاؤ تقدیر الٰہی یونہی ہے۔ کہ آخری وقت تم میرے پاس نہیں ہوگے پھر حضرت بختیار کاکیؒ نے اپنا مصلیٰ خاص اور عصا بابا صاحبؒ کو عنایت کر کے فرمایا "میں اپنا سجادہ' دستار' خرقہ اور نعلین بطور امانت قاضی حمید الدین ناگوریؒ کو دے جاؤں گا میری وفات کے بعد یہ سب چیزیں تم کو مل جائیں گی۔ پھر فرمایا۔

"مقام ما مقام شماست" یعنی ہمارا مقام تمہارا مقام ہے۔

چنانچہ اپنے مرشد سے رخصت ہو کر ہانسی پہنچے وہاں آپ نے تقریباً 12 سال قیام فرمایا اس عرصہ کے دوران آپ کو اپنے پیرو مرشد کی وفات کی خبر پہنچی۔ تو آپ فوراً ہانسی سے دہلی روانہ ہوئے۔ اپنے مرشد کے روضہ کی زیارت کے بعد خرقہ اور دستار وصول کی۔ تین روز وہاں ٹھہر کر واپس ہانسی روانہ ہوئے۔ چونکہ ہانسی میں آپ نے کئی سال قیام فرمایا۔ اس لیے آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ لوگوں کا اژدہام ہر وقت آپ کو گھیرے رکھتا۔ اور آپ کی عبادت و ریاضت میں مخل ہوتا۔ لہٰذا آپ نے لوگوں کی بھیڑ سے گھبرا کر اجودھن چلے آنے کا ارادہ فرمایا۔ ہانسی سے آپ پہلے سرسہ پہنچے پھر وہاں سے اجودھن کی طرف روانہ ہوئے۔

گودڑی حضرت بابا فریدؒ المعروف لیرمال : ہانسی سے روانگی کے بعد جب آپ نے تقریباً 100 کوس کا سفر طے کیا تو آپؒ ایک ون (جال) کے درخت کے نیچے آرام کرنے کیلئے بیٹھ گئے اور گودڑی اتار کر رکھ دی اور اسے مخاطب ہو کر کہا!

"اے گودڑی تو بھی ایک بوجھ بنی ہوئی ہے"

لیکن دوسرے ہی لمحے گودڑی سے یہ آواز آئی!

"لوگ تجھے میری وجہ سے ہی درویش سمجھتے ہیں اگر میں نہ ہوتی تو کوئی بھی تجھے درویش نہ سمجھتا" حضرت بابا فریدؒ نے جب یہ سنا تو فرمایا۔

" اے گودڑی تو نے تکبر اور غرور کیا اسی جگہ پڑی رہے تجھے سزا مل جائے گی"

اور حضرت وہاں سے چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں کے زمینداروں کے لڑکوں نے گودڑی کو دیکھا اور پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر پھینک دیا۔ کئی صدیاں بیت چکی ہیں اس گودڑی کی یاد تازہ ہے۔ اور اس مقام کو " لیرمال" (یعنی چیتھڑوں والا) کہتے ہیں۔ قیام

پاکستان سے قبل یہاں ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔ (21)

ریاست فرید کوٹ کی بنیاد: جب آپ نے لیرمال سے ڈیڑھ کوس کا فاصلہ طے کیا تو آپ "موکل ہر" (22) کے قلعے کے قریب پہنچے تو وہاں کے کاردار نے آپ کو بیگار کیلئے پکڑ لیا۔ اور قلعے کی مرمت کیلئے گارا اٹھانے کی ڈیوٹی لگا دی جب آپؒ گارے کی ٹوکری اٹھاتے تو وہ آپ کے مبارک سر سے ایک ہاتھ اونچی رہتی۔ قلعے کے معمار نے جب یہ دیکھا تو فوراً معافی کا خواستگار ہوا۔ اور راجہ موکل ہر کو اس واقع کی اطلاع دی۔

راجہ موکل ہر فوراً قدم بوسی کیلئے حاضر ہوا اور نہایت ادب سے معافی مانگی۔ آپ نے گارے کی ٹوکری کو وہیں ڈھیر کر دیا۔ جو آج تک قلعہ کے اندر موجود ہے پھر قلعے کے دروازہ کے باہر ون (جال) کے درخت کے ساتھ آپ نے اپنے گارے والا ہاتھ صاف کیا۔ جس پر آپ کی انگلیوں کے نشان مبارک پڑ گئے۔ درخت مذکورہ کا وہ ٹکڑا جس پر انگشتان مبارک کے نشان ہیں۔ قلعہ کے اندر شیشہ میں موجود ہے۔

راجہ موکل ہر آپؒ سے بے حد متاثر ہوا۔ اور عرض کیا کہ باباجی "یہ شہر آباد نہیں ہوتا اکثر خوف و خطرہ رہتا ہے" آپ نے فرمایا اس کا کیا نام ہے ؟ کہا "موکل ہر" تو آپ نے فرمایا" موکل ہر اندر امن باہر ڈر" اور اس کے نام کی تبدیلی کا کہا۔ راجہ موکل ہر نے عرض کیا اس کا نام " فرید کوٹ" رکھ دیتے ہیں۔
باباجیؒ نے اس نام کو پسند فرمایا لہٰذا اس دن سے موکل ہر" فرید کوٹ" (23) کے نام سے مشہور ہے۔ پھر آپ نے یہاں چند روز قیام فرمایا اور عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ لہٰذا آپ کے قیام کی جگہ (چلہ گاہ) کی قیام پاکستان سے قبل نہایت قدرو منزلت تھی۔ مہاراجہ فرید کوٹ نے اس متبرک مقام کی نگرانی اور انتظام کیلئے سینکڑوں ایکڑ اراضی وقف کر رکھی تھی جہاں ہر سال عقیدت و احترام سے بہت بڑا میلہ لگتا۔ جس میں غیر مسلم خصوصاً سکھ سردار بڑی عقیدت سے شامل ہوتے تھے۔
حضرت بابافریدؒ کی اولاد عالیہ سے پیر محمد عقیل فاروقی قیام پاکستان سے قبل وہاں کے سجادہ نشین تھے۔ جو 1947ء میں ہجرت کر کے پاک پتن تشریف لائے اور آجکل آستانہ عالیہ حضرت بابا فریدؒ کی سیڑھیوں کے پہلو میں رہائش پذیر تھے۔

باکرامت ولی اللہ تھے۔ حلیمی، تواضع، محبت و شفقت اور مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ حال ہی میں رحلت فرما چکے ہیں۔ اب ان کے خلف الرشید جناب پیر محمد عقیل مریدین باصفا کی روحانی تربیت میں مصروف ہیں۔

اجودھن میں آمد: فرید کوٹ میں چند روز قیام کے بعد آپؒ اجودھن چلے آئے اجودھن میں قیام کے ابتدائی دنوں میں آپ کو اپنے پیرو مرشد کے باطنی حکم سے یہیں ٹھہرنے کو کہا گیا۔ اجودھن میں حضرت بابا فریدؒ کے ورود مسعود نے اس قصبے کی خشک زمین کو رشک آسمان بنادیا آپ اجودھن کب تشریف لائے اس بارے مستند تاریخ کا علم تو کہیں سے میسر نہ آسکا۔ تاہم جملہ کتب سیر میں اور تذکرہ نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ آپؒ اپنے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات کے بعد شہر ہانسی سے اجودھن تشریف لائے۔

اس وقت تخت دہلی پر سلطان شمس الدین التمش جلوہ افروز تھا۔ سلطان نہایت صالح اور پاکباز تھا۔ وہ علماء اور مشائخ کا بے حد عقیدت مند تھا۔ اس نے بھی حضرت بابا فریدؒ کی طرح براہ راست حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ سے روحانی استفادہ کیا تھا۔ اس لحاظ سے وہ حضرت بابا فریدؒ کا پیربھائی اور عقیدت مند تھا۔
تاہم اسی خاندان کے دو عظیم تاجدار سلطان ناصرالدین محمود اور سلطان غیاث الدین بلبن آپ کے بے حد عقیدت مند تھے۔ اور آپ ہی کی دعاؤں کے طالب رہ کر انہوں نے ایسے شاندار کارہائے نمایاں سر انجام دیئے جن پر برصغیر کی تاریخ بلاشبہ فخر کر سکتی ہے۔

وفات: جب آپ کی عمر شریف 93 سال ہوئی تو یکم محرم 644 ہجری بمطابق 1265ء بیماری نے شدت اختیار کر لی۔ آپ کو یکے بعد دیگرے بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ جب ہوش آتا تو سب سے پہلے یہ سوال کرتے کہ میں نے نماز ادا کر لی ہے؟۔ اور ہر نماز دو دو تین تین مرتبہ پڑھتے تھے۔ 4، محرم الحرام 664 ہجری مرض کی شدت کے باوجود آپ نے سب نمازیں ادا کیں۔ پھر عشاء کی نماز جماعت سے پڑھ کر آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ کچھ دیر بعد ہوش آیا تو پہلے یہ پوچھا" کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ہے"؟ عرض کیا گیا جی ہاں فرمایا ایک مرتبہ اور پڑھ لوں۔ یہ کہا اور نماز دوبارہ ادا

کی اور پھر بے ہوش ہوگئے۔ ہوش آنے پر اللہ کے حضور سجدہ کیا اور اسی سجدے میں ایک مرتبہ بلند آواز میں "یا حی یا قیوم" کہا اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

" انا للہ و انا الیہ راجعون

ناصر الدین محمود کی عقیدت: سلطان ناصر الدین محمود سلطان التمش کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا' 1246ء میں تخت ہندوستان پر بیٹھا' یہ سلطان عبادت و ریاضت' جودو سخاوت اور بہادری میں اپنی مثال آپ تھا' اپنی روزی قرآن پاک لکھ کر کماتا تھا۔ خزانہ شاہی سے ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر صرف کرنا حرام سمجھتا تھا۔ صرف درباری اوقات میں شاہی لباس پہنتا۔ گھر پر کوئی ملازمہ نہ تھی سلطان ناصر الدین کو حضور اکرم ؐ سے بے پناہ محبت تھی۔ بغیر وضو آپؐ کا اسم گرامی زبان پر نہ لاتا تھا۔ (24)سلطان ناصر الدین کو حضرت بابا فریدؒ سے بہت عقیدت تھی وہ آپ کا غائت درجہ احترام کرتا تھا۔ 1275ء میں منگولوں نے ملتان کے حاکم کشلو خاں سے ساز باز کر کے ملتان پر قبضہ کر لیا اور شہر کو تاراج کرتے ہوئے دریائے ستلج کی طرف بڑھنا شروع کر دیا جس پر سلطان ناصر الدین تاتاریوں کے حملے روکنے کے لیے بنفس نفیس ایک عظیم لشکر لے کر ملتان کی طرف بڑھا۔(5)

جب سلطان ناصر الدین اجودھن کے قریب پہنچا تو آپ نے اپنے نائب السلطنت الغ خاں (غیاث الدین بلبن) سے کہا کہ میں اجودھن میں حضرت بابا فریدؒ کی زیارت کے لیے جانا چاہتا ہوں۔ اس پر الغ خاں نے یہ مشورہ دیا کہ راستے میں پانی کی سخت قلت ہے۔ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ وہاں جانا تکلیف کا باعث ہو گا چنانچہ آپ ملتان چلیے میں آپ کی طرف سے کثیر رقم اور چار دیہاتوں کا فرمان حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

بلبن (الغ خاں) کی اجودھن (پاکپتن) میں حاضری: حسب الحکم ناصر الدین (بلبن) یہ فرمان لے کر اجودھن پہنچا اس وقت اسکے دماغ میں ملک گیری کی آرزو تھی وہ سلطان ناصر الدین کے بعد ہندوستان کا سلطان بننا چاہتا تھا یہ سوچ لے کر وہ حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلطان کی طرف سے نقدی اور فرمان پیش کیا اس پر حضرت بابا فریدؒ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ الغ خان نے جواب دیا۔

"ایں سیم است و ایں مثال چہار دیہہ خاص برائے شما"

یہ روپیہ اور یہ چار دیہات کا فرمان خاص آپ کے لیے ہے۔ یہ سن کر حضرت بابا فریدؒ مسکرائے اور فرمایا فرمان واپس لے جائیے اس کے چاہنے والے اور بہت موجود ہیں ان کو دے دو البتہ زرنقد درویشوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کی ہدایت کی۔

بلبن (الغ خاں) کو فرمانروائی کی بشارت: اس کے بعد حضرت بابا فریدؒ نے الغ خاں کو مخاطب کر کے یہ قطعہ پڑھا

"فریدوں فرخ فرشتہ نہ بود
زعود ز عنبر سرشتہ نہ بود
زدا دودہش یافت آں نکوئی
تو داودہش کن فریدوں توئی"

یعنی فریدوں بادشاہ کوئی فرشتہ نہ تھا اور عود و عنبر سے بھی اس کا کوئی تعلق نہ تھا جو اس کے عدل و انصاف کی خوشبو سارے جہاں میں پھیلی اس نے شہرت' وفاداری' داودہش کے ذریعے حاصل کی تھی' تو بھی خیرات کر سخاوت کر اور فریدوں ہو جا۔ خوشخبری سن کر "الغ" بہت خوش ہوا۔ جھک کر حضرت بابا فریدؒ کے قدم چومے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔

"میں آپ کا خادم ہوں اور دعا کا محتاج ہوں" آپ نے فرمایا "فریدوں توئی" ابھی

چند ہی روز گزرے تھے کہ سلطان ناصر الدین محمود کا انتقال ہو گیا۔ الغ خاں وزارت عظمیٰ کے عہدے پر فائز تھا لہٰذا سلطان کی وفات کے بعد الغ خاں غیاث الدین بلبن کے نام سے تخت دہلی پر متمکن ہوا۔

غیاث الدین بلبن کے نام حضرت بابا فریدؒ کا سفارشی خط : ایک دن ایک شخص حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی بابا جیؒ مجھے سلطان بلبن کے نام ایک سفارشی خط لکھ دیں تاکہ وہ مجھے کچھ عنایت فرمائے آپ نے اس آدمی کے اصرار پر جو خط بلبن کے نام بھیجا اس کا متن یہ ہے۔

"میں نے اس شخص کی ضرورت اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کی پھر تیرے پاس بھیجا ہے اگر تو اس کو کچھ دے گا تو عطا اللہ تعالیٰ کی ہو گی اور یہ شخص تیرا شکر گزار ہو گا۔ اگر کچھ نہ دے گا تو بندش خدا کی طرف ہو گی اور تو معذور سمجھا جائے گا۔" (26)

اگر اس خط پر غور کیا جائے تو اسلام میں اقتدار اعلیٰ کا تصور بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ خط پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ حقیقی بادشاہت اور طاقت کا اصل سرچشمہ صرف خدائے واحد ہے رزاق اور وہی کار ساز ہے۔

کیا بلبن کی بیٹی آپ کے عقد میں تھی؟ : سلطان غیاث الدین بلبن کی بیٹی "ہزیرہ بیگم" کے بارے کشفی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ اس کا عقد حضرت بابا فریدؒ سے ہوا تھا۔ یہ امر انتہائی متنازعہ فیہ ہے اس عہد کی کسی مستند تاریخی کتاب میں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ پھر نہ جانے کیوں بعد کے خوش عقیدہ کشفی لوگوں نے دین کے بادشاہوں کی دنیاوی بادشاہوں سے رشتہ ملانے میں کیا خوبی سمجھی؟ حق تو یہ ہے کہ ایک غریب سیّدانی کا ان بزرگوں کی زوجیت میں آنا شہزادیوں کے زوجہ بننے سے زیادہ عظمت و شرافت کی دلیل ہے۔(27)

ہزیرہ خاتون بیگم جن کے بطن سے حضرت بابا فریدؒ کا سلسلہ نسب چلا' کون تھیں؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے ہم سب سے پہلے حضرت بابا فریدؒ کے محرم راز حضرت سلطان المشائخ نظام الدینؒ اولیاء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ فوائد الفوائد حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظات کا ایک بیش قیمت مجموعہ ہے چشتیہ نظامیہ سلسلہ میں اس کتاب کو وہی مقام حاصل ہے جو سہروردیہ سلسلہ میں عوارف المعارف کو حاصل ہے یہ کتاب اس دور کی تصوف اور تاریخ پر مستند دستاویز ہے۔ اس کتاب میں کہیں بھی حضرت بابا فریدؒ کا غیاث الدین بلبن کی بیٹی کے ساتھ رشتے کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ اگر ایسا ازواجی رشتہ موجود تھا تو حضرت نظام الدین اولیاءؒ اس کا کبھی نہ کبھی ذکر ضرور کرتے۔

اسی طرح سیر الاولیاء جو 564 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں سید امیر خورد کرمانی نے حضرت بابا فریدؒ کی سوانح حیات ، آپ کی زندگی کے واقعات' آپ کے خاندان' آپ کے بیٹے' بیٹیوں' پوتے' پوتیوں' نواسے اور نواسیوں تک کے حالات بالتفصیل بیان کیے ہیں۔ کہیں بھی حضرت بابا فریدؒ اور سلطان بلبن کی بیٹی کے رشتے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اسی طرح "خیر المجالس" جو حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے ملفوظات ہیں یہ کتاب 307 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس عظیم کتاب میں بھی اس واقعہ کا سرے سے کوئی ذکر موجود نہیں پھر تاریخ فیروز شاہی میں سلطان بلبن کے حالات 116 صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس مستند تاریخی کتاب میں کہیں بھی ضیاء الدین برنی نے اس رشتے کا ذکر نہیں کیا۔

اسی طرح عہد فیروزی کے مشہور مورخ شمس سراج عفیف نے بھی اپنی شہرہ آفاق کتاب "تاریخ فیروز شاہی" میں جہاں مشائخ چشت کا جابجا ذکر کیا کہیں بھی اس رشتہ کا ذکر نہیں کیا۔

پھر تاریخ مبارک شاہی جس میں سلطان بلبن کا ذکر 39 سے 52 صفحہ تک پھیلا ہوا

ہے۔ وہ بھی بابا صاحبؒ اور بنت بلبن کے رشتے سے بے خبر تھا۔ پھر سیر العارفین جو
شیخ جمالی نے خاندان چشت کے حالات پر تحریر کی ہے۔ اس کتاب میں حضرت بابا فریدؒ
ناصر الدین محمود اور بلبن کا ذکر موجود ہے مگر کسی ازدواجی رشتے کا ذکر موجود نہیں پایا
گیا۔ اسی طرح شیخ عبدالقدوس گنگوہی طبقات اکبری، منتخب التواریخ، تاریخ فرشتہ، اخبار
الاخیار، ریاض الاولیاء اور سفینتہ العارفین میں کہیں بھی سلطان بلبن کی بیٹی کا
حضرت بابا فریدؒ سے عقد ظاہر نہیں کیا گیا پھر موجودہ دور کی آب کوثر جس میں مشائخ
کرام کی سلاطین دہلی سے تعلقات پر بحث کی گئی ہے کہیں بھی اس ازدواجی رشتہ کا ذکر
نہیں ہے۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں آرٹیکل فرید الدین مسعود گنج شکرؒ موجود ہے اس
میں بھی بابا صاحبؒ کا بلبن کی بیٹی سے نکاح کی کوئی بات درج نہیں ہے "جواہر فریدی"
میں گلشن اولیاء کے حوالے سے یہ روائت درج کی گئی کہ بلبن کی ایک بیٹی کی شادی
بابا صاحبؒ سے ہوئی پھر 1301ء میں پیر محمد حسین چشتی نے "گلزار فریدی" اور "عترت
فریدی" میں کشفی طور پر یہ رشتہ بیان فرمایا ۔ مگر اس کا حقیقت سے دور کا تعلق بھی
نہیں ہے۔

اس رشتہ ازدواج کا ذکر حقیقت گلزار صابری، جواہر فریدی، چراغ چشت،
خذینتہ الاصفیا میں ہے مگر یہ کتابیں فن تاریخ نویسی کے معیار پر پورا نہیں
اترتیں۔

ان دلائل کے علاوہ کچھ دوسرے شواہد بھی پیش خدمت ہیں تاریخ کی تمام کتابوں
میں بلبن کی اولاد کے ضمن میں سلطان محمد، بغرا خان اور ایک بیٹی کا ذکر ملتا ہے جو ناصر
الدین محمود کے عقد میں تھیں۔ ان تین بچوں کے علاوہ بلبن کے کسی اور بچے کا نام
پڑھنے میں نہیں آتا۔

سلطان بلبن کا بڑا بیٹا شہزادہ محمد اپنے والد کی زندگی میں ملتان کا گورنر تھا اور اس

کے تعلقات خاندان شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کے ساتھ بڑے خوشگوار تھے اگر اس کی بہن
اجودھن (پاک پتن) میں ہوتیں تو اس کے تعلقات خاندان فریدؒ کے ساتھ کہیں زیادہ
ہوتے اور وہ ملتان سے اپنی بہن یا اس کی اولاد سے ملاقات کے لیے اکثر اجودھن (پاک
پتن) آیا کرتا کسی تذکرہ نویس یا مورخ نے اس کے سفر اجودھن کا ذکر نہیں کیا ہے
حالانکہ امیر خسرو اور امیر حسن سنجریؒ جیسے مورخین اس کے درباری تھے ان تمام حقائق
و شواہد سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت بابا فریدؒ کے ساتھ سلطان غیاث الدین
بلبن کی بیٹی کا عقد محض ایک خوش عقیدگی پر مبنی کہانی ہے جس کا حقیقت سے دور کا
بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

بلبن کے عہد میں اجودھن (پاک پتن) کا دفاعی مقام: اس عہد میں
اجودھن کی اہمیت کی دوسری بڑی وجہ اس کی دفاعی پوزیشن تھی، اجودھن ملتان سے
دہلی جانے والی شاہراہ پر واقع ہونے کی بدولت دارالسلطنت سے براہ راست منسلک تھا۔
اس عہد میں منگولوں یعنی تاتاریوں نے بار بار ہندوستان پر حملے کیے اور ان کے حملوں
کا یہی راستہ تھا۔ لہٰذا اس شاہراہ کو اس عہد میں منگولوں کی دست برد سے محفوظ رکھنے
کے لیے سلاطین دہلی نے ہمیشہ قلعہ اجودھن (پاک پتن) اور دیپالپور کی دفاعی اہمیت کو
پیش نظر رکھا۔

سلطان غیاث الدین بلبن کا شمار برصغیر کے نامور اور قابل ترین حکمرانوں میں ہوتا
ہے۔ دراصل اس کا حقیقی کارنامہ تخت دہلی کو ظالم منگولوں سے محفوظ رکھنا تھا۔
تیرھویں صدی کا طلوع آفتاب اسلامی دنیا کے لیے تباہی کا پیغام لے کر نمودار ہوا۔
تاتاریوں نے چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کی قیادت میں خراسان، غزنی، ایران و عراق اور
خلافت عباسیہ کو ختم کر دیا تھا اور اب یہ وحشی قبائل ہلاکو خاں کی سرکردگی میں برصغیر پر
قبضہ کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔

غیاث الدین بلبن برصغیر پاک و ہند کا وہ پہلا عظیم سلطان تھا جس نے منگولوں کے خلاف ایسی مضبوط شمال مغربی سرحدی دفاعی پالیسی اختیار کی جس کی بناء پر منگولوں کو مغربی پنجاب سے ہی پسپا ہونا پڑا۔ (28) بلبن نے شمال مغربی سرحد کے ساتھ قلعہ بندی کی تاکہ منگولوں کو قدم قدم پر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے لہٰذا بلبن نے اس مقصد کے لیے تین دفاعی لائنیں بنائیں۔ پہلی دفاعی لائن اوچ سے ملتان پر تھی جبکہ دوسری اجودھن اور دیپالپور اور تیسری سامانہ اور ہانسی پر تھی۔ (29) ان دفاعی قلعہ بندیوں کا مقصد یہ تھا کہ منگول پایۂ تخت دہلی تک نہ پہنچ سکیں منگول اگرچہ بار بار ملتان پر حملہ کرتے رہے لاہور بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہ رہا مگر اس شاہراہ پر واقع اجودھن اور اس کے آگے لاہور کی طرف دیپالپور کے قلعوں کو بلبن نے حربی حکمت عملی کے تحت خوب مضبوط بنایا یہی وجہ ہے کہ منگول ان عظیم دفاعی انتظامات کے سبب برصغیر کی فتح سے تقریباً" مایوس ہو گئے۔

منگول حملہ اور اجودھن (پاک پتن) کا دفاعی کردار: منگولوں نے 1279ء میں مغربی پنجاب کی طرف ایک زور دار حملہ کیا۔ اگر اس حملے کو کامیابی سے نہ روکا جاتا تو سلطنت دہلی کے لیے جان لیوا ثابت ہو سکتا تھا۔ بلبن کے دونوں جواں مرد بیٹوں "محمد خاں" اور "بغرا خاں" نے اجودھن (پاک پتن) اور دیپالپور کے قریب دہلی کی امدادی فوج کی مدد سے اس حملے کو پسپا کر دیا اور منگولوں کو شکست فاش ہوئی۔ (30) اس طرح قلعہ اجودھن (پاک پتن) نے سلطنت دہلی کے دفاع میں پورا پورا کردار ادا کیا اور منگولوں پر بلبن کی قوت کا رعب بھی طاری کر دیا۔

اجودھن (پاک پتن) میں مذہبی اور روحانی انقلاب: شمالی ہندوستان میں بلاشبہ یہ قصبہ ہندوؤں کا بہت بڑا "تیرتھ" تھا۔ ہندوؤں نے قدیم زمانے سے ہی اس قصبہ میں درجنوں مندر اور بت خانے تعمیر کر رکھے تھے۔ جن کی یاترا کے لیے ہندو دور دور سے

آتے تھے اور اپنے دلوں کی ظلمت میں اضافہ کرتے ہوئے کفر و شرک کے ناقابل معافی گناہ کے مرتکب ہوتے۔

حضرت بابا فریدؒ کی آمد نے اس قصبہ کے مقدر کو چار چاند لگا دیے آپ کی ذات وہ درخشندہ ستارہ تھی جس کی ضیاء پاشیوں سے نہ صرف یہ قصبہ اور اس کے گرد و نواح کا ماحول منور ہوا بلکہ پورا ہندوستان آپ کے روحانی فیضان کے نور سے جگمگا اٹھا۔ آپ کی آمد نے اجودھن کو روحانی لحاظ سے مرکزی حیثیت کا مالک بنا دیا اور اس قصبہ کو ایسی روحانی رفعتیں عطا کیں۔ جن کی "ہندو پاکستان" کی تاریخ تصوف میں کہیں مثال نہیں ملتی اگرچہ چشتیہ سلسلہ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دہلی میں رونق دی تھی لیکن ہندوستان میں اس سلسلہ کو اصلی وسعت و استحکام حضرت بابا فریدؒ کی ذات بابرکت سے نصیب ہوا یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے حضرت بابا فریدؒ کی نسبت فرمایا تھا۔

"کہ فرید ایک شمع ہے جس کی بدولت خانوادہ درویشاں منور ہو جائے گا" (31)

اجودھن (پاک پتن) کو حقیقی عظمت آپ کی آمد سے نصیب ہوئی اگر آپ اس قصبہ میں قیام نہ فرماتے اور آپ کی اس قصبہ میں تدفین نہ ہوتی تو بے شک دور ویرانے میں یہ ٹیلہ قابل ذکر تو کجا اس کو جاننے والے آج کہیں خال خال نظر آتے مگر یہ آپ کا ورود مسعود تھا جس نے اس قصبے کو گمنامی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرنے سے بچالیا اور وہ بلندیاں عطا کیں جس پر آج یہاں کا ہر باسی فخر و انبساط کا پیکر بنا ہوا ہے۔ حقیقتاً" حضرت بابا فریدؒ کی آمد سے ہی اجودھن (پاک پتن) کو حقیقی اہمیت حاصل ہوئی۔ آپ کی حیات کے دوران اور بعداز وصال شاہ و گدا' امیر و غریب' خواص و عام باادب برہنہ پا روحانی فیوض و برکات کے حصول کے لیے در فرید" پر حاضر ہوتے رہے اور اس قصبہ کی خاک کو چومنا اپنے لیے باعث سعادت سمجھتے رہے۔

حضرت بابا فریدؒ کی دینی خدمات: جن دنوں حضرت بابا فریدؒ اجودھن تشریف

لائے شہر اور اس کے گرد و نواح میں غیر مسلم اقوام کی اکثریت تھی یہ لوگ سخت، وحشی، اجڈ، بد خلق، بدطینت، کج رو، اوہام پرست اور کفر و شرک میں بری طرح مبتلا تھے ان دنوں یہ قصبہ جادو اور سحر کا مرکز تھا اور یہاں بشمیر ناتھ جوگی نے اپنے جادو کے زور سے لوگوں کو مسخر کر رکھا تھا مگر قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وقل جاء الحق وزھق الباطل و ان الباطل کان زھوقا" (القرآن) کے مصداق وہ جوگی بابا صاحب ؒ کے اوصاف حمیدہ کی تاب نہ لا کر حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ جوگی کے قبول اسلام سے لوگ بے حد متاثر ہوئے اور جوق در جوق آپ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہونے لگے۔ آپ کی پاکیزہ زاہدانہ زندگی دنیا سے بے رغبتی اور بے حرصی سے بدترین دشمن بھی متاثر ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا یا کم از کم فسق و فجور سے تائب ہو جاتا۔

اشاعت اسلام کے لیے آپ کی والہانہ جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند سالوں کے اندر مغربی پنجاب کے وسیع علاقوں کے بڑے قبیلے آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے پیر محمد حسین چشتی "گلزار صابری" میں بحوالہ جواہر گنج لکھتے ہیں کہ حضرت بابا فرید ؒ نے پنجاب کی مشہور اقوام سیال، ورک، وڑائچ، چیمہ، ٹوانہ، گوندل، بھب، کھیڑا، کھوکھر اور ہراج وغیرہ کے بزرگوں کو مسلمان کر کے مرید بنایا۔

سر ایڈورڈ میکلیگن جنہوں نے ملتان کا گزٹیر مرتب کیا ہے۔ (32) جو رائل ایشاٹک سوسائٹی کے نائب صدر اور اپنی تاریخی تصانیف میں ممتاز ہیں، یہاں کی روحانی اور مذہبی تاریخ مرتب کرتے ہوئے مختلف قبائل کے قبول اسلام کی تاریخ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں کہ راجپوتوں میں سیال ایک مشہور قبیلہ ہے جو ملتان، منٹگمری (ساہی وال) جھنگ (سیالوں) میں بکثرت آباد ہے یہ قبیلہ حضرت بابا فرید ؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔ اسی طرح وٹو قبیلہ دریائے ستلج کے دونوں بازوؤں پر ساٹھ میل اور علاقہ گوگیرہ میں آباد ہے۔ حضرت بابا فرید ؒ نے مسلمان کیا۔ مسٹر بورن اور مسٹر ولیس جنہوں نے

منٹگمری گزٹ مرتب کیا اس میں اس حقیقت کا تذکرہ موجود ہے کہ 1258ء کے قریب سیال حضرت بابا فرید ؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ (33) سید مسلم نظامی نے اپنی کتاب "انوار الفرید" میں بحوالہ "جواہر فریدی" اس وقت کی غیر مسلم اقوام کا ذکر کیا جو حضرت بابا فرید ؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئیں تھیں۔ ان میں سیال کھوکھر، ڈھڈی، جوئیے، ڈوگر، نہاریے، بھاکری، آرائیں اور راجپوت صراف ہیں۔ اسی طرح جو قومیں ان دنوں اجودھن (پاک پتن) اور اس کے آس پاس دیہاتوں میں آباد ہیں۔ ان میں اکثر راجپوت وٹو ہیں۔ جو اپنے قدیم سربراہ کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ مثلاً جیویکا، مانیکا، مجیدیکا، ٹھکرکا وغیرہ۔ (34)

یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ یہ علاقہ آپ کی عظیم الشان تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے مسلمان ہوا۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ آپ نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو صرف مغربی پنجاب کے علاقوں تک محدود رکھا بلکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ وہ ہمہ گیر نظام تبلیغ جس کی بنیاد حضرت خواجہ معین الدین اجمیری ؒ نے رکھی تھی۔ حضرت بابا فرید ؒ نے اسے اپنے خلوص اور زہد و تقویٰ سے نہ صرف مستحکم کیا بلکہ قابل قدر حد تک وسعت دی یہی وجہ ہے کہ آپ سلسلہ چشتیہ کے "موسس ثانی" کہلائے۔ (35)

تبلیغ دین کے سلسلے میں آپ نے اپنے تربیت یافتہ خلفاء کو "ہندو پاکستان" کے طول و عرض میں پھیلا دیا۔ دہلی میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء ؒ ہانسی میں، حضرت جمال الدین ہانسوی ؒ کلیر میں، حضرت مخدوم صابر ؒ دکن میں، شیخ منتخب الدین چشتی ؒ سیالکوٹ میں، حضرت امام الحق سیالکوٹی ؒ حضرت سیدی مولہ ؒ حضرت زری زر بخش ؒ نے بے پناہ تبلیغی کام کیا۔

حضرت بابا فرید ؒ کے خلفاء عظام محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء ؒ، حضرت بدر الدین اسحاق ؒ، حضرت مخدوم صابر کلیری ؒ اور حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی ؒ نے چار عظیم چشتی سلسلوں یعنی نظامیہ، بدریہ، صابریہ اور جمالیہ کی بنیاد رکھی سلسلہ جمالیہ بعد

میں سلسلہ نظامیہ میں مدغم ہو گیا۔ (36)

المختصر وہ چشمہ فیض جو سفیرِ حرم حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے اجمیر شریف سے جاری کیا' حضرت بابا فریدؒ کی ان تھک جدوجہد' زہدو تقویٰ' خلوص اور نیک نیتی نے اسے ایک زخار دریا بنا دیا جس نے شاخ در شاخ ہو کر نہ صرف "ہندو پاکستان" کو سیراب کیا بلکہ اس کی لہریں چین' ملایا' انڈونیشیا' برما' اور افغانستان' تک جا پہنچیں اور یوں یہ خطہ توحید کی صداؤں سے گونج اٹھا۔

یہ شیخ فریدالدینؒ پاک پتن شریف کی خصوصی مساعی کا نتیجہ ہے کہ سلسلہ چشتیہ کی شاخیں برصغیر پاک و ہند کے تمام بڑے بڑے اور اہم شہروں میں قائم ہو گئیں۔ (37) حضرت بابا فرید گنج شکر کو سب سے بہتر اور قیمتی ہدیہ عقیدت مولانا غلام قادر بلگرامی نے پیش کیا۔ جنہیں حکیم الامت ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ بھی فارسی شاعری میں اپنا استاد اور راہنما سمجھتے تھے۔

"در شہر گرامی است کہ معنی نظراست
درپنجہ مرگ سخت بے بال و پرست
در تلخی نزع حکم آمد بہ اجل
بگزار کہ ایں مرید گنج شکرست؟

ملی خدمات: حضرت بابا فریدؒ نے تزکیہ نفس اور تبلیغ دین کی خاطر جس احسن انداز میں پاک پتن (اجودھن) کو ایک فعال تبلیغی مرکز بنایا اس سے ہندوستان کا تنگ نظر' کم آمیز' بت پرست معاشرہ جس کی بنیاد اوہام پرستی' نسلی تفاخر اور ذات پات کے گھٹیا معیارات پر رکھی ہوئی تھی' متاثر کرتے ہوئے زہدو تقویٰ اخوت و محبت' رواداری اور انسانی دوستی پر مبنی اسلامی طرز حیات سے آشنائی عطا کی جس نے انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دلا کر عبودیت و ربوبیت کے عظیم تصور سے آگاہی بخشی۔ بلا شبہ یہ لاثانی

ابدی کارنامہ ان خدا رسیدہ عظیم بزرگان دین کے سر ہے جنہوں نے اس دور میں اجودھن (پاک پتن) کے اندر حضرت بابا فریدؒ سے روحانی فیضان حاصل کرنے کے بعد جنوبی ایشا کے اندر دو قومی نظریہ اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی بنیاد رکھی اور یوں حضرت بابا فریدؒ اور آپ کے ہم عصر بزرگان دین جن میں حضرت بہاؤ الدین ذکریاؒ حضرت سخی شہباز لال قلندرؒ' حضرت جلال الدین بخاریؒ اور آپ سب کے خلفائے عظام نے اس کفرستان میں اشاعت اسلام کے ذریعے آنے والے وقتوں کے لیے پاکستان اور ملت اسلامیہ کے لیے گراں قدر خدمات کا اعزاز حاصل کیا۔

عہد خلجی میں اجودھن (پاک پتن) کی تاریخ: جلال الدین خلجی 1290ء میں خاندان غلاماں کے بعد تخت دہلی پر جلوہ افروز ہوا۔ تخت نشینی کے وقت سلطان کی عمر 70 سال تھی گرم سرد چشیدن کے مصداق سلطان نہایت تجربہ کار اور جہاں دیدہ تھا مگر فطری طور پر حلیم الطبع' نرم خو' رقیبان تخت سے تجاہل عارفانہ کے تحت بے جا عفوو درگزر بھی اسکی فطرت ثانی تھی۔

اس دور میں جہاں ملک چھجو کی بغاوت راجپوتوں کی سرکوبی' منگولوں کے حملے اور دیوگری (دکن) کی فتح جیسے تاریخی واقعات رونما ہوئے وہاں حضرت بابا فریدؒ کے خلیفہ سیدی مولہؒ کا سلطان کے ہاتھوں قتل ایسا واقعہ ہے جس نے آنے والے وقتوں کی روحانی تاریخ کو خاصا متاثر کیا۔ اگرچہ اس واقعہ کا تعلق براہ راست اجودھن سے نہیں ہے مگر بالواسطہ "سیدی مولہؒ" کے تذکرہ کے ساتھ اجودھن (پاک پتن) کا ذکر ہر صورت لازم ہے۔

حضرت سیدی مولہؒ کا قتل: سیدی مولہؒ جرجان کے باشندے تھے' جرجان سے ہندوستان آنے پر حضرت بابا فریدؒ کی زیارت کے لیے اجودھن (پاک پتن) حاضر ہوئے اور آپ کے مرید ہو کر خلافت پائی۔

حضرت سیدی مولہؒ کے اجودھن (پاک پتن) میں قیام کے دوران حضرت بابا فریدؒ نے ان سے فرمایا کہ تمہاری خواہش ہے کہ دہلی جا کر خلق خدا سے رابطہ پیدا کرو اور اپنے آستانے کو لوگوں کا ملجاء بناؤ نیز فقیروں اور درویشوں کی حاجت روائی کرو۔ مجھے تمہارے ارادے سے کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ ایک نصیحت کرتا ہوں کہ دہلی پہنچ کر امیروں اور حاکموں سے زیادہ میل جول پیدا نہ کرنا اور ان سے تعلقات نہ بڑھانا کیونکہ امراء سے تعلقات بڑھانے میں درویشوں اور فقیروں کو ہمیشہ نقصان پہنچتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کی "دوستی" ہماری "دشمنی" کا سبب بن جاتی ہے۔

دہلی پہنچ کر حضرت سیدی مولہؒ نے ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کی' لوگوں کے لیے لنگر جاری کیا یہاں تک کہ آپ کی خانقاہ میں لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ جمع ہو گئے۔ سلطان جلال الدین کا بیٹا' خان خاناں اور شہر کا قاضی کاشانی آپؒ کے مرید ہو گئے یہیں سے بات آگے بڑھی۔ قاضی نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے آپ کو اپنے جال میں پھنسا کر اس بات پر راضی کر لیا کہ اس جمعہ "بادشاہ" جلال الدین خلجی کو قتل کر کے عنانِ حکومت آپ سنبھال لیں تاکہ شریعتِ محمدیؐ نافذ ہو سکے یہ راز وقت سے پہلے افشاں ہو گیا۔ نتیجتاً تمام متعلقہ لوگ گرفتار ہوئے۔ پوچھ گچھ پر حضرت سیدی مولہؒ نے سلطان جلال الدین کو لاجواب کر دیا مگر سلطان کے ایماء پر حیدری درویش جسکا نام سنجری تھا اور جو سلطان کا پروردہ تھا سیدی مولہؒ پر استرے اور سوئے سے حملہ کر کے انہیں شدید زخمی کر دیا۔ اسی دوران سلطان کے بڑے بیٹے ارکلی خاں نے سیدی مولہؒ پر ہاتھی چڑھا دیا اور یوں جلال الدین خلجی کے کردار پر حضرت سیدی مولہؒ کے خون کے چھینٹے آئندہ علاؤالدین خلجی کے لیے درسِ عبرت بنے رہے۔

بقول "فرشتہ" حضرت سیدی مولہؒ کی موت کے بعد دہلی میں ایک خوفناک سیاہ آندھی آئی سلطان کا چہیتا بیٹا خان خاناں چند دنوں کی علالت کے بعد داعی اجل ہوا۔

دہلی میں خوفناک قحط پڑا۔ لوگ بھوکوں مرے اور خود جلال الدین خلجی علاؤ الدین خلجی کے ہاتھوں بے بسی کے عالم میں قتل ہوا اور یوں وہی گنگا جس میں کیقباد کا خون تھا جلال الدین خلجی کے خون سے بھی رنگیں ہوئی۔ (39)

علاؤ الدین خلجی کے دور میں پاک پتن: علاؤالدین خلجی کے عہد میں وحشی منگولوں نے یکے بعد دیگرے برصغیر پر از سر نو تابڑ توڑ حملے شروع کر دیے 1290ء تا 1300ء تک منگولوں نے سات بار ہندوستان پر قبضہ کرنا چاہا مگر علاؤالدین خلجی نے منگولوں کے خطرے کے پیش نظر غیاث الدین بلبن کی سرحدی پالیسی کو دوبارہ اختیار کیا۔ (40)

موجودہ پاکستان کی حدود میں واقعہ تمام فوجی قلعے درست اور مضبوط کیے ان قلعوں کے علاوہ اچ' ملتان' سامانہ' ہانسی' اجودھن اور دیپالپور قابل ذکر ہیں۔ دیپالپور اور اجودھن (پاک پتن) کو دفاعی انتظامات کا مرکز بنا کر غازی ملک تغلق (غیاث الدین تغلق) کو مشرقی مہمات کا انچارج مقرر کیا۔ لہٰذا حسب سابق اس دور میں بھی اجودھن (پاک پتن) اور دیپالپور نے دفاع سلطنت میں اپنا پورا پورا کردار ادا کر کے اپنی سابقہ دفاعی اہمیت کو زندہ و تابندہ رکھا۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی پاک پتن میں حاضری: حضرت نظام الدین اولیاءؒ سلسلہ چشتیہ کے بڑے ممتاز اور قابل قدر ولی ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے تمام عقیدت مند انہیں "سلطان المشائخ" کہتے ہیں۔ جن دنوں آپ بسلسلہ درس و تدریس دہلی میں قیام پذیر تھے۔ آپ کی ہمسائیگی میں حضرت بابا فریدؒ کے بڑے بھائی شیخ نجیب الدین المتوکلؒ رہتے تھے اور حضرت نظام الدینؒ وقتاً فوقتاً ان کے ہاں جایا کرتے تھے۔ ایک بار آپ شیخ نجیب المتوکلؒ کے مکان پر تشریف فرما تھے کہ وہاں پر ملتان سے ابوبکر نامی قوال سے ملاقات ہوئی مذکورہ قوال نے اپنے سفر کے دوران اجودھن (پاک پتن) میں

حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی تھی چنانچہ قوال نے نہایت عقیدت و محبت اور ادب و احترام سے حضرت بابا فریدؒ کے زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، کشف و کرامت اور تقدس و بزرگی کی اس انداز میں تعریف کی کہ آپ سن کر بے حد متاثر ہوئے اور خود اجودھن جا کر مرید ہونے کا فیصلہ کیا چنانچہ 1257ء میں در فریدؒ پر حاضر ہو کر بیعت کی۔ صرف چار سال کے بعد خلافت کا کلاہُ افتخار حاصل کر کے سلطان المشائخؒ کہلوائے آپ نے اپنی زندگی میں اجودھن (پاک پتن) کے دس سفر کیے تین مرشد کی زندگی میں اور سات مرشد کی وفات کے بعد۔

حضرت سلطان المشائخؒ اور علاؤ الدین خلجی کے تعلقات: علاؤ الدین خلجی ایک بااقتدار جابر حکمران تھا۔ علماء اور اہل شرع کی پروا نہ کرتا تھا لیکن شاید وہ بھی درویشوں کی بددعا کا قائل تھا اور اس سلسلہ میں حضرت سیدی مولہؒ کے قتل کے بعد رونما ہونے والے دردناک عبرت آموز واقعات سے علاؤالدین نے درس عبرت حاصل کیا ہو اور اسی خیال کے تحت وہ سلطان المشائخؒ کا احترام کرتا ہو۔

منگولوں نے 1303ء میں ایک بار پھر دہلی پر اچانک حملہ کر دیا۔ اہل شہر اور خود علاؤ الدین اس ناگہانی مصیبت سے پریشان ہو گیا تاہم یہ وحشی لشکر جس طرح اچانک نمودار ہوا تھا اسی طرح اچانک واپس لوٹ گیا دہلی کے عوام نے منگولوں کی بلاوجہ پسپائی کو سلطان المشائخؒ کی کرامت قرار دیا۔ اس طرح وارنگل کی مہم کے دوران آپ کی طرف سے علاؤالدین کو بشارت کچھ ایسے واقعات ہیں جن سے علاؤ الدین کے دل میں آپ کے لیے عقیدت و محبت پیدا ہو گئی یہی وجہ ہے کہ علاؤالدین خلجی نے بار بار آپ سے ملاقات کی آرزو کی مگر آپ ہمیشہ ملاقات سے اجتناب فرماتے رہے جب کبھی علاؤ الدین خلجی کی یہ خواہش شدت اختیار کرتی تو آپ دہلی چھوڑ کر اپنے مرشد حضرت بابا فریدؒ کے مرقد پر حاضری کے لیے اجودھن تشریف لے آتے۔

آپ علاؤ الدین خلجی سے ملاقات سے کیوں احتراز فرماتے، غالباً" اس کی سب سے بڑی وجہ حضرت سیدی مولہؒ کا اپنے مرشد کی نصیحت پر پوری طرح عمل نہ کرنے کی بناء پر قتل تھا۔ جس سے سلطان المشائخؒ خاصے متاثر تھے اسی وجہ سے انہوں نے دربار دہلی سے راہ و رسم نہ بڑھائے کیونکہ اہل اقتدار کی صحبت کسی وقت بھی نقصان کا موجب بن سکتی ہے۔

تغلق عہد میں اجودھن (پاک پتن) کی تاریخ:

غیاث الدین تغلق کی پاک پتن سے مناسبت: سلطان غیاث الدین تغلق جو فی الحقیقت غازی ملک کی حیثیت سے دیپالپور کا گورنر اور منگولوں کے خلاف مہمات کا انچارج تھا۔ خسرو ملک کو شکست دینے کے بعد 8، ستمبر 1320ء کو تخت نشین ہوا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے بارے مختلف مورخین نے متضاد آراء تحریر کی ہیں تاہم تمام مورخین اور وقائع نگار اس بات پر متفق ہیں کہ یہ سلطان ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا۔ ذاتی اوصاف و کملات کے باعث حاکم دیپالپور بنا اور یہاں سے ترقی کرتے ہوئے سلطنت دہلی پر متمکن ہوا۔ (41)

مختلف تذکرہ نگاروں سے اس کی ابتدائی زندگی کے بارے جو روائتیں دستیاب ہوئیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ غیاث الدین تغلق کسی زمانے میں یہاں اجودھن میں مقیم رہا اور حضرت بابا فریدؒ کی دعاؤں کی طفیل ہندوستان کے تخت پر بیٹھا۔ اس سلسلہ کی پہلی روائت وقائع فرید الدینؒ میں کچھ یوں درج ہے۔

"ملک غازی" جو بعد میں سلطان غیاث الدین محمد تغلق کے لقب سے ہندوستان کے تخت پر بیٹھا۔ ایک دفعہ آشوب روزگار کے سبب اجودھن میں آکر مقیم ہوا۔ اس کا معمول تھا کہ روزانہ جنگل سے لکڑیوں کا ایک گٹھا خواجہ علاؤ الدین موج دریاؒ (پوتے) کے لنگر خانے کی نذر کرتا۔ خواجہ صاحب بلا قیمت کوئی چیز نہ لیتے تھے۔ آپ نے غازی ملک سے لکڑیوں کی قیمت پوچھی۔ اس نے قیمت لینے سے انکار کر دیا۔ جب خواجہ صاحب کا اصرار بڑھا تو عرض کیا کہ آپ کچھ عنایت کرتے ہیں تو پھر لکڑی کے اس پٹارے کی قیمت سلطنت دہلی سے کم کیا بتاؤں۔ خواجہ علاؤ الدین موج دریاؒ نے ایک لحظہ کے لیے تامل کیا۔ پھر فرمایا اچھا اللہ تعالیٰ تجھے سلطنت دہلی عطا فرمائے گا۔ ملک غازی یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ اگر اس روائت پر منطقی اور تاریخی لحاظ سے بحث کی جائے تو یہ روائت شکوک و شبہات کا مرکب ہے کیونکہ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ غیاث الدین تغلق دہلی کے تخت پر متمکن ہونے سے بہت پہلے دیپالپور کا حاکم تھا وہ اس عہدے پر کئی سال فائز رہا۔ جب وہ بادشاہ بنا تو بہت بوڑھا ہو چکا تھا جبکہ روائت کے مطابق وہ لکڑیاں فروخت کرتے کرتے دہلی پر قابض ہو گیا ویسے بھی حضرت علاؤالدین موج دریاؒ نے 722ھ میں وفات پائی۔ اس سلسلہ میں ایک دوسری روائت

جس کا ذکر ضلع منٹگمری میں قصبہ قبولہ (42) کے باب میں کیا گیا ہے۔

"ایک شخص غیاث الدین طغلک مفلس باشندہ موضوع رتھوا جو اجودھن (پاک پتن) کے بالکل قریب تھا' لکڑیاں فروخت کر کے گزر اوقات کرتا تھا' ایک روز اجودھن (پاک پتن) میں کسی حاکم کا ڈیرہ ہوا' تب اس نے بخوف سپاہیاں کہ بلا قیمت لکڑیاں چھین نہ لیویں۔ دروازہ شہر سے باہر لکڑیوں کو پوشیدہ کر دیا۔ جب شام ہو گئی تب اندھیرے میں لکڑیاں شہر میں لایا۔ چونکہ اس وقت فروخت لکڑیاں کا وقت گزر چکا تھا۔ اس لیے طغلک مذکور مایوس ہوا کہ آج شکم پروری پوری کسی طرح ہو گی۔ آخر یہ سوچا کہ لکڑیاں لنگر خانہ حضرت بابا فریدؒ کے لیے لے جاؤں اس جگہ قیمت لکڑیاں و تیز روٹی مل جائے گی۔ چنانچہ لکڑیاں واسطے لنگر حضرت بابا فریدؒ کے پاس لے گیا۔

حضرت بابا فریدؒ صاحب نے قیمت لکڑیاں پوچھی تب طغلک نے کہا۔ جس قدر مناسب جانو قیمت دے دو۔ اسی طرح دو تین دفعہ اقرار و تکرار لکڑیوں کی قیمت پر ہوا آخر کار طغلک بولا کہ عوض ان لکڑیوں کے کچھ بادشاہت دہلی کے تو آپ عطا نہیں فرما دیں گے۔ جس قدر مرضی ہووئے دیجیے۔ بابا جی نے کہا کہ خدا کے نزدیک سلطنت کچھ بعید نہیں خدا تجھے دیوے گا۔ یہ فرمودہ سن کر "طغلک" اپنے گھر روانہ ہوا۔ راستے میں پیشاب کرنے لگا تو دفینہ یعنی خزانہ نظر آیا۔ اس نے بقدر احتیاج خزانہ نکال کر پارچات اور سواری خریدی اور بتلاش نوکری ملتان چلا گیا۔ صوبہ دار ملتان نے داروغہ چرائی اسپاں مقرر کیا۔ طغلک مذکورہ نے اپنا قیام گڑھی کیکری (قبولہ) مقرر کیا اور یہاں سے ترقی کرتے ہوئے دیپالپور کا صوبہ دار مقرر ہوا"(43)

جب خسرو ملک نے اپنی بے دینی کی بناء پر اسلامی شعائر کی بے حرمتی شروع کی تو غیاث الدین تغلق نے بمعہ افواج دہلی پہنچ کر اسے جہنم واصل کیا اور خود تخت دہلی پر

جلوہ افروز ہوا۔ غیاث الدین تغلق نے اپنی زندگی کے ابتدائی سال گڑھی کیکری (قبولہ) میں گزارے لہٰذا اس علاقے سے جذباتی وابستگی کی خاطر اس نے اپنے معتمد قبول خاں کو یہاں پختہ قلعہ تعمیر کرنے پر تعینات کیا۔ (44)

"قبول خاں نے بحکم شاہ موصوف عرصہ قلیل میں قلعہ و شہر عمارت پختہ حسب منشاء تعمیر کروایا اور نام اس کا اپنے نام پر قبولہ رکھا"

تبصرہ: اس روائت سے کم ازکم دو باتیں ضرور سامنے آئیں کہ "غازی ملک" جب حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت وہ "طغلک" تھا اور جب بادشاہ بنا تو اس وقت وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔

ایک اور روائت جس کا ذکر منٹگمری گزٹ میں کیا گیا کہ غیاث ادین تغلق ایک غریب دیہاتی لڑکا تھا جو کہ حضرت بابا فریدؒ کے ہمسایہ میں رہتا تھا (45) اور وہ حضرت بابا فریدؒ کی دعاؤں سے پہلے دیپالپور کا گورنر بنا اور آخر کار "دہلی" کا بادشاہ بنا پھر وہ اجودھن (پاک پتن) میں حضرت بابا فریدؒ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔

بشارت نالہ کی کھدائی: شہر میں پانی کی قلت کے پیش نظر غیاث الدین تغلق نے اپنے ایک افسر بشارت خاں کو دریائے ستلج کی ایک شاخ (موجودہ "پیر غنی بڈھ" کہلاتی ہے) سے شہر کے لیے نالہ کھدوانے کا حکم دیا۔ (46) افسر مذکور نے سلطان کے حکم کی تعمیل کی۔ اور اس نالے کا نام اپنے نام پر "بشارت نالہ" رکھا۔ جب یہ نالہ کھودا گیا تو اس کا پانی بہت تیز اور گہرا تھا اس پر پل کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ ایک پل تعمیر کیا گیا۔

جس جگہ یہ پل تعمیر کیا گیا وہ جگہ شہر کی پرانی تحصیل اور چوک صدیق اکبر (مچھلی چوک) کے درمیان واقع ہے چند سال قبل میونسپل کمیٹی پاک پتن کے سیوریج بچھانے کے سبب اب یہ پل ختم ہو چکا ہے۔ مگر آج بھی یہاں کے قدیم باسی اسی جگہ کو "پل بشارت" کہتے ہیں۔ اور اردگرد کا محلّہ "بشارت محلّہ" کہلاتا ہے اب یہاں پاک پتن اور حضرت بابا فریدؒ کی مناسبت سے ایک عظیم الشان مسجد جس کا نام "جامع مسجد پتن فریدیہ" تعمیر ہو چکی ہے۔

اگر اس روائت پر تنقیدی بحث کی جائے تو یہ روائت مشکوک معلوم ہوتی ہے

اس لیے کہ حضرت بابا فریدؒ کی وفات کے کم از کم 56 برس بعد غالباً" 1321ء میں غیاث الدین تغلق اجودھن (پاک پتن) میں آیا مزید یہ کہ نالہ تغلق عہد کی بجائے اکبر اعظم کے دور میں دیپالپور کے گورنر خان کمال نے کھدوایا۔ (47) آبپاشی کے متبادلہ ذرائع اختیار کرنے کی بناء پر اب اس نالے کو خشک ہوئے تقریباً" 150 سال کا طویل عرصہ گزر چکا ہے مگر یہ بات قرین قیاس ہے کہ غیاث الدین تغلق بادشاہ (سلطان) بننے سے پیشتر دیپالپور کے صوبیدار کی حیثیت سے اجودھن (پاک پتن) آیا ہو اور اس شہر سے دلی عقیدت و محبت اور انس کی بناء پر نالہ کھدوایا ہو ویسے بھی تغلق خاندان کے پہلے تین عظیم المرتبت سلاطین کو اجودھن (پاک پتن) سے خاص لگاؤ اور عقیدت تھی جس کی روائت کچھ یوں ہے۔

"جن دنوں سلطان غیاث الدین دیپالپور کا گورنر تھا۔ ایک دن حضرت شیخ علاؤالدین موج دریا کی زیارت کے لیے اجودھن (پاک پتن) حاضر ہوا۔ اس کے ہمراہ اس کا بیٹا محمد خاں تغلق اور بھتیجا فیروز شاہ تغلق تھا جو ابھی کم سن تھا۔ حضرت موج دریاؒ کے پاس اس وقت کپڑا رکھا ہوا تھا' آپ نے اس میں سے چار گز کپڑا پھاڑ کر غیاث الدین تغلق کو دیا اور اس کو سر پر باندھنے کا حکم دیا پھر ستائیس گز کپڑا پھاڑ کر محمد تغلق کو دیا اور اس کو سر پر باندھنے کا حکم دیا پھر اتنا ہی کپڑا فیروز تغلق کو دیا اور فرمایا کہ تو بھی سر پر باندھ لے اور ساتھ ہی اسے بادشاہت کی بشارت دی۔" (48)

یہ ایک مستند تاریخی حقیقت ہے کہ دہلی کے تخت پر سلطان غیاث الدین تغلق' سلطان محمد تغلق اور سلطان فیروز تغلق نے اتنے ہی سال حکومت کی جتنے جتنے گز کپڑے کی دستار حضرت شیخ موج دریاؒ نے ان کو عطاء کی۔

سلطان محمد تغلق کے عہد میں اجودھن (پاک پتن): اپنے باپ کی وفات کے بعد سلطان محمد تغلق 1325ء میں تخت نشین ہوا۔ سلطان محمد تغلق آج تک مورخین کے لیے اپنی جدت طرازیوں اور نیم پختہ منصوبوں کی بناء پر متنازعہ شخصیت ہے کیونکہ

"ایک طرف وہ حافظ قرآن' نماز روزے کا پابند' علماء مشائخ سے عقیدت و محبت کرنے والا ہے تو دوسری طرف وہ اپنا اکثر وقت

فلسفیوں کی مقولات اور روایات پر بحث و مباحثہ میں صرف کرتا۔ ایک طرف تو اس نے دہلی کے اندر مشائخ کا زور توڑنے کے لیے حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ حضرت نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے ساتھ انتہائی ناروا سلوک کیا اور شیخ شہاب الدینؒ (شیخ جام) حق گو کو راست گوئی کی بناء پر قتل کر ڈالا مگر دوسری طرف ملتان کے بزرگ حضرت شاہ رکن عالمؒ اور اجودھن (پاک پتن) میں حضرت بابا فریدؒ کے جلیل القدر پوتے حضرت موج دریاؒ سے بے حد دلی عقیدت رکھتا تھا اور آپ کا مرید تھا۔" (49)

سلطان محمد تغلق کی حضرت موج دریاؒ سے عقیدت: حضرت بدرالدین سلیمانؒ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت علاؤالدین موج دریاؒ سولہ برس کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے اور حضرت بابا فریدؒ کی دعا سے چون سال تک سجادگی کے منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ (50) آپ بھی اپنے دادا حضرت بابا فریدؒ کی طرح زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کے بعد حضرت بابا فریدؒ کی اولاد میں کوئی بھی آپ کا ہم پلہ نہیں ہوا۔ آپ کی بزرگی اور پرہیز گاری کی شہرت آپ کی زندگی میں ہی پورے برصغیر پاک و ہند میں پھیل گئی۔

گنبد کی تعمیر: وصال کے بعد اپنے دادا کے روضہ مبارک کے قریب دفن ہوئے جس پر آپ کے مرید سلطان محمد تغلق نے ایک خوبصورت گنبد تعمیر کروایا۔ جو تغلق عہد کے فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ اس گنبد کی بناوٹ اور طرز تعمیر بالکل حضرت شاہ رکن عالمؒ کے گنبد سے مشابہہ ہے جس کو سلطان غیاث الدین تغلق نے تعمیر کروایا تھا گنبد زمانے کی دست برد کے ہاتھوں روبہ شکستگی تھا مگر محکمہ آثار قدیمہ نے بروقت اس کی مرمت کا بندوبست کر کے اس کی اصل حالت کو پوری آب و تاب سے بحال کر دیا ہے۔"

شیخ الاسلام کا منصب جلیلہ: آپ کی وفات کے بعد سلطان محمد تغلق نے آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ معزالدین کو اجودھن (پاک پتن) سے دہلی بلوایا اور اپنی حکومت کا شیخ الاسلام بنانا چاہا۔ مگر آپ نے یہ عہدہ قبول کرنے سے معذوری ظاہر کی تو سلطان

محمد تغلق نے آپ کو معزالملک کا خطاب دے کر گجرات کا صوبیدار بنا دیا (51) بعد میں محمد تغلق نے حضرت موج دریاؒ کے چھوٹے صاحبزادے جن کا نام شیخ علم الدین تھا وہ حافظ قرآن اور زہد و تقویٰ میں بھی خوب تھے انہیں اپنی مملکت کا شیخ الاسلام بنا دیا(52) اس طرح قصبہ اجودھن (پاک پتن) نے شیخ الاسلام کا عہدہ حاصل کر کے سلطنت دہلی کی منصفانہ تاریخ میں اپنا منفرد مقام برقرار رکھا۔

ابن بطوطہ کی اجودھن (پاک پتن) میں آمد

اس دور کی مشہور و معروف شخصیت ابن بطوطہ ہے جو مختلف ممالک کی سیر کرتے ہوئے جب بر صغیر پاک و ہند میں داخل ہوا تو اس نے دہلی جانے سے پہلے اجودھن (پاک پتن) میں حضرت بابا فریدؒ کے دربار پر حاضری دی۔ ان دنوں تخت دہلی پر محمد تغلق متمکن تھا۔ محمد تغلق نے اسے دہلی کا قاضی مقرر کیا' بعد میں اسے چین میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا پھر مختلف ممالک کی سیر کرتے ہوئے وہ 1349ء میں اپنے وطن طنجہ پہنچا اس طویل سیر و سیاحت کے بعد اس نے اپنا مشہور سفر نامہ مرتب کیا۔ جس کے اندر اس نے اجودھن (پاک پتن) کے لوگوں کے طرزِ معاشرت کا کچھ تذکرہ کیا ہے۔

ابن بطوطہ کا تذکرہ اجودھن (پاک پتن): "اجودھن (پاک پتن) ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یہ شہر حضرت فرید الدینؒ کا ہے۔ شیخ برہان الدین اسکندری نے چلتے وقت مجھے کہا تھا کہ تیری ملاقات شیخ فرید الدینؒ سے ہو گی چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ میں ان سے ملا وہ بادشاہ ہند کے پیر ہیں اور اس نے ان کو یہ شہر انعام میں بخشا ہے۔ میں ان کی خانقاہ میں گیا اور ان سے ملاقات کر کے شیخ برہان الدین کا سلام ان تک پہنچایا۔ ان کے دونوں بیٹوں سے بھی میں نے ملاقات کی' دونوں عالم فاضل ہیں۔ ایک کا نام معزالدین اور دوسرے کا نام علم الدین تھا۔ معزالدین بڑا اور اپنے باپ کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوا تھا۔ ان کے دادا شیخ فرید الدینؒ کی قبر کی بھی میں نے زیارت کی" (53) اگر اس تحریر پر ناقدانہ تبصرہ کیا جائے تو حقیقت حال کچھ یوں ہے کہ ابن بطوطہ درحقیقت حضرت شیخ علاؤالدین موج دریاؒ سے ملا تھا۔ جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں تفصیلاً" کیا گیا ہے وہ حضرت بابا فریدؒ کے پوتے اور سلطان محمد تغلق کے مرشد تھے۔ معزالدین اور علم الدین انہیں کے صاحبزادے تھے۔

اجودھن (پاک پتن) میں رسم ستی کا دلخراش منظر: ابن بطوطہ اپنے سفرنامے میں

مزید لکھتا ہے کہ جب میں شیخ صاحب کی زیارت سے واپس آیا میں نے دیکھا کہ لوگ ہمارے خیمہ گاہ کی جانب سے بھاگے ہوئے چلے آئے ہیں۔ ان میں بعض ہمارے ساتھی بھی ہیں میں نے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ایک ہندو مر گیا ہے۔ اسے جلانے کے واسطے چتا تیار کی گئی ہے۔ جس میں اس کی زندہ بیوی بھی ساتھ جلے گی۔ جب دونوں جل چکے تو ہمارے ہمراہی واپس آئے اور کہنے لگے کہ عورت لاش کے ساتھ چمٹ کر جل گئی ہے۔ (54) ان تمام باتوں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ واقعات کی ترتیب میں تحقیق سے کام نہیں لیتا۔ عام گپ شپ درج کرتا چلا گیا۔ تاہم ان خامیوں کے باوجود مختلف تہذیبوں اور معاشرتی روایات اور رسم و رواج کے بارے میں اس کا سفر نامہ تاریخی مواد کا خزانہ ہے۔

سلطان فیروز کے عہد میں اجودھن (پاک پتن): سلطان فیروز تغلق ہندوستان کی تاریخ میں رعایا پرور سلطان تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ مذہبی انسان تھے اسے صوفیائے کرام کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ تاریخ میں اس سلطان کو نئی عمارات بنانے کی وجہ سے "انجینئر بادشاہ" کا لقب دیا گیا سلطان فیروز تغلق کو مساجد بنانے سے خاص دلچسپی تھی اس نے اپنے عہد میں تقریباً" 50 عظیم مساجد تعمیر کروائیں۔

مسجد تغلق بادشاہ: اس سلطان کے عہد میں ایک عظیم الشان مسجد اندرون رحموں گیٹ اجودھن (پاک پتن) شہر میں تعمیر ہوئی۔ جس جگہ مسجد تعمیر کی گئی کسی وقت یہ جگہ شہر فریدؒ کا سب سے پر رونق 'مصروف ترین اور پر ہجوم بازار تھا۔ آج تک یہ مسجد پاک پتن کی تاریخ میں مسجد تغلق بادشاہ کہلاتی ہے مسجد کا صحن کشادہ تھا مگر ارتقائے وقت' انقلابات زمانہ اور لوگوں کی ہوس جوع الارض کی بناء پر اب یہ مسجد شاہانہ رنگ ڈھنگ کی ترجمانی تو کرتی ہے مگر اس کی وسعت سمٹ چکی ہے۔ مسجد بوسیدہ ہو چکی تھی چنانچہ چند سال قبل اسے شہید کر کے دوبارہ تعمیر کیا گیا مگر محراب پر اس عہد کی کندہ فارسی میں عبارت اس وقت کے سلطان کی اس شہر سے عقیدت ظاہر کرتی ہے۔ مسجد کے محراب کی طرف ایک نہایت تنگ گلی موجود ہے جو اس شہر کے رہنے والے ہندوؤں کے سازشی ذہن اور زمین دوز سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا ثبوت فراہم کر رہی ہے۔

امیر تیمور کا حملۂ ہند: فیروز تغلق کی وفات کے بعد خاندان تغلق کو زوال آنا شروع

ہوا۔ لہٰذا اس دور انحطاط میں امیر تیمور جیسے طالع آزما اولوالعزم سپہ سالار نے ہندوستان کو فتح کرنے کا عزم کیا۔ سب سے پہلے اس نے اپنے پوتے اور افغانستان کے گورنر پیر محمد کو ہراول دستہ کا سالار بنا کر ہندوستان بھیجا تاکہ وہ بڑی فوج کے لیے راستہ ہموار کرے' فروری 1389ء میں ہندوستان کی طرف بڑھا۔ اس نے چھ ماہ کے اندر اندر اچ اور ملتان تک علاقہ فتح کر لیا مزید اجودھن (پاک پتن) اور دیپالپور کا علاقہ فتح کر کے وہاں فوج کا ایک راستہ اپنے ماتحت مسافر قبول کی نگرانی میں رکھا اور خود لاہور کی راہ لی۔ اس دوران امیر تیمور بھی باون ہزار پر مشتمل لشکر کے ساتھ کابل سے روانہ ہوا دریائے سندھ' چناب اور راوی عبور کرنے کے بعد لاہور پر حملہ کیا اور یہاں کے گورنر مبارک خاں کو شکست دے کر پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ (55)

امیر تیمور کی در فریدؒ پر حاضری: ان فتوحات کے بعد امیر تیمور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے روضہ مبارک کی زیارت اور فاتحہ خوانی کے لیے اجودھن (پاک پتن) روانہ ہوا۔ اس کی دہشت اور قتل و غارت کی داستانیں مشہور ہو چکی تھیں۔ اس کی رگوں میں چنگیزی خون تھا۔ جس کی وجہ سے وہ یک جنبش ابرو لوگوں کی گردنیں کٹوا کر ان کی کھوپڑیوں کے اونچے اونچے مینار تعمیر کروانا جانتا تھا۔ اس کے آگے خون کی ندیاں کوئی وقعت نہ رکھتی تھیں۔ لہٰذا اجودھن (پاک پتن) کے باسیوں کو اس کی آمد پر بے حد تشویش ہوئی اور وہ بہت خوفزدہ ہوئے نتیجہ کے طور پر بہت سے حصار بھٹنیر میں روپوش ہو گئے اور اکثر نے شہر میں رہنا مناسب سمجھا امیر تیمور نے سب سے پہلے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے روضہ مبارک پر حاضری دی اور پھر اجودھن (پاک پتن) کے باشندوں کو حضرت بابا فریدؒ سے عقیدت کی بناء پر معافی دیتے ہوئے قلعہ بھٹنیر کی طرف چل پڑا۔ سچ ہے نیک لوگوں کی صحبت لاکھوں آفات سے محفوظ رکھتی ہے۔

خاندان سادات کے عہد میں اجودھن (پاک پتن): سلاطین دہلی میں دیپالپور (پاک پتن) اور ملتان سیاسی اور فوجی لحاظ سے نہایت اہمیت کے حامل تھے دیپالپور کا گورنر بلاشبہ سلطان کے بعد دوسری بڑی سیاسی مقتدر حیثیت رکھتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ جب خاندان خلجی زوال پذیر ہوا تو دیپالپور کے صوبہ دار غازی ملک نے آگے بڑھ کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر سلطنت دہلی کو مزید آفت سے محفوظ کیا۔ اسی طرح امیر تیمور کے حملے کے بعد جب تغلق خاندان تیزی سے

زوال پذیر ہوا مرکز گریز رجحانات عام ہوئے ملک سیاسی اور معاشی ابتری کا شکار ہونا شروع ہوا۔ تو ایسے میں سید خضر جسے امیر تیمور نے اپنی ہندوستان سے واپسی پر دیپالپور اجودھن (پاک پتن) اور ملتان کا گورنر بنایا تھا' خلفشار کے اس دور میں آگے بڑھا اور سلطنت دہلی کو تباہی سے بچا لیا۔

خضر خاں اور ملوخاں کی کشمکش: امیر تیمور کے بعد جب خاندان تغلق سیاسی ابتری کا شکار ہوا تو ایسے میں ملو اقبال مختلف سازشوں سے سلطنت دہلی کا وزیر اعظم بنا اس نے اپنے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے تمام سرکردہ صوبیداروں کو اپنے راستے سے ہٹانے کی پالیسی اختیار کی۔ نتیجہ کے طور پر دیپالپور' اجودھن (پاک پتن) اور ملتان کا گورنر خضر خاں بھی اس کی زد میں آگیا۔ ملو اقبال کی یہ خواہش تھی کہ وہ خضر خاں کو ختم کر کے سلطنت دہلی پر آسانی سے قابض ہو سکے۔ (56) لیکن سید خضر خاں اس کے مکارانہ ارادوں سے بخوبی واقف تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے خیمے اجودھن (پاک پتن) کے آس پاس نصب کیے۔ (57) میدان جنگ میں دونوں حریف صف آراء ہوئے ملو اقبال قتل ہوا۔ اب خضر خان دہلی کی طرف بڑھا وہاں دولت خاں کی حکومت تھی اسے گرفتار کر کے فیروز آباد کے قلعہ میں بند کر دیا(58) اور خود 1414ء میں سلطان دہلی کی حیثیت سے عنان حکومت سنبھال لی اور سید خاندان کی بنیاد رکھی یوں پنجاب کی گورنری نے ایک دن اسے دہلی کا تاجدار بنا دیا۔

لودھی عہد حکومت میں اجودھن (پاک پتن): سادات خاندان نے برصغیر پر کل 37 سال حکومت کی۔ اس خاندان کا آخری سلطان نہایت تساہل پسند تھا۔ ملکی حالات ابتر ہونا شروع ہوئے تو پنجاب کے گورنر (دیپالپور۔ اجودھن) بہلول لودھی نے آگے بڑھ کر عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر بطور حکمران لودھی خاندان کی بنیاد رکھی۔

بابا گورونانک صاحب: بہلول لودھی کے عہد میں سکھ مذہب کے بانی بابا گورونانک صاحب 1469ء بمقام تلونڈی کالوکھتری کے گھر پیدا ہوئے۔ جوان ہونے پر بابا گورونانک صاحب نے اپنے افکار و اقوال سے ہندوستان کی مذہبی تاریخ کو متاثر کرنا شروع کیا اور جب ابراہیم لودھی کے دور حکومت میں بابا گورونانک صاحب کے پیروکاروں کی تعداد میں خاصہ اضافہ ہوا تو سلطانی حکم کے تحت انہیں گرفتار کر کے مقید کر دیا گیا۔ مگر 1526ء

میں پانی پت کی فتح نے جب بابر کو ہندوستان کا بادشاہ بنا دیا تو بابر نے نہ صرف بابا گورونانک صاحب سے ملاقات کی بلکہ انہیں قید سے باعزت رہا بھی کر دیا۔

بابا گورونانک صاحب کی در فریدؒ پر حاضری: قید سے رہا ہونے کے بعد سندھ کی طرف جاتے ہوئے آپ پہلے اجودھن (پاک پتن) پہنچے اور در فرید پر حاضری دی۔ اس وقت حضرت بابا فریدؒ کی اولاد میں ابراہیم فریدؒ ثانی دربار کے دیوان تھے۔ وہ پنجابی زبان کے بلند پایہ صوفی شاعر تھے انہیں تاریخ میں فرید ثانی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اجودھن (پاک پتن) شہر سے دو کلو میٹر بجانب مغرب دونوں بزرگوں کی ملاقات ہوئی پاک پتن میں اب یہ مقام گورونانک صاحب کی آمد کی وجہ سے "ٹبہ نانک سر" کے نام سے موسوم ہے۔ دونوں بزرگوں کی گفتگو زیادہ تر اشعار کی زبان میں ہوئی۔ دوران گفتگو حضرت فرید ثانیؒ نے اپنے اشعار اور حضرت بابا فریدؒ کے وہ اشعار جو انہیں زبانی یاد تھے سنائے ان اشعار کے اندر دنیا کی بے ثباتی' انسانیت سے دوستی' خدا کی وحدانیت' مساوات اور محبت کا درس تھا۔ بابا گورونانک صاحب ان اشعار سے بے حد متاثر ہوئے انہوں نے ان اشعار کو اپنی مذہبی کتاب آسا (ASA) میں شامل کر دیا۔

گرنتھ صاحب کی تدوین: گورونانک صاحب کی وفات کے بعد یہ کلام گرو انگلیو کے سپرد کیا۔ جسے بعد میں سکھوں کے پانچویں گرو ارجن دیو نے اس کلام کو اپنی مقدس کتاب گرنتھ صاحب کی تدوین کے وقت شامل کیا۔ (59) اس طرح 112 اشلوک اور چار شبد گرنتھ صاحب میں حضرت بابا فریدؒ سے منسوب ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سکھ ہمیشہ حضرت بابا فریدؒ سے بے حد دلی عقیدت رکھتے ہیں اور پاک پتن سے انہیں خاص مذہبی لگاؤ رہا ہے "حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ سے تمام سکھ قوم کو عقیدت ہے ان کا کلام پاک ہمارے گرنتھ صاحب میں درج ہے اور ہم ان کو اسی احترام سے سنتے ہیں جیسے کہ ہمارے گروؤں کا کلام ہو۔"(60)

حضرت بابا فریدؒ کا پنجابی کلام گورو گرنتھ میں درج ہے جس کے مطالعے سے آپ کی جدت طبع اور قدرت ادراک کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ "دل بدست آور کہ حج اکبر است" تمام اشلوک گہرے جذبات سے بھرپور ہیں وہ ہنر و فن اور شعر و سخن کا اعلی نمونہ ہیں یہ کلام ملتانی زبان کا بیش قیمت خزانہ اور پنجابی کا قیمتی اثاثہ ہے

اس کی تشبیہات اور استعارات پنجاب کی زندگی سے لیے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ سکھوں نے پنجاب یونیورسٹی پٹیالہ میں بابا فریدؒ میموریل سوسائٹی قائم کر رکھی ہے۔ انہوں نے روحانیت کے اس عظیم پیشوا کا آٹھ سو سالہ جشن ولادت بڑی آن بان اور تزک و احتشام سے منایا(61)

اس جشن ولادت کے موقع پر اسی مٹی کے سپوت اردو کے مایہ ناز سکھ شاعر کنور مہندر سنگھ بیدی نے یہ مدح پیش کی۔

اے فریدالدین بابا' اے میرے گنج شکرؒ
عالم الحاد تیرے خوف سے زیر و زبر
تو نے بخشا اک جہاں کو بادۂ عرفاں کا نور
زہد کا' اخلاص کا' تسلیم کا' ایمان کا نور
راہ حق سے اور حق سے تھی شناسائی تیری
اس لیے ہوتی ہے ہر دل میں پذیرائی تیری
ٹوٹ سکتا ہے نظام انجم و شمس و قمر
اور مٹ سکتے ہیں دنیا میں یہ دشت و بحر و بر
لیکن اے گنج شکرؒ تو زندہ و پائندہ ہے
کل بھی تابندہ رہے گا آج بھی تابندہ ہے

سکھ حضرت بابا فریدؒ کے کلام سے بے حد متاثر ہیں کیونکہ وہ ہندوستان کے اس عظیم صوفی جس کا مشن ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا تھا۔ جو مذہبی منافرت کو ختم کرتے اور انسان کو انسان سے قریب تر کرنے کے لیے زندہ رہا۔ جیسے ایک بار کسی عقیدت مند نے ایک قینچی ہدیہ میں دی تھی تو آپ نے کہا تھا "مجھے قینچی نہیں چاہیے سوئی لاؤ' میں کاٹتا نہیں ہوں جوڑتا ہوں" (62)

حوالہ جات

(1) آب کوثر صفحہ نمبر155
(2) منٹگمری گزٹ صفحہ نمبر518
(3) بحوالہ آب کوثر صفحہ نمبر58

(4) بحوالہ تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ نمبر181

(5) پاکستان ناگزیر تھا از ریاض حسین صفحہ نمبر125

(6) بحوالہ تاریخ فرشتہ صفحہ نمبر219

(7) اسرار عترت فریدی صفحہ نمبر160

(8) خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہور

(9) ایضاً

(10) تاریخ فرشتہ

(11) سیر الاولیاء صفحہ نمبر59

(12) نظامی جنتری از خواجہ فرید حسن نظامی

(13) سیر الاولیاء صفحہ نمبر88

(14) سیر الاولیاء بحوالہ حضرت فخر جہاں دہلوی صفحہ نمبر3

(15) خیر المجالس صفحہ نمبر219

(16) روسائے ملتان صفحہ نمبر225

(17) ایضاً

(18) فوائد الفوائد ملفوضات حضرت نظام الدین اولیاء" صفحہ نمبر58

(19) سیر الاقطاب از الہدیہ ابن شیخ عبدالرحیم صفحہ نمبر187

(20) رسالہ منادی دہلی صفحہ نمبر36

(21) فرید کوٹ گزٹیر از مولانا محمد سعید شبلی

(22) جگہ کا نام

(23) فرید کوٹ گزٹیر صفحہ نمبر30

(24) تاریخ فرشتہ صفحہ نمبر276

(25) سیر الاولیاء صفحہ نمبر71

(26) انوار الفرید از مولانا مسلم نظامی صفحہ نمبر210

(27) تاریخی مقالات از پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم

(28) مسلم رول ان انڈیا صفحہ نمبر4

(29) کیمبرج ہسٹری جلد اول صفحہ نمبر75

(30) تاریخ فرشتہ جلد اول

(31) آب کوثر صفحہ نمبر528

(32) ایضاً" صفحہ نمبر260

(33) ایضاً" صفحہ نمبر262

(34) ایضاً"

(35) ایضاً"

(36) آب کوثر صفحہ نمبر263

(37) پاکستان کی مختصر تاریخ از پروفیسر ایم کبیر

(38) فرید الدین مسعود گنج شکرؒ از جعفر قاسمی صفحہ نمبر129

(39) جلال الدین خلجی نے خاندان غلاماں کے آخری فرمانروا "کیقباد" کو غیر شرعی حرکات کی وجہ سے قتل کر کے دریائے گنگا میں بہا دیا بعد از علاؤ الدین خلجی نے اپنے سسر جلال الدین کو قتل کر کے گنگا برد کر دیا

(40) تاریخ فرشتہ صفحہ نمبر382

(41) آب کوثر صفحہ نمبر150

(42) پاک پتن کے مغرب کی جانب ہوتہ روڈ پر ایک قدیم قصبہ

(43) منٹگمری گزٹ اشاعت 1966ء صفحہ نمبر30

(44) ایضاً" صفحہ نمبر32

(45) ایضاً"

(46) ایضاً"

(47) اسٹیٹ گزٹیر صفحہ نمبر475

(48) ایضاً"

(49) تاریخ فیروز شاہی از سراج عفیف صفحہ نمبر30

(50) آب کوثر صفحہ نمبر100

(51) سیر الاولیاء صفحہ نمبر193

(52) انوار الفرید صفحہ نمبر315

(53) سفر نامہ ابن بطوطہ از رئیس احمد جعفری صفحہ نمبر505

تغلق عہد کے فن تعمیر کا نادر نمونہ

(54) ایضاً

(55) تذکرۂ تیموری ترجمہ ابو الہاشم صفحہ نمبر45

(56) تاریخ فرشتہ صفحہ نمبر491

(57) ایضاً

(58) ایضاً

(59) تاریخ پنجاب از سید محمد لطیف صفحہ نمبر245

(60) پنجابی صوفی شاعر از آکسفورڈ یونیورسٹی پریس 1938ء

(61) ماہنامہ منادی گنج شکر" جلد نمبر48 نئی دہلی صفحہ نمبر9

(62) ایضاً

قدیم عہد کا فن تعمیر

حصہ سوئم

پاک پتن مغلیہ عہد میں

1526ء تا 1857ء

شیر شاہ سوری کے عہد کا برج
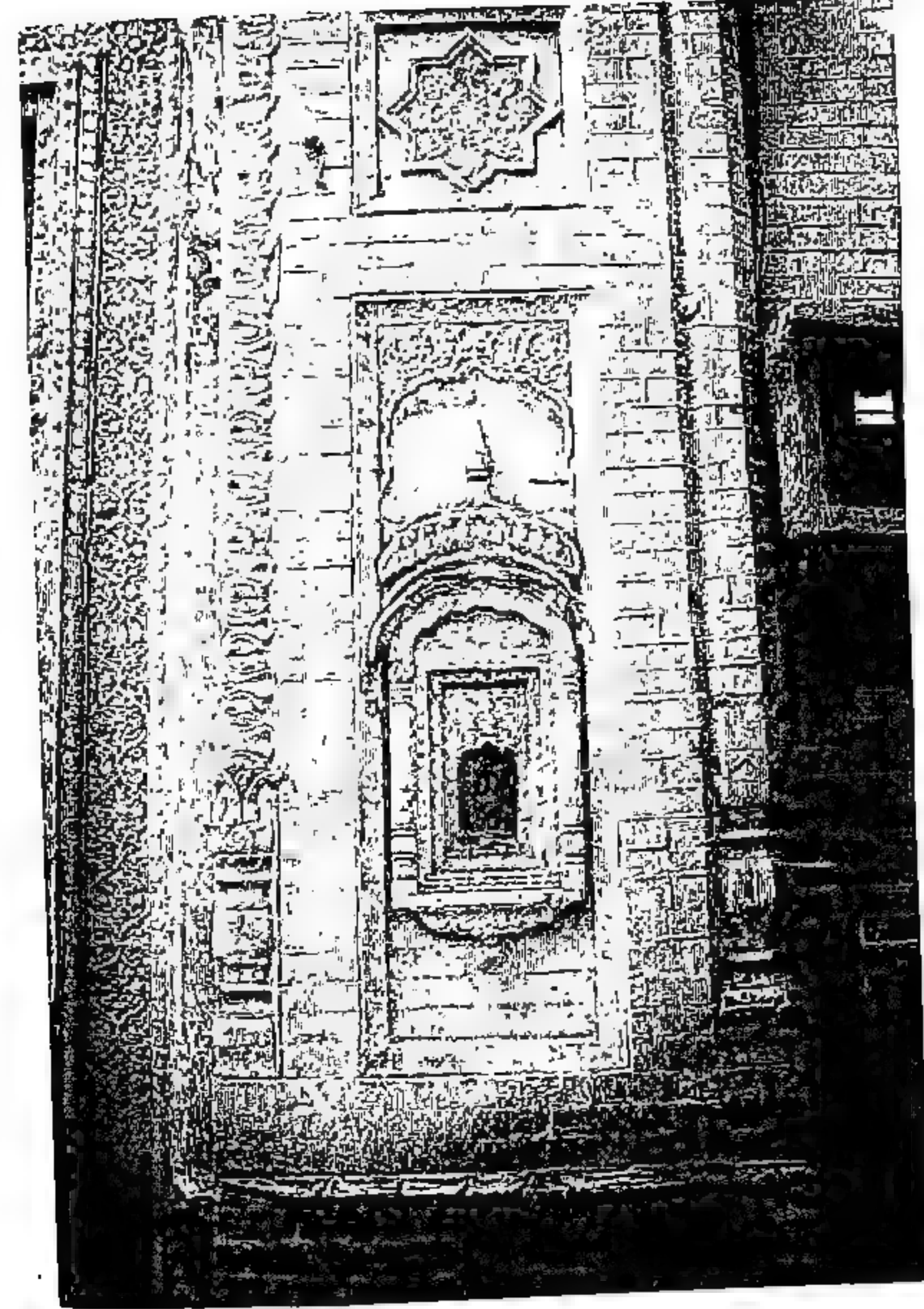
پاک پتن مغلیہ عہد میں

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ سلاطین دہلی کے عہد میں پنجاب کا صوبہ سیاسی اور فوجی لحاظ سے سلطنت دہلی کا سب سے بڑا صوبہ تھا۔ پنجاب کا گورنر جس کا مستقل مستقر دیپالپور ہوتا سیاسی لحاظ سے سلطان کے بعد دوسری بڑی مقتدر حیثیت رکھتا تھا چنانچہ زوال کے ہر دور میں دیپالپور کے گورنر نے ہی آگے بڑھ کے سلطنت دہلی کو مزید انتشار سے محفوظ کرتے ہوئے سلطنت کی باگ دوڑ سنبھالی اور ہندوستان میں مسلم اقتدار کو قائم و دائم رکھا۔ اگرچہ گزشتہ صفحات پر اس حقیقت کا تذکرہ ہو چکا تاہم اجمالاً اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

خلجی خاندان کے زوال پذیر ہونے پر دیپالپور کا گورنر غازی ملک ہی آگے بڑھا اور اس نے دہلی کی عنان حکومت سنبھالی۔ اسی طرح تغلق خاندان کے روبہ زوال ہونے پر دیپالپور کے گورنر خضر خاں نے تخت دہلی حاصل کیا اور سادات خاندان کی بنیاد رکھی۔ پھر جب اس خاندان کا اقتدار ڈولنے لگا تو دیپالپور کے گورنر بہلول لودھی نے مرکزی حکومت سنبھالی اور لودھی خاندان کی بنیاد رکھی اس خاندان کے آخری تاجدار ابراہیم لودھی کے دور میں دیپالپور کے گورنر دولت خاں لودھی نے کابل کے حکمران ظہیر الدین بابر کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی۔

ظہیر الدین بابر کا حملہ ہند: دیپالپور کے گورنر دولت خان لودھی کے سلطان ابراہیم لودھی سے تعلقات کشیدہ تھے۔ چنانچہ اس نے بابر کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی باضابطہ دعوت دی۔ دراصل دولت خاں' ابراہیم لودھی کو شکست دلوانے کے بعد پنجاب کی حکومت کا خواہاں تھا۔ بابر چونکہ پہلے ہی تسخیر ہند کے لیے پر تول رہا تھا۔ اس لیے اس نے یہ دعوت فوراً قبول کر لی اور ایک لشکر جرار کے ساتھ 1524ء میں کابل سے روانہ ہوا۔ (1) لیکن اس دوران دولت خاں لودھی دہلی پر حملہ آور ہو کر ابراہیم لودھی سے شکست کھا چکا تھا۔ اس لیے لاہور ابراہیم لودھی کے قبضہ میں تھا اب کی بار بابر سیدھا لاہور آیا۔ اس پر قبضہ کرنے کے بعد دیپالپور اور اس کے گردو نواح بشمول اجودھن (پاک پتن) کے علاقوں کو فتح کیا۔ اب پنجاب کا کثیر حصہ بابر کے زیر نگیں تھا۔

عہد بابری میں پاک پتن: ظہیر الدین محمد بابر نے 1526ء میں پانی پت کے میدان

میں لودھی خاندان کے آخری فرمانروا سلطان ابراہیم لودھی کو شکست دے کر باقاعدہ ہندوستان کے اندر مغلیہ خاندان کی بنیاد رکھی۔ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں مغلیہ خاندان کی سی عظمت و شوکت اور سربلندی کسی دوسرے خاندان کو نصیب نہیں ہوئی مغلوں سے پہلے برصغیر میں جتنے مسلمان حکمران ہوئے وہ "سلطان" کہلاتے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ عباسی خلفاء سے اپنا روحانی تعلق قائم کیا۔ مگر بابر نے تخت دہلی حاصل کرنے کے بعد اپنے لیے سلطان کی بجائے "بادشاہ" کا لقب اختیار کیا۔ (2) بابر نے برصغیر پر اپنے حملوں کے دوران اور تخت دہلی حاصل کرنے کے بعد یہ علاقے بشمول پاک پتن (اجودھن ' دیپالپور) اپنے بیٹے مرزا عسکری کے حوالے کر دیئے۔ اس وقت یہ علاقہ صوبہ پنجاب کا مردم خیز علاقہ شمار ہوتا تھا۔

نصیر الدین ہمایوں کا عہد حکومت: بابر نے 26 دسمبر 1530ء کو وفات پائی۔ چار دن بعد نصیرالدین ہمایوں 30 دسمبر 1530ء کو آگرے میں تخت نشین ہوا۔ بابر نے مرنے سے پہلے ہمایوں کو یہ وصیت کی تھی کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ ہمایوں نے اپنے باپ کی وصیت کے مطابق کابل و قندھار مرزا کامران کو بخش دیئے' سنبھل کی ریاست مرزا عسکری کو عطا کی اور الور کا علاقہ اپنے چھوٹے بھائی مرزا ہندال کو دے دیا۔ ہمایوں کے بھائی ہمیشہ اس کے لیے "برادر یوسف" ثابت ہوئے ہر آڑے وقت میں ہمایوں کی مخالفت کر کے انہوں نے اس کے لیے مزید سیاسی الجھنیں اور پریشانیاں پیدا کر دیں۔

مرزا کامران نے کابل پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ ہمایوں کی رحم دلی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صوبہ پنجاب پر قبضہ کر لیا اور یوں یہ علاقہ (پاک پتن) مرزا کامران کی تحویل میں آگیا۔(3) بجائے اس کے کہ ہمایوں کامران کی اس حرکت پر خفا ہوتا۔ اس نے اسے پنجاب کا حاکم بھی تسلیم کر لیا۔ ان ایام میں شمالی ہند کے افغان شیر شاہ کی قیادت میں اپنے اقتدار کے احیاء کے لیے ہمایوں سے برسرپیکار تھے۔ اس وقت ہمایوں کو اپنے مخالفین سے نمٹنے کے لیے ایک بڑی فوج کی ضرورت تھی مگر فوجی بھرتی کا علاقہ پنجاب مرزا کامران کے قبضہ میں تھا۔ جس کی بناء پر ہمایوں فوج کو مضبوط نہ بنا سکا۔ آخر کار 1540ء میں اسے شیر شاہ کے ہاتھوں تخت دہلی سے محروم ہونا پڑا۔ ہمایوں شیر شاہ کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد سندھ اور بلوچستان سے ہوتا ہوا ایران چلا گیا۔ جہاں اس

نے 15 سال جلا وطنی کی زندگی گزاری۔

شیر شاہ کے عہد میں پاک پتن: شیر شاہ سوری کا شمار برصغیر پاک و ہند کے قابل اور بہترین حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ اس کے عروج کی داستان ایک انتھک محنتی' انسان کی اولوالعزمی' بلند خیالی اور عمل و ہمت کی نادر مثال ہے۔ اس نے زندگی کے نشیب و فراز سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ مصیبت کا ہر دور اس کے لیے عظمت کی درسگاہ بنا۔ تمام مورخین اس کے کردار کی پختگی اور صلاحیتوں کے معترف ہیں سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنی قابلیت کی بدولت تخت کا وارث بنا۔ 1539ء میں چونسہ کے مقام پر ہمایوں کو شکست دینے کے بعد اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا 1540ء میں تخت دہلی حاصل کرنے کے بعد شیر شاہ نے 1541ء میں پنجاب پر قبضہ کیا۔ پنجاب کے گورنر ہیبت خاں نیازی نے اسی سال پاک پتن فتح کرنے کے بعد ملتان کی طرف پیش قدمی کی اور 1543ء میں جاٹوں کو شکست دے کر ملتان فتح کر لیا۔ (4)

برج کی تعمیر: پاک پتن کی فتح کے بعد ہیبت خاں نیازی نے شہر کے اندر ڈھکی پر فوجی نقطہ نظر کے تحت کچی اینٹوں کا بہت بلند برج تعمیر کیا۔ زمانے کی دست برد تقریباً 450 سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد آج بھی یہ برج اپنی شاہانہ قدوقامت کے ساتھ پاک پتن میں موجود محکمہ آثار قدیمہ کی بے اعتنائی کا شکار' روبہ شکستگی ہے۔ اگر محکمہ آثار قدیمہ نے اس کی مرمت پر توجہ نہ دی تو عین ممکن ہے کہ چند سالوں میں ہماری یہ میراث صفحہ ہستی سے معدوم ہو جائے۔ اس برج کی بلندی کا صحیح اندازہ تو نہیں ہو سکتا۔ صدیوں کے موسمی اثرات اور مسلسل بارشوں کی وجہ سے اس کا حلیہ بگڑ چکا ہے۔ اور اس کی کافی مٹی بہہ چکی ہے۔ اس برج کی موجودگی کی وجہ سے اردگرد کا علاقہ محلہ "کچا برج" کہلاتا ہے۔

قلعہ شیر گڑھ: پاک پتن کی فتح کے بعد شیر شاہ نے دیپالپور سے چند میل دور شیر گڑھ کے مقام پر ایک قلعہ تعمیر کروایا۔ (5) پہلے شیر گڑھ کا علاقہ ضلع منٹگمری میں شامل تھا۔ مگر اب ضلع اوکاڑہ کی حدود میں واقع ہے۔ جہاں سادات حجرہ کو روحانی اور سیاسی فوقیت حاصل ہے۔ قیام پاکستان سے قبل شیرگڑھ تحصیل پاک پتن سے منسلک تھا۔

ہوتہ روڈ: شیر شاہ برصغیر میں اپنے رفاہ عامہ کے عظیم الشان کارناموں کی وجہ سے بھی

ہمیشہ زندہ رہے گا۔ رفاہی کاموں کے لیے اس کا نام "ضرب المثل" بن چکا ہے۔ اپنے 5 سالہ عہدِ حکومت میں اس نے بڑی بڑی سڑکیں بنائیں جن کی لمبائی کئی ہزار میل تک بنتی ہے۔ جرنیلی سڑک کے علاوہ اس نے لاہور اور ملتان کے درمیان بھی ایک سڑک بنوائی۔ یہ سڑک پاک پتن میں "ہوتہ روڈ" کہلاتی ہے۔ پیر غنی' کلیانہ' ہوتہ اور قبولہ جیسے قدیم قصبات اس سڑک پر اپنی تاریخی قدامت کا ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ قصبہ ہوتہ میں شیر شاہ کے عہد کی ڈاک چوکی آج بھی "پرانا تھانہ" کے نام سے موجود ہے۔

شیر شاہ کی وفات کے بعد جب افغان حکومت روبہ زوال ہوئی' سیاسی ابتری انتشار' نفاق اور بد امنی ہر سو پھیلی تو ہمایوں جو ایران میں شاہ طہماسپ کے ہاں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ ایران کے بادشاہ کی مدد سے 1555ء میں دوبارہ تخت دہلی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ تخت دہلی کے دوبارہ حصول کے دوران ہمایوں کے فوجی جرنیل ابُو معالی نے افغان فوج کو دیپالپور کے مقام پر شکست دی۔ اس فتح نے ہمایوں کو فیصلہ کن فتح سے ہمکنار کیا۔ (6)

اکبر اعظم کے عہد میں پاک پتن کے حالات: نصیر الدین ہمایوں نے اپنی وفات سے قبل ہی اپنے بیٹے اکبر کو پنجاب کا گورنر نامزد کرتے ہوئے اس کی ولی عہدی کا بھی اعلان کر دیا تھا۔ جب ہمایوں فوت ہوا تو اکبر پنجاب ہی میں مقیم تھا۔ تعزیت کی مروجہ رسوم ادا کرنے کے بعد بیرم خاں نے ایک سادہ سی تقریب میں 14/ فروری 1556ء میں اس کی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ تخت نشینی کے وقت اکبر کو بے شمار سیاسی مشکلات درپیش تھیں۔ لیکن اس نے اپنے تدبر' سیاسی بصیرت' شجاعت اور حوصلہ مندی سے مغلیہ سلطنت کو ایسی رفعت عطا کی۔ جس پر ہر آنے والے مورخ نے اسے مغلیہ سلطنت کا "حقیقی بانی" قرار دیا۔

باپیادہ خانقاہ فریدؒ پر حاضری: اکبر کی نرینہ اولاد نہ تھی اس آرزو نے جب شدت اختیار کی تو اکبر نے حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی خانقاہ پر حاضر ہو کر ہدیہ عقیدت پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب اکبر پاک پتن کے قریب پہنچا تو خانقاہ کے احترام میں گھوڑے سے اتر کر باپیادہ ہو گیا اور کئی میل پیدل چل کر درگاہ حضرت بابا فریدؒ پر حاضری دی بادشاہ کے حاشیہ نشینوں نے بھی یہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ اکبر کے اتالیق

بیرم خاں نے بھی اکبر کی معیت میں درج ذیل شعر میں بابا فریدؒ کی عظمت کے گن گائے اور آپ کی ایک کرامت کو زندہ جاوید کر دیا۔(7)

کان نمک جہاں شکر شیخ بحروبر
آن کز شکر نمک کندواز نمک شکر (8)

اس کرامت کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ایک دفعہ ایک سوداگر اونٹوں پر شکر لادے ملتان سے دہلی جا رہا تھا۔ جب اجودھن (پاک پتن) پہنچا تو راستے میں حضرت بابا فریدؒ کھڑے تھے آپ نے سوداگر سے پوچھا۔ اونٹوں پر کیا لدا ہوا ہے اس نے آپ کو "منگتا" سمجھ کر کہا بابا نمک لدا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا "خیر نمک ہو گا"۔ سوداگر نے دہلی پہنچ کر بوروں کو کھولا تو اس میں شکر کی بجائے نمک بھرا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے اور اس کو فوراً یاد آگیا کہ اجودھن (پاک پتن) میں اس نے جس فقیر سے جھوٹ بولا تھا یہ اس کی زبان کی تاثیر ہے۔ اسی وقت واپس روانہ ہوا اور پاک پتن (اجودھن) میں حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی غلط بیانی پر انتہائی ندامت کا اظہار کیا۔ تو آپ نے فرمایا جھوٹ بولنا بہت برا ہے۔ آئندہ جھوٹ بولنے سے توبہ کرو اور دل کو بدگمانی کے گناہ سے بھی بچایا کرو پھر فرمایا اگر وہ شکر تھی تو شکر ہو جائے گی۔ سوداگر حضرت بابا فریدؒ کے پاس سے تائب ہو کر واپس اپنے اونٹوں کے پاس آیا اور پھر ان بوروں کو کھول کر دیکھا تو ان میں شکر بھری ہوئی تھی بیرم خاں نے اس واقعہ کو مذکورہ شعر میں بیان کر دیا۔

دیوان تاج الدین محمودؒ سے شرف ملاقات: پاک پتن میں اکبر کی آمد کے وقت ابراہیم فرید ثانیؒ کے فرزند اکبر دیوان تاج الدین محمود آستانہ فریدیہ کے تیرہویں سجادہ نشین تھے۔ آپ نہایت عابد و زاہد تھے کشف و کرامت کی بدولت آپ کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ آپ اپنے زمانہ کے اولیاء اللہ میں شمار ہوتے تھے۔ اکبر نے آپ کی آزمائش کرنی چاہی چنانچہ اس نے اپنے ملازم کو چارپائی پر لٹا کر مصنوعی جنازہ بنایا اور دیوان صاحب کو نماز جنازہ کے لیے بلا بھیجا ادھر بادشاہ نے ملازم کو سمجھا دیا کہ تم دم سادھے پڑے رہو جب دیوان صاحب نماز جنازہ کی تکبیر کہیں تو اٹھ بیٹھو۔ دیوان صاحب نے پہلے تو نماز جنازہ پڑھانے سے انکار کر دیا۔ لیکن بادشاہ کے اصرار پر نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے جب تکبیر کہی گئی تو مصنوعی جنازہ نے مطلق حرکت نہ کی۔ چادر اٹھا کر دیکھا تو فی الواقع اس کی روح پرواز کر چکی تھی اور وہ حقیقی مردہ بن چکا تھا۔ اب اکبر بادشاہ بہت شرمندہ ہوا اور دیوان صاحب

کے روحانی کمال کا اعتراف کیا۔ (9)

گلزارِ فریدی میں ہے کہ اکبر دیوان تاج الدین محمودؒ کے مشورے پر ہی حضرت شیخ سلیمؒ چشتی کی خدمت میں فتح پور سیکری حاضر ہوا پھر ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے اسے فرزند عطا کیا۔ جس کا نام اکبر نے شیخ سلیمؒ کے نام پر سلیم رکھا اور پیار سے اکبر اسے "شیخو بابا" کہا کرتا تھا۔ یہ وہ "شیخو بابا" ہے جو بعد میں نور الدین جہانگیر کے لقب سے بادشاہ ہند بنا حضرت شیخ سلیمؒ حضرت بابا فریدؒ کے پوتے حضرت شیخ مودودؒ کی اولادؒ میں سے تھے اور یوں خاندان چشت کی دعاؤں کی طفیل اکبر کو تاج و تخت کا وارث ملا۔

اجودھن سے پاک پتن: اجودھن کا موجودہ نام پاک پتن ہے حضرت بابا فریدؒ کی جائے سکونت اور ابدی آرام گاہ ہونے کے سبب ہندوپاکستان کا شاید ہی کوئی باشندہ اس شہر کے نام سے ناواقف ہو۔ اجودھن سے پاک پتن کس طرح مشہور ہوا۔ اس سے متعلق چند روائتیں ہیں۔

پہلی روائت کے مطابق جب حضرت بابا فریدؒ اجودھن میں قیام پذیر ہوئے اور لوگوں میں آپ کے زہد و اتقاء کی شہرت پھیلی تو دور و نزدیک سے لوگ آپ کی زیارت کے لیے اجودھن آنے لگے ہر زائر کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے "چلو پاک لوگ کے پتن میں"

مشہور مورخ محمد قاسم فرشتہ نے اس شہر کو حضرت بابا فریدؒ کی مناسبت سے پتن فریدؒ لکھا ہے۔ (10) روایتاً" یہ بات صدیوں سے مشہور ہے کہ دریائے ستلج قصبہ اجودھن کے قریب بہتا تھا۔ حضرت بابا فریدؒ اس کے پتن پر بیٹھ کر وضو یا غسل فرماتے تھے۔ اس لیے اجودھن کے لوگ اس جگہ کو پاک لوگ کا پتن کہتے تھے اور اس جگہ کا ادب کرتے تھے۔

ایک دن حسب معمول حضرت بابا فریدؒ دریائے ستلج کے پتن پر وضو فرما رہے تھے کہ کسی مرید نے عرض کیا کہ یا حضرت دریا کا یہ پتن "پاک نہیں" تو آپ نے فرمایا نہیں یہ "پاکپتن" ہے چنانچہ آپ کے فرمان کے مطابق لوگ اس کو پاک پتن کہنے لگے۔

چوتھی روائت کے مطابق جب آپ ستلج پر وضو فرما رہے تھے تو آپ کی زبان مبارک سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ کیسا پاک پتن ہے۔ چنانچہ اس دن سے اجودھن کا نام پاک پتن مشہور ہونا شروع ہوا تاوقتیکہ شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر نے در فریدؒ پر حاضری کے بعد حضرت بابا فریدؒ کی مناسبت سے اجودھن کو باضابطہ سرکاری طور پر پاک پتن لکھنے کا حکم دیا اور یوں یہ شہر باقاعدہ عہد اکبری سے سرکاری طور پر پاک پتن کہلوانے لگا اور اجودھن بتدریج

ماضی کی گمنام دبیز تہوں میں دبتا چلا گیا۔

تبصرہ: اگر ان تمام روائیتوں پر تنقیدی بحث کی جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اس شہر کو اجودھن سے پاک پتن کا نام صرف اور صرف حضرت بابا فریدؒ کی مناسبت سے نصیب ہوا۔ چونکہ دہلی اور ملتان کے تمام مسافر دریائے ستلج کو اسی پتن سے عبور کرتے تھے۔ لہذا جب حضرت بابا فریدؒ نے اس پتن کو پاک کہا تو یہ شہر پاک پتن کے نام سے مشہور ہوتا چلا گیا۔

جہانگیر اور شاہجہان کے دور میں پاک پتن: اکبر اعظم کے بعد مغلیہ دور میں پاک پتن رفتہ رفتہ سرکاری سرپرستی اور بادشاہوں کی عنایات سے محروم ہوتا چلا گیا۔ جہانگیر' شاہ جہاں' اورنگ زیب کے ادوار میں پاک پتن کی سیاسی اور جغرافیائی تاریخ خاموش ہے۔ علاوہ ازیں مذہبی اور روحانی لحاظ سے یہ دور اشاعت اسلام کی بجائے احیائے دین کی اصلاحی تحریکوں سے مزین ہے۔ ان اصلاحی تحریکوں کے سرخیل حضرت مجدد الف ثانیؒ ہیں۔ جنہوں نے اکبری الحاد' بھگتی تحریک اور متحدہ قومیت جیسے زہر آلود خیالات کے خلاف پر زور قلمی جہاد کیا۔ لہذا یہ آپ ہی کا فیضان تھا کہ جہانگیر اسلامی احکام کے احیاء کے لیے کوشاں ہوا۔ شاہجہان کی طرف سے اسلام کی سرپرستی اور اورنگ زیب کا "صوفی بادشاہ" ہو جانا آپ ہی کی تاریخ ساز شخصیت و تحریک کے زندہ کرشمے ہیں۔ دور سلاطین میں خاندان چشت کے موسس ثانی حضرت بابا فریدؒ اور آپ کے خلفائے عظام نے اسلام کی اشاعت کے لیے جو عظیم کارنامے سرانجام دیئے تاریخ کے صفحات ان سے بھرے ہوئے ہیں۔ مگر ان کے جاری کردہ مشن کی اصلاح اور بہتری کے لیے جس انداز میں حضرت مجددؒ نے اس دور میں اپنی دینی خدمات سرانجام دیں وہ بھی ہماری مذہبی اور روحانی تاریخ کا ایک بہت بڑا سرمایہ ہے۔ یہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی کوشش تھی جس سے ہندوستان کی مسلم حکومت کو کفر کی گود میں چلے جانے سے روکا اور تصوف کے چشمہ صافی کو ان آلائشوں سے فلسفیانہ اور راہبانہ گمراہوں سے پاک کر کے اسلام کا اصلی اور صحیح تصور پیش کرتے ہوئے اتباع شریعت کی ایک ایسی تحریک پھیلائی۔ جس کے ہزارہا تربیت یافتہ کارکنوں نے نہ صرف ہندوستان کے گوشوں میں بلکہ وسط ایشیاء تک پہنچ کر عوام کے اخلاق و عقائد کی اصلاح کی۔ (11)

اس عہد کی دوسری بڑے روحانی شخصیت حضرت میاں میرؒ تھی۔ جہانگیر نے آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی۔ شاہجہاں آپ کے معتقدین میں سے تھا اور وہ دو مرتبہ آپ

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ جہاں کا بڑا بیٹا داراشکوہ آپ کا مرید خاص تھا۔ جس نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "سکینتہ الاولیاء" میں جہاں حضرت میاں میرؒ کو قطب زماں پیشوا امام طریقت تحریر کیا ہے۔ وہاں حضرت بابا فریدؒ کو نہایت عقیدت و احترام کے ساتھ ہدیہ تبریک پیش کیا گیا ہے اور پاک پتن کی روحانی عظمت کی دل کھول کر تعریف کی گئی۔

مغلیہ عہد کے آخری تاجداروں کے ادوار میں پاک پتن کو جغرافیائی اور سیاسی لحاظ سے کیوں نظر انداز کیا گیا؟ اس کا جواب کچھ یوں ہے کہ دور سلاطین میں دہلی پر تاتاریوں کے تمام حملے اس شاہراہ کے ذریعے ہوئے جن پر پاک پتن (اجودھن) واقع تھا۔ لہذا جغرافیائی اہمیت کے پیش نظر اس شاہراہ کو مکمل طور پر فوجی حملوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنا دور سلاطین کی حکومتی پالیسی کی اولین ترجیحات میں شامل تھا۔ (12) جبکہ اس دور میں تاتاریوں کے حملے نہ صرف مکمل طور پر ختم ہو چکے تھے۔ بلکہ خود مغل شہنشاہوں نے شمالی مغربی سرحدی حکمت عملی میں قندھار کی بازیابی وسط ایشاء کی تسخیر اور دکن کی ریاستوں کی فتح جیسی مہمات نے پاک پتن کو کلیتاً نظر انداز کیے جانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

اورنگ زیب کے عہد میں پاک پتن: اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں پاک پتن کے قریب ہانس قبیلہ کو شیخ قطب ہانس کی ذہانت و فراست کی بناء پر وسیع جاگیر عطا کی گئی ہانس اس علاقے کے معمولی زمیندار تھے۔ شیخ قطب ہانس ایک پڑھا لکھا عالم تھا (13) اورنگ زیب کے عہد میں دربار دہلی کے کسی امیر کے بیٹوں کا اتالیق مقرر ہوا یہیں سے اس نے اپنی شخصیت اور ذہانت کی بناء پر دربار کے اندر خاصا اثر و رسوخ حاصل ہوا۔ چنانچہ اورنگ زیب نے اسے 1663ء میں ایک سند اور کئی دیہاتوں پر مشتمل جاگیر تعلقہ قطب آباد کے نام سے عطا کی یہ علاقہ آج بھی قصبہ ملکہ ہانس کے جنوب میں پرانی سہاگ کے کنارے واقع ہے۔ سہاگ (14) کی وجہ سے آب رسانی اور قدرتی آب پاشی کی سہولت میسا تھی۔ لہذا شیخ قطب ہانس جلد ہی فصلوں کی بہتات کی بناء پر خوش حال ہو گیا۔ اس معاشی خوشحالی نے آہستہ آہستہ اس کے سیاسی اثر کو بڑھایا۔

ہانس جاگیر کا قیام: اورنگ زیب عالمگیر کی وفات 1707ء کے بعد جب مغلیہ سلطنت تیزی سے زوال پذیر ہوئی' مرکز گریز رجحانات پیدا ہوئے' سیاسی انتشار ہر سو پھیلا تو قطب ہانس کے جانشینوں میں محمد عظیم ہانس نے 1764ء میں اس علاقہ میں ہانس قبیلہ کی آزاد جاگیر پٹہ ہانساں کے نام پر اس علاقے میں ایک قصبہ آباد کیا جو آج بھی ملکہ ہانس کے نام سے مشہور

ہے۔ یہ قصبہ پاک پتن سے دس میل شمال کی طرف ساہیوال روڈ پر واقع ہے۔ (15)

بدامنی کا دور: یہ دور برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں بدامنی اور سیاسی ابتری کا دور تھا۔ مرہٹے شمالی ہندوستان پر قبضہ کے بعد پنجاب پر قبضہ کے خواہاں تھے۔ یہ لوگ متعصب ہندو تھے۔ دھرتی کو "ملیچھ" لوگوں یعنی مسلمانوں سے آزاد کرانے کا نعرہ لگا کر مسلمانوں پر شدید مظالم ڈھا رہے تھے۔ پنجاب احمد شاہ ابدالی کا علاقہ تھا۔ چنانچہ احمد شاہ ابدالی نے 1740ء یا 1767ء تک پنجاب پر متعدد حملے کیے اور مرہٹوں کی قوت کو پاش پاش کر دیا۔ ان حملوں سے پنجاب کے لوگ بے حد پریشان ہوئے ان دنوں لوگ اٹھتے بیٹھتے یہ شعر کہتے تھے۔ (16)

"کھادا پیتا لاہے دا۔ رہندا احمد شاہی دا"

اس عہد افتراق میں پاک پتن اور اس کے اردگرد کا علاقہ لاہور کے گورنر کے تابع تھا۔ مگر عملاً" یہاں کئی چھوٹی چھوٹی جاگیریں قائم ہو چکی تھیں جو آپس میں اتحاد کر کے لوٹ مار قتل و غارت اور کمزور جاگیر کو ہڑپ کرنے کی پالیسی پر گامزن تھیں۔ مرہٹوں اور احمد شاہ ابدالی کے بعد پاک پتن اور اس کے اردگرد کے علاقہ میں سکھ سرداروں کو کھلم کھلا بدامنی پھیلانے کا موقع ملا۔ انہوں نے کئی جنگی جتھے تیار کیے جن کو "مثل" کہتے ہیں۔ ان مثلوں کے ذریعے سکھوں نے اس علاقے میں سکھ راج کی کوششیں تیز کر دیں۔ (17)

سکھوں کی تخریبی سرگرمیاں: بھنگی اور نکا مثل نے 1767ء میں ہیرا سنگھ کی سرکردگی میں اتحاد کرتے ہوئے پاک پتن' ملکہ ہانس اور اس کے اردگرد لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ اس دوران ہانس قبیلہ سے اتحاد کرتے ہوئے سکھوں نے پاک پتن کے سجادہ نشین دیوان عبدالسبحان پر حملہ کر دیا۔ خوش قسمتی سے دریائے ستلج کے کنارے آباد وٹو قبائل نے دیوان عبدالسبحان کی بروقت مدد کی۔ سکھوں اور دیوان عبدالسبحان کے درمیان یہ لڑائی پرانی سہاگ کے کنارے بھومن شاہ کے نزدیک ہوئی۔ سکھوں اور ہانسوں کو اس لڑائی میں شکست ہوئی سکھوں کا سردار ہیرا سنگھ مارا گیا۔ (18) اس کے بعد اس کا بھتیجا نار سنگھ سکھوں کا سردار چنا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا رن سنگھ نکا مثل کا سردار بنا رن سنگھ نے مکاری سے کام لیتے ہوئے دوستی کی آڑ میں محمد عظیم ہانس کو قید کر لیا۔ محمد عظیم ہانس سکھوں کی قید ہی میں راہی ملک عدم ہوا۔

عظیم ہانس کے بعد اس کا بھائی محمد حیات قبیلہ کا سردار بنا۔ اس نے بھنگی مثل کے بھروال سنگھ سے اتحاد کرتے ہوئے پاک پتن کے سجادہ نشین پر حملہ کر کے زبردستی جاگیر چھین

لینے کا منصوبہ بنایا۔ بھروال سنگھ پاک پتن کے سجادہ نشین سے ٹکر نہیں لینا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے ٹال مٹول سے کام لینا شروع کر دیا جب حیات محمد ہانس کو بھروال سنگھ کی نیت کا علم ہوا تو اس نے اس علاقے کے ڈوگروں سے مدد مانگی۔ ڈوگروں اور ہانسوں نے مل کر پہلے نکاشل کے سکھوں کو اس علاقے سے باہر کیا اور اس علاقے میں بلا شرکت غیرے اپنا اقتدار قائم کیا۔ مگر اسی دوران نکاشل کی مائی جنداں کی منگنی بھنگی مشل کے سردار رنجیت سنگھ سے ہوئی۔ اب سکھوں نے مل کر اس علاقے کو تاراج کیا۔ محمد حیات ہانس سکھوں کی طاقت کے آگے نہ ٹھہر سکا بھاگ کر پاک پتن کے سجادہ نشین کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ (19) اب نکاشل کے سکھوں نے اس علاقہ پر اپنا قبضہ کر لیا۔ بعد میں جب رنجیت سنگھ مہاراجہ پنجاب بنا تو اس نے یہ علاقہ نکاشل سے اپنے قبضہ میں لے لیا اور یوں بھنگی مشل کے سکھ سرداروں نے اس علاقے میں اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

رنجیت سنگھ کی پاک پتن آمد: جھنگ کی فتح کے بعد 1803ء مہاراجہ رنجیت سنگھ قصبہ ساہیوال (منٹگمری) پر قبضے کے بعد پاک پتن پہنچا۔ (20) اس وقت دیوان محمد یار درگاہ حضرت بابا فریدؒ کے سجادہ نشین تھے۔ دیوان محمد یار نے رنجیت سنگھ کو شاندار گھوڑے اور جواہرات بطور تحفہ پیش کیے۔ مہاراجہ کا پاک پتن میں قیام کا اصل مقصد درگاہ پر اپنے آدمی مقرر کرنا تھا مگر سجادہ نشین کے حسن سلوک اور اطاعت مندی کے پیش نظر مہاراجہ نے گیارہ ہزار روپیہ سالانہ مقرر کر کے پاک پتن اور اس کے اردگرد کا علاقہ سجادہ نشین کے نام واگزار کر دیا۔ اور یوں مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں پنجاب کے دوسرے علاقوں کی نسبت حضرت بابا فریدؒ کی روحانی برکت سے پاک پتن اور اس کے اردگرد کا علاقہ سکھوں کی "سکھا شاہی" ظالمانہ کاروائیوں سے کافی حد تک محفوظ رہا۔

کھڑک سنگھ کی بغرض شکار پاک پتن میں آمد: رنجیت سنگھ کی موت کے بعد جب اس کا بیٹا کھڑک سنگھ پنجاب کا مہاراجہ بنا تو وہ بغرض شکار پاک پتن میں آیا۔ اس وقت دریائے ستلج پاک پتن سے پانچ میل بجانب جنوب بہتا تھا۔ دریائے ستلج کے بیٹ میں گھنا دریائی بیلہ تھا۔ کھڑک سنگھ جب اپنے مصاحبوں کے ہمراہ یہاں شکار کھیلنے کے لیے آیا تو یہاں پر آباد وٹو قبیلہ نے اسے ابلق گھوڑا پیش کیا۔ مہاراجہ کھڑک سنگھ نے خوش ہو کر انہیں "ملک" کا خطاب دیا اور اس علاقہ میں انہیں جاگیر عطا کی اس جاگیر پر اس وقت کے دو مواضعات "ملک رحموں اور ملک بہلول" آباد ہیں اور دونوں مواضعات کی چک تشخیص بیٹ

ہے اور آج پاک پتن کے قریب دریائے ستلج کے کنارے قصبہ ملک بہلول اس دور کی یاد دلا رہا ہے اور اس خطاب کی وجہ سے آج بھی وہاں کا وٹو قبیلہ "ملک" کہلاتا ہے۔ (21)

سید وارث شاہؒ کا نذرانہ عقیدت: سید وارث شاہؒ جنڈیالہ شیر خاں ضلع شیخوپورہ میں سید قطب شاہ کے ہاں 1140ھ میں پیدا ہوئے۔ جوان ہونے پر قصور ضلع لاہور چلے آئے۔ یہاں مولوی غلام مرتضیٰ اور مولوی غلام محی الدین قصوری سے تعلیم حاصل کی۔ اپنی ظاہری و باطنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ درگاہ حضرت بابا فریدؒ پاک پتن حاضر ہوئے۔ چونکہ یہ دور پنجاب کے اندر سیاسی افراتفری کا دور تھا لہٰذا جب آپ پاک پتن در فریدؒ پر حاضر ہوئے تو یہاں آپ کو بے حد روحانی سکون اور قلبی طمانیت محسوس ہوئی۔ اس کے پیش نظر آپ نے اس شہرہ آفاق شعر کی صورت میں حضرت بابا فریدؒ کو نذرانہ پیش کیا۔ (22)

مودود والا لاڈلا پیر چشتی شکر گنجؒ مسعود بھرپور ہے جی
خاندان وچ چشت دے کاملیت شہر فقیر واپٹن معمور ہے جی
بائیاں قطباں وچ ہے پیر کامل جس دی عاجزی زہد منظور ہے جی
شکر گنجؒ نے آن مقام کیتا دکھ درد پنجاب دا دور ہے جی

ملکہ ہانس کی تاریخی اہمیت: آستانہ عالیہ حضرت بابا فریدؒ پر حاضری کے بعد سید وارث شاہؒ نے پاک پتن کے نواحی قصبہ ملک ہانس کے محلہ ٹبہ کی مسجد کو اپنا مسکن بنایا۔ اس وقت مسجد کے امام و خطیب حافظ غلام مرتضیٰ المعروف میاں وڈا تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں سید وارث شاہؒ یہاں نماز پڑھا دیا کرتے اور فراغت میں مسجد کے زمین دوز حجرے میں "ہیر رانجھا" کی لوک داستان کو منظوم صورت میں تخلیق کرتے رہے جو "ہیر وارث شاہ" کے نام سے پنجابی زبان کا عظیم شاہکار اور انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اس لاثانی ابدی تخلیق پر اگر سید وارث شاہ کو پنجابی ادب کا شیکسپیئر کہا جائے تو قطعاً مبالغہ نہ ہو گا۔ (23)

قصبہ ملکہ ہانس میں آج بھی وہ قدیمی مسجد آپ کے مسکن کی بناء پر مسجد وارث شاہ کے نام سے موجود ہے۔ اور انجمن فریدیہ وارثیہ رجسٹرڈ کے زیر اہتمام مسجد کے جملہ امور سرانجام پا رہے ہیں۔ قصبہ ملکہ ہانس میں روحانیت سے معمور آپ کا حجرہ آج تک سیاحوں کے لیے پرکشش ہے۔ 1984ء میں بھارت کا سفیر "کے ڈی شرما" جب یہاں آیا تو انہوں نے ان الفاظ میں اپنے تاثرات بیان کیے۔

"میں نے بچپن میں کچھ عرصہ یہاں گزارہ ہے۔ مجھے حجرہ وارث شاہ دیکھتے ہی 1947ء

سے قبل کے واقعات آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے ہیں۔ مجھے یہاں آکر دلی مسرت ہوئی ہے اور اس لیے بھی بہت خوش ہوں کہ مسجد کی انتظامیہ نے حجرہ مبارک اور مسجد کے انتظام کو بہت اچھے انداز میں سنبھالا ہوا ہے" خود سید وارث شاہ نے بھی قصبہ ملکہ ہانس کا اس شعر کے ذریعے کچھ یوں ذکر کیا ہے۔ (24)

"کھرل ہانس دا ملک مشہور ملکہ جتھے شعر کیتا یاراں واسطے میں
کئی شاعراں پکیاں جھوکیاں نے غلہ بیٹھیا وچ کھراس دے میں
پڑھن گھبرو دیس وچ خوش ہو کے پھل میچا واسطے باس دے میں"

ہیر وارث شاہ کی تکمیل کے بعد آپ واپس اپنے دیس جنڈیالہ شیر خان تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کا 1798ء میں وصال ہوا۔ آپ کا مزار مبارک بھی اسی گاؤں میں ہے۔ جہاں ساون کی 8، 9 تاریخ کو آپ کا عرس بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس طرح قصبہ ملکہ ہانس کے باسی بھی ہر سال انجمن وارث رجسٹرڈ کے زیر اہتمام یہاں جشن وارث مناتے ہوئے موسیقی کی محفلوں میں آپ کا صوفیانہ عشقیہ کلام مخصوص ولدوز اور دل پذیر انداز میں پڑھتے ہیں۔ مسجد وارث شاہ کے علاوہ ملکہ ہانس میں چند اور تاریخی اہمیت کی حامل عمارات ہیں۔ جن میں حضرت مالن شاہ' سید مہر علیشاہ' اور پیر حاجی دیوان صاحب کے مزارات کے علاوہ مسجد بابا بلھے شاہ قابل دید ہیں۔ اندرون شہر سادھی سکھاں اور پرنامی مندر اس علاقے کی ہندو مذہبی تاریخ میں بہت مشہور رہا۔ یہ مندر پرنامی فرقہ کے ہندوؤں کی مرکزی عبادت گاہ تھی جسے مہنت دربار سنگھ نے آج سے دو سو سال قبل تعمیر کروایا۔ یہ مندر ایک محل نما عظیم الشان پانچ منزلہ عمارت پر مشتمل تھا۔ سنگ مرمر اور لال پتھر سے بنی ہوئی یہ عمارت ہندو فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔ یہ مندر تمام ہندوستان کے پرنامی فرقہ کا مقدس ترین مقام تھا۔ اس فرقہ کے بانی دیارام کی سادھی بھی یہاں موجود ہے۔ جس کی یاترا کے لیے ہندوستان کے پرنامی فرقہ کے لوگ ہر سال بڑی عقیدت سے یہاں آتے تھے اور اپنی شادی وغیرہ کی رسومات ادا کرتے ہوئے لاکھوں روپیہ یہاں پجاریوں کو دے جاتے تھے۔

قیام پاکستان سے قبل یہاں چیت کے مہینے میں ایک بڑا ہندو میلہ لگتا تھا۔ 1984ء میں بھارت کے وزیر اطلاعات و نشریات مسٹر ہرکرشن لال بھگت مندر کی یاترا کے لیے ملکہ ہانس آئے۔

اس مندر کے علاوہ ہندوؤں کے پرنامی فرقہ کے مذہبی پیشوا مہاراج گوبند داس نے ملکہ

ہانس میں پرنامی ہائی سکول قائم کر رکھا تھا سکول کے اخراجات پورے کرنے کے لیے سینکڑوں ایکڑ رقبہ وقف تھا جو اب ہندو اوقاف کی تحویل میں ہے۔ 1947ء سے قبل یہ ایک صاف ستھرا خوبصورت اور دلکش قصبہ تھا۔ یہاں پر آبادی کا بیشتر حصہ ہندوؤں پر مشتمل تھا۔ لالہ بھگوان داس ذیلدار' لالہ موہری رام نمبردار' لالہ ہردیال چند' لالہ یا لمکند' یہاں کے صاحب ثروت با اثر اور نامور زمیندار تھے۔ جبکہ میاں الہی بخش ہانس یہاں کے بہت بڑے با اثر مسلمان ذیلدار تھے۔ قیام پاکستان کے بعد ہندوؤں کے متروکہ خوبصورت مکانات رحمانی برادری کے مہاجرین کو الاٹ ہوئے۔ جنھوں نے ان عمارات اور قصبہ کے مجموعی حسن کو رفتہ رفتہ ضائع کر دیا اور یوں اس قصبہ کا قدرتی حسن قصہ پارینہ بن چکا ہے۔

اس وقت ملکہ ہانس میں لڑکیوں کا ہائی سکول اور ہائر سیکنڈری سکول فار بوائز ہے۔ اب یہاں ٹاؤن کمیٹی قائم ہو چکی ہے ملکہ ہانس کی سیاسی تاریخ میں ہانس قبیلہ کو شروع سے ہی اہمیت حاصل رہی ہے۔

یاد رہے کہ قیام پاکستان 1947ء کے وقت ملکہ ہانس کے ہندو ذیلدار لالہ بھگوان داس اور ان کا بھائی لالہ یا لمکند مشرف بہ اسلام ہوئے لالہ بھگوان داس کے چار بیٹے تھے وہ بھی دولت اسلام سے مالا مال ہوئے لالہ بھگوان داس کے چاروں بیٹے جن کے ہندو نام چمن لال' دیال چند' ہری چند اور کشن چند تھے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلامی نام چمن لال سے علی بہادر' دیال چند سے غلام عباس' ہری چند سے ممتاز حسین اور کشن چند سے اختر حسین رکھے گئے۔

میاں محمد نواز شریف جب 1988ء میں پنجاب کے وزیراعلیٰ بنے تو اس دور میں یہی چوہدری ممتاز حسین پنجاب کے وزیر خزانہ اور وزیر تعلیم مقرر ہوئے بطور وزیر تعلیم انہوں نے سکول' کالج' یونیورسٹی کی سطح اور پیشہ ورانہ اداروں میں میرٹ پالیسی پر سختی سے عمل کروایا۔ تعلیمی اداروں میں میرٹ کو ہی بنیاد بنایا گیا۔ سیاسی مداخلت سے کسی حد تک تعلیمی ادارے محفوظ رہے' بے جا تبادلوں سے اجتناب کیا گیا۔ بطور وزیر خزانہ چوہدری ممتاز حسین نے دیانت داری کا اعلیٰ معیار قائم کیا پاک پتن کے غریب ملازمین کو مکانات کی تعمیر کے لیے قرضے دیئے گئے چوہدری ممتاز حسین لاء گریجوایٹ ہیں پاک پتن کے قریب موضع ہری پور ان کی ملکیت ہے خود ساہیوال میں رہائش پذیر ہیں جبکہ ان کے چھوٹے بھائی چوہدری اختر حسین ڈسٹرکٹ کونسل پاک پتن کے ممبر رہے' سماجی کارکن ہیں سادگی اور خلوص سے سماجی

خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

حوالہ جات

(1) تاریخ فرشتہ جلد اول صفحہ نمبر540

(2) منٹگمری گزٹ 1966 صفحہ نمبر502

(3) ایضاً

(4) تاریخ پاکستان صفحہ نمبر51 اسٹیٹ بک بورڈ پنجاب

(5) اسٹیٹ گزیٹیر صفحہ نمبر486

(6) ایضاً صفحہ نمبر487

(7) دربار اکبری صفحہ نمبر10 از مولانا محمد حسین آزاد مرحوم

(8) اخبار الاخیار صفحہ نمبر53

(9) شیخ الشیوخ عالم صفحہ نمبر194

(10) تاریخ فرشتہ صفحہ نمبر189

(11) تجدید و احیائے دین از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صفحہ نمبر88

(12) ملتان دہلی روڈ

(13) اسٹیٹ گزیٹیر منٹگمری گزٹ صفحہ نمبر533

(14) دریائے بیاس کی ایک شاخ ساک

(15) روزنامہ امروز دسمبر1974ء اشاعت خاص ملتان

(16) اسٹیٹ گزیٹیر صفحہ نمبر490

(17) ایک ہی قبیلے کے افراد پر مشتمل ہوتی قبیلے کا سردار خیل ہوتا تھا

(18) اسٹیٹ گزیٹیر صفحہ نمبر491

(19) ایضاً

(20) تاریخ پنجاب از کنیا لعل صفحہ نمبر380

(21) غیر مطبوعہ تاریخی ریکارڈ از ملک اللہ دتہ مرحوم

(22) ہیر وارث شاہؒ بحوالہ روزنامہ مشرق 20 جولائی 1989ء بابا فرید ایڈیشن

(23) غیر مطبوعہ ریکارڈ از مولانا محمد سلطان طاہر الفریدی

(24) ہیر وارث شاہؒ

حصہ چہارم

فرنگی دور

1857ء تا 1947ء

فرنگی دور کا آغاز

فرنگی دور میں پاک پتن : مہاراجہ رنجیت سنگھ کی موت کے بعد پنجاب کی سکھ حکومت تیزی سے زوال پذیر ہوئی۔ سکھوں کی باہمی آویزش رعایا پر سکھوں کا ظلم و ستم اور سکھ حکمرانوں کی نا اہلی سے انگریزوں نے فائدہ اٹھاتے ہوئے 1849ء میں پنجاب پر قبضہ کر لیا(1) اور یوں یہ تمام علاقہ اور دریائے ستلج کے پار کی سات ریاستیں (نابھہ' پٹیالہ' انبالہ' ملیرکوٹ' فیروز پور' کپور تھلہ) سرکار برطانیہ کا حصہ بن گئیں۔ انگریز نے اپنے مفادات کے تحفظ اور بہتر انتظام و انصرام کے لیے اس علاقے کی از سر نو ضلع بندی کرتے ہوئے دریائے ستلج اور دریائے راوی کے درمیانی علاقہ کو باقاعدہ ضلع کا درجہ دے کر پاک پتن کو ضلعی صدر مقام بنا دیا (2) پھر انگریزوں نے اپنے ذاتی مفادات کے پیش نظر 1852ء میں پاک پتن کی ضلعی حیثیت کو ختم کرتے ہوئے گوگیرہ (اوکاڑہ نزدیک) کو ضلعی صدر مقام کا درجہ دیا اور ساتھ ہی 1853ء میں ضلع لاہور کے بیس دیہات بھی ضلع گوگیرہ کے ساتھ منسلک کر دیے۔ پھر 1857ء میں ضلع گوگیرہ رائے احمد خان کھرل کی سرکردگی میں انگریزوں کے خلاف مجاہدین کا مرکز و محور بنا اور انگریزوں کے خلاف جذبہ حریت کی وہ انمٹ داستان رقم کی جس کی شہادت تاریخ کے اوراق تاابد دینے پر مجبور ہیں۔

جنگ آزادی 1857ء میں پاک پتن کا کردار : جنگ آزادی 1857ء ہماری قومی تاریخ میں ملی اقتدار کے احیاء کا ایک روشن باب ہے۔ جذبہ حریت کی قابل قدر داستان ہے۔

یہ جنگ ان عظیم سرفروش مجاہدین کی عظمت کی دلیل ہے۔ جنہوں نے ناساعد حالات' وسائل کی کمی اور اپنوں کی غداری کے باوجود اپنے ملک کو مکار انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔ اگر ان عظیم سپوتوں کی یہ کوشش کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی تو یقیناً" اسے شاندار انقلاب سے موسوم کیا جاتا مگر بدقسمتی سے آزادی کی یہ تحریک اپنوں کی کج فہمی' ملت فروشی' سیاسی بے شعوری اور مفاد پرستی کی بناء پر ناکام ہو گئی۔

انگریزوں نے تاریخی تعصب سے کام لیتے ہوئے ان حریت پسندوں کو ڈاکو' لٹیرے اور باغی قرار دیا جو سراسر تاریخی بددیانتی ہے۔ اگرچہ اس جنگ کی ابتداء میرٹھ کی فوجی

چھاؤنی سے ہوئی مگر اس کی بازگشت بہت جلد پورے ہندوستان میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی مختلف حریت پسندوں نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے سرفروشانہ کاروائیوں کا آغاز کیا تو ایسے میں ضلع گوگیرہ اور پاک پتن کے چند حریت پسند قبائل رائے احمد خاں کھرل کی سرکردگی میں اپنے مادرِ وطن کا قرض ادا کرنے کے لیے میدانِ عمل میں اترے۔

رائے احمد خاں کھرل کی قیادت : رائے احمد خاں کھرل نے دریائے راوی کے حریت پسند قبائل کو انگریزوں کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا (3) دوسری طرف دریائے ستلج کے تقریباً تمام قبائل خاموش رہے صرف پاک پتن سے جوئیہ خاندان رائے احمد خاں کا ہمنوا بنا۔ ان حالات کے پیش نظر گوگیرہ کے ڈپٹی کمشنر مسٹر الفنسٹن نے "احمد خاں" کی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا اور ملت فروش افراد کو اپنا ساتھی بنانا شروع کر دیا پاک پتن سے کھیم سنگھ' سمپورن سنگھ' ماچھی سنگھ' پیر گلاب علی چشتی اور درگاہ حضرت بابا فریدؒ کے سجادہ نشینوں کے اسماءِ گرامی تاریخ میں انگریزوں کے ہمنوا ساتھیوں کی حیثیت میں رقم ہیں۔

انگریزوں نے وقتی طور پر حالات کو ظاہراً کنٹرول کر لیا مگر رائے احمد خاں کھرل نے بھی اپنی حریت پسندانہ سرگرمیوں کو پوشیدہ طور پر جاری رکھا (4) بالآخر 8ر جولائی 1857ء میں پاک پتن کے ایک گاؤں "دلکھوکا" سے جنگ آزادی کی ابتداء ہوئی۔ وہاں جوئیہ خاندان نے انگریز حکومت کو لگان دینے سے انکار کر دیا مگر انگریزوں نے اپنی مکارانہ چالوں سے بہت جلد حالات پر قابو پا لیا۔

26ر جولائی 1857ء کو رائے احمد خاں نے اپنے مجاہد ساتھیوں کی مدد سے گوگیرہ جیل توڑ دی۔ جس پر حریت پسندوں اور فرنگی فوج میں باقاعدہ جنگ کا آغاز ہوا۔ اس جنگ میں 50 آدمی لقمہ اجل بنے' احمد خاں کھرل روپوش ہو گئے۔ پھر انگریزوں نے دریائے راوی اور ستلج کے کنارے آباد قبائل کے سرداروں کو گوگیرہ بلا کر سختی سے یہ ہدایت کی کہ وہ خاص اجازت کے بغیر اپنے علاقہ کو نہ چھوڑیں۔ نتیجہ کے طور پر مقامی سرداروں کا آپس میں رابطہ کٹ گیا۔

دسمبر 1857ء کو انگریزوں نے اس علاقے کے تمام سرداروں کو کمالیہ بلایا۔ مگر رات کی تاریکی میں احمد خاں کھرل نے آزادی کی شمع روشن کی۔ تمام سرداروں کو ملی

غیرت دلائی کہ وہ اجلاس کا بائیکاٹ کریں۔ آزادی کے اس نامور سپوت کے الفاظ نے ان سرداروں کے دلوں پر گہرا اثر کیا اور وہ رات کی تاریکی میں کمالیہ سے اپنے اپنے گاؤں چلے آئے۔ اب ان سرداروں نے لوگوں کو انگریزوں کے خلاف منظم جنگ لڑنے کی دعوت دینا شروع کر دی۔

حریت پسندوں کے خلاف سازش : کمالیہ کے سردار سرفراز کھرل کو احمد خاں کھرل سے ذاتی رقابت تھی لہٰذا ذاتی رقابت ملت فروشی کا موجب بنی۔ اس نے غداری کرتے ہوئے اجلاس کی تمام کاروائی انگریزوں کے گوش گزار کر دی۔ جس پر ڈپٹی کمشنر الفنسٹن نے ملتان کے کمشنر کو اطلاع دیتے ہوئے ہڑپہ کے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مسٹر برکلے کو بیس سواروں کے ساتھ احمد خاں کھرل کی گرفتاری کے لیے روانہ کیا۔ (5)

محمد پور کے مردانوں نے فرنگی پیامبر کو روک لیا اور دوسری طرف احمد خاں کھرل جس کے ساتھ بھاری جمعیت تھی۔ مسٹر برکلے کو واضح طور پر جتا دیا کہ وہ دہلی کے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا وفادار ہے اور وہ انگریزوں کی غلامی ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ برکلے نامراد واپس پہنچا اور اس نے ڈپٹی کمشنر کو تمام واقعہ کی اطلاع دی چنانچہ ڈپٹی کمشنر خود برکلے کے ساتھ رائے احمد خاں کی سرکوبی کے لیے چل پڑا۔

رائے احمد خاں کھرل اپنے گاؤں جھامرہ میں موجود نہ تھے ڈپٹی کمشنر نے جھامرہ کو نذر آتش کرنے کا حکم دیا۔ اس گاؤں کے بہت سے آدمی بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ رائے احمد خاں کھرل نے اب دریائے ستلج پر آباد وٹو قبائل سے امداد طلب کی مگر اسی دوران لاہور سے سکھوں کی بٹالین انگریزوں کی مدد کے لیے گوگیرہ پہنچ گئی۔

احمد خاں کھرل کی شہادت : ڈپٹی کمشنر الفنسٹن کو اطلاع ملی کہ احمد خاں کھرل اور اس کے ساتھی گوگیرہ سے چھ میل دور کشکوری کے جنگل میں چھپے ہوئے ہیں لہٰذا کیپٹن بلیک اور لیفٹیننٹ جنر ایک رسالے کے ساتھ فوراً جنگل میں پہنچے حریت پسندوں نے بھاگنے کی بجائے شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھائے اور انگریز رسالے کو پیچھے بھگا دیا (6) انگریزوں کے بیس سپاہی جہنم واصل ہوئے۔ آزادی کی اس جنگ میں رائے احمد خاں کھرل اور سارنگ کھرل نے جام شہادت نوش کیا۔ اسی دوران مسٹر برکلے کو حریت پسندوں نے دریائے راوی کے نزدیک قصبہ "کوڑے شاہ" میں روک کر اسے اور اس کے پچاس ساتھیوں کو ہلاک کر دیا۔ مسٹر برکلے فتیانہ قبیلے کے جوان "مراد" کے

ہاتھوں ہلاک ہوا۔ اس کے بعد انگریزوں نے پوری طاقت کے ساتھ حریت پسندوں کے دیہاتوں پر توپوں کے دہانے کھول دیئے فتیانوں' مردانوں' . تھکیلوں' کھرلوں' جوئیوں کے آدمی چن چن کر شہید کیے جاتے رہے۔ یہ سلسلہ 14ر اکتوبر 1857ء تک جاری رہا۔ سینکڑوں افراد کو ضلع بدر کیا گیا اور بعض کو جزائر انڈیمان شرق الہند المعروف "کالے پانی" کی سزا تجویز ہوئی۔

ناکامی کے اسباب : آزادی و حریت کا یہ باب اپنوں کی طمع نفسانی اور غداری کی بناء پر مکمل نہ ہو سکا۔ رائے سرفراز خاں کی مخبری۔ صادق محمد خاں کی غداری' دھاڑا سنگھ کی شقاوت قلبی' کھیم سنگھ' سمپورن سنگھ' کنارام' جیوے خاں' سردار شاہ' مراد شاہ' ماچھی سنگھ' پیر گلاب علی چشتی نے 1857ء کی جنگ آزادی میں اس علاقے سے انگریزوں کا پورا پورا ساتھ دیا۔

پاک پتن کے سجادہ نشین اور مسلم سرداروں نے مجاہدین کی بجائے انگریزوں کی ہم نوائی کی اس لیے 1857ء میں انگریز فتح یاب ہوئے جنگ کے بعد انگریزوں نے اپنے "وفادار" ساتھیوں کو خطاب' خلعت' منصب' پراونشل درباری' حدیں اور وسیع جاگیریں عطا کیں اور اسی طرح انگریزوں نے اپنے پٹھو جاگیرداروں کی وساطت سے اس علاقے میں اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کی راہیں ہموار کر لیں۔ جن کا تذکرہ خود انگریزوں نے ان الفاظ میں کیا۔

> "وہ خاندان جنہوں نے 1857ء میں تاج برطانیہ کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ انہیں اب اس ضلع کی عوامی زندگی میں بہت نمایاں مقام حاصل ہے" (8)

ضلع منٹگمری کا قیام : 1857ء کی جنگ کے بعد انگریزوں نے اپنی انتظامی سہولت اور مجاہدین کے خوف سے گوگیرہ کی بجائے 1856ء میں ملتان اور لاہور کے درمیان ساہیوال قصبہ کو ضلع کا درجہ دے کر سر آر منٹگمری کے نام پر نئے ضلع کا نام منٹگمری رکھا (9) اس وقت ضلع منٹگمری کو پانچ تحصیلوں میں تقسیم کیا گیا۔

(1) گوگیرہ (2) سید والا (3) حجرہ (4) پاک پتن (5) اور ہڑپہ بعد میں سید والا اور ہڑپہ کی تحصیلی حیثیت ختم کر دی گئی۔ پھر 1871ء میں گوگیرہ کی تحصیلی

حالت ختم کرتے ہوئے اوکاڑہ کو تحصیلی صدر مقام کا درجہ دیا اور حجرہ کا تحصیلی ہیڈ کواٹر دیپالپور منتقل کر دیا اور ضلع منٹگمری چار تحصیلوں پر مشتمل ہوا جن کے نام یہ ہیں پاک پتن' دیپالپور' اوکاڑہ اور منٹگمری۔ (10)

سہاگ پاڑا سکیم : سہاگ پاڑا سکیم سے قبل سب ڈویژن پاک پتن میں آبپاشی کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا۔ دریائے ستلج سے نکلنے والے قدرتی ندی نالے اور کنویں ہی آبپاشی کا سب سے بڑا ذریعہ تھے۔

جنگ عظیم اول اور دوئم کے دوران انگریزوں نے نیلی بار (11) کو آباد کرنے پر توجہ دی۔ چنانچہ 1886ء میں سہاگ پاڑا آباد کاری سکیم شروع ہو گئی اس سکیم پر عمل کرتے ہوئے فیروز پور میں گنڈا سنگھ کے مقام پر دریائے ستلج پر بند باندھا گیا اور اس بند سے اہم نہر دیپالپور نکالی گئی آباد کاری کی اس سکیم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے انگریزوں نے ضلع لاہور اور امرتسر کے ارائیں' جاٹ' کمبوہ اور سکھ کاشتکاروں کو اس علاقے میں چاہ سکیم پر رقبہ جات الاٹ کیے۔

پھر انگریزوں نے نہر دیپالپور سے لوئر سہاگ برانچ نکالی جو گرد چک سے ہوتی ہوئی گرونہ ہیڈ ورکس پر تین راجباؤں میں منقسم ہو جاتی ہے ان نہروں سے جن دیہاتوں کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ ان کو سہاگ پاڑا کے نام سے ایس پی لکھا گیا۔

اس وقت اس سکیم کے تحت 241' 241 ایکڑ رقبہ زیر کاشت لایا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان اور بھارت کے مابین نہری پانی کا تنازعہ شروع ہوا (12) بھارت جب چاہتا ہیڈ گنڈا سنگھ سے اس نہر میں وافر پانی چھوڑ کر اس علاقے میں سیلاب کی کیفیت پیدا کر دی جاتی۔ آخر کار 1960ء میں "سندھ طاس" معاہدہ کے تحت منگلاڈیم تعمیر کیا گیا تو چوکی نہر بلوکی سلیمانکی لنک کے ذریعے تاحال سہاگ پاڑا کو نہایت کامیابی سے جاری رکھا گیا ہے۔

نیلی بار آباد کاری : 1926ء میں انگریزوں نے سلیمانکی کے مقام پر دریائے ستلج پر ہیڈ سلیمانکی تعمیر کیا اور نیلی بار آباد کاری عمل میں آئی۔ سہاگ پاڑا اسکیم بھی اسی انتظامیہ کے تحت دے دی گئی (13) اس اسکیم کے تحت سلیمانکی ہیڈ ورکس سے اہم نہر پاک پتن نکالی گئی جو دریائے ستلج کے دائیں کنارے سے نکلتی ہے۔ پھر اس نہر سے کمہاری والا کے مقام پر "کھادر برانچ" نکالی گئی۔

انگریزوں نے 1927ء میں نیلی بار آباد کاری کے مرکزی دفاتر پاک پتن میں قائم کیے۔ منڈی ہیرا سنگھ سے شجاع آباد اور لودھراں تک کا علاقہ آباد کاری کا صدر مقام پاک پتن تھا۔ کالونی آفیسر جو ڈپٹی کمشنر کے عہدے سے سینیئر ہوتا اس ہیڈ آفس کا انچارج اور پاکپتن میں ہی رہتا تھا۔

نیلی بار آباد کاری سے متعلقہ مسائل کے حل کے لیے لوگوں کو دور دور سے پاک پتن آنا پڑتا لہٰذا انگریزوں نے ان کے قیام کے لیے ریلوے اسٹیشن کے قریب عوامی سرائے تعمیر کی۔ اب یہ سرائے پاک پتن تحصیل کا صدر مقام ہے نیلی بار آباد کاری سے پاک پتن کی معاشی اور معاشرتی زندگی میں خاصی مثبت تبدیلی پیدا ہوئی اس سکیم سے قبل بڑے بڑے جاگیر دار' ہندو بنیوں کے مقروض تھے' چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کی معاشی حالت تو ناگفتہ بہ تھی۔ آب پاشی کی سہولتیں جاگیرداروں کے لیے معاشی آسودگی کا باعث بنیں اور چھوٹے چھوٹے مسلم کاشتکار بھی "چاندی کے روپوں" کی شکل دیکھنے کے قابل ہو گئے۔ مزید دوسرے اضلاع سے آنے والے آباد کاروں نے یہاں کے مقامی لوگوں کو بہتر طریقہ کاشت اور بہتر طرز زندگی روشناس کروایا(14) جو پاک پتن کی معاشرتی زندگی میں تدریجی تبدیلی کا باعث بنا۔

انتظامی ادارے : اس دور میں پاک پتن ضلع منٹگمری کی ایک نمائندہ تحصیل تھی سب ڈویژن کا سب سے بڑا انتظامی آفیسر سب ڈویژنل مجسٹریٹ کی عدالت اور رہائش پاک پتن میں ہی تھی (15) انگریزوں کے ابتدائی دور میں یہ عدالت آج کے صدر تھانہ میں قائم تھی جس میں سب ڈویژنل آفیسرز کورٹ اور سب سول جج کی عدالت یہاں موجود تھی جس میں سب ڈویژن پاک پتن اور تحصیل دیپالپور کے دیوانی مقدمات کی باقاعدہ سماعت کی جاتی ان دنوں یہ عدالت محلہ کرم پور میں واقع تھی۔ بعد میں یہ عمارت میاں محمد عیسیٰ اور میاں محمد موسیٰ نے قیمتاً خرید لی۔ انگریزوں نے اپنی سہولت کے لیے یہاں ریسٹ ہاؤس بھی تعمیر کیا۔

میونسپل کمیٹی کا قیام : تحصیل پاک پتن کی وسعت کے پیش نظر انگریزوں نے 1868ء میں یہاں ٹاؤن کمیٹی کی بجائے میونسپل کمیٹی قائم کی اور ابتدائی طور پر یہ کمیٹی نو ممبران پر مشتمل تھی۔ کمیٹی کا ممبر بننے کے لیے یہاں کے سجادہ نشینوں کی آشیرباد حاصل کرنا ضروری تھا (16) علاوہ ازیں ہندوؤں کی مختلف مذہبی تنظیمیں مثلاً "آریہ سماج"

بیرول وغیرہ بھی میونسپل کمیٹی پاک پتن میں نمائندگی حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ سرگرم رہیں یہ بات قابل ذکر کہ

"جن دنوں میونسپل کمیٹی کے اندر مسلمانوں اور ہندوؤں کی نشستیں برابر تھیں سید محمد شاہ ایڈووکیٹ کی کوششوں سے میونسپل کمیٹی کے اندر مسلمانوں کو ایک زائد نشست ملی جس کا باقاعدہ اعلان اس وقت کے وزیر سر چھوٹو رام نے کیا"۔ (17)

تعلیمی ادارے : قیام پاکستان سے قبل پاک پتن میں سناتن دھرم ہائی سکول اور آریہ سماج ہائی سکول ہندوؤں کے قوم پرست تعلیمی ادارے قائم تھے تاہم میونسپل کمیٹی پاک پتن نے 1895ء اپنے قیام کے فوراً بعد درگاہ حضرت بابا فریدؒ کے نزدیک ایک پرائمری سکول قائم کیا۔ انگریز دور میں ہندو تعلیم کی طرف خاصے راغب تھے جبکہ ان دنوں مسلمانوں میں تعلیم ناپید تھی۔ مسلمان گھرانوں میں خال خال پرائمری پاس مسلمان ملتے تھے البتہ اس پرائمری سکول نے مقامی مسلم آبادی کو تعلیم کی طرف رغبت دلائی جو وقت کے ساتھ ساتھ حصول علم کی لگن میں تبدیل ہو گئی۔

اس عہد میں مولوی جلال دین (18) مولوی اللہ داد (19) مولوی عبدالحق (20) شیخ عطا محمد' قاضی طالب علی (21) مولوی محمد شریف (22) مولوی مولا بخش (23) اور مولوی قمردین اس ادارے کے مسلم معلمین تھے ان کا زہد و اتقاء' ان کی مخلصانہ تعلیمی کاوشیں اور ان کے ملی درد سے لبریز طریقہ تدریس نے یہاں کی مسلم آبادی کے ہر گھر کو علمی فیض سے فیض یاب کیا۔ اس علاقے میں ان عظیم ہستیوں کی تعلیمی خدمات نا قابل فراموش ہیں سچ تو یہ ہے کہ پاک پتن کی تمام مقامی نسلیں ان کی زیر احسان ہیں کیونکہ یہ ان کا فیضان تھا کہ آنے والے وقتوں میں یہ علاقہ علم کے نور سے جگمگا اٹھا انگریزوں نے 1902ء میں پاک پتن کے اندر گورنمنٹ ہائی سکول قائم کیا پاک پتن کی تاریخ میں یہ تعلیمی ادارہ کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اپنے قیام سے آج تک پاک پتن کی تمام نسلیں اس کے در و بام سے فیض یاب ہو کر قومی خدمت میں مصروف ہیں۔

تحریک پاکستان کے دوران اس عظیم ادارے سے فارغ التحصیل طلباء نے اس علاقے میں قیام پاکستان کی راہیں ہموار کیں۔ اس ادارے کے طلباء تحریک پاکستان کا ہراول دستہ بنے اور یوں یہ ادارہ پاک پتن کا "علی گڑھ" ثابت ہوا۔

پی ڈی ایف کی حکومت کے دوران جب میاں عطا محمد خاں مانیکا صوبائی وزیر تعلیم بنے تو انھوں نے اپنی طرف سے اس سکول کو نوازتے ہوئے خود مختار ادارے کا درجہ دلوا دیا اور یوں خود مختاری کی صورت میں آنے والے وقتوں میں یہاں کی آبادی کی غالب اکثریت اس سکول میں بھاری فیسوں کی بناء پر تعلیم حاصل کرنے سے قاصر رہے گی۔ اب سکول کی خود مختاری کو ختم کروانے کے لیے یہاں کے عوام سراپا احتجاج ہیں۔

ریلوے اسٹیشن کا قیام : پاک پتن کا تجارتی لحاظ سے منٹگمری آباد شہر سے بڑا تعلق رہا ہے۔ اس علاقے کا مال تجارت، اجناس خوردنی وغیرہ پاک پتن کے ماچھی اپنے خچروں پر لاد کر منٹگمری آباد لے جاتے تھے اور پھر وہاں سے بذریعہ ریل یہ مال دہلی جاتا تھا یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس علاقے میں سب سے پہلے بہاولپور میں ریلوے کا اجراء ہوا تھا جس کی وجہ سے منٹگمری آباد اور قرب و جوار کا سامان تجارت بذریعہ ریلوے لائن ہندوستان کے دوسرے علاقوں کو روانہ کیا جاتا تھا۔ (24)

انگریزوں نے 1910ء میں ساؤتھ "پنجاب ستلج ویلی" کے تحت قصور سے لودھراں تک ریلوے لائن بچھائی اور پاک پتن کو اس لائن پر ریلوے ڈویژن کا ہیڈ کوارٹر مقرر کرتے ہوئے یہاں لوکوشیڈ بھی تعمیر کی جس میں اسٹیم انجنوں کی مرمت کا مکمل انتظام تھا۔

ریلوے اسٹیشن کے قریب ریلوے ریسٹ ہاؤس دفاتر اور افسران کے لیے وسیع و عریض بنگلے تعمیر کیے گئے۔ ریلوے اسٹیشن کے قیام سے پاک پتن کی اقتصادی حالت میں خاصی ترقی ہوئی ریل کے ذریعے پاک پتن براہ راست ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں سے منسلک ہو چکا تھا (25) لہٰذا اسٹیشن کے قریب منڈی بنائی گئی۔ یہ منڈی اجناس کی خرید و فروخت کا بہت بڑا مرکز تھی مزید قیام پاکستان سے قبل پاک پتن میں سونے چاندی کی بھی مشہور صرافہ مارکیٹ تھی جو ریل کے ذریعے ملتان اور امرتسر کی صرافہ مارکیٹ سے منسلک ہو گئی۔

قیام پاکستان سے قبل غلہ منڈی کا جملہ کاروبار ہندو بنیوں کے ہاتھوں میں تھا اور یہاں کی تجارت میں مسلمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہ تھے مگر جہاں تک صرافہ مارکیٹ کا تعلق تھا۔ ہندو ساہو کاروں اور زرگروں کی طرح یہاں کے مسلمان راجپوت صرافوں کی معاشی حالت بھی خاصی مستحکم تھی۔ مسلمان راجپوتوں صرافوں کی پاک پتن

کے مختلف مواضعات میں رقبہ جات تھے۔ ان مواضعات میں موضع گھوڑیا لوالہ قابل ذکر ہے جو نقشہ پاک پتن میں واضح دکھایا گیا ہے اس دور میں امریکن عیسائی مشن کے زیر اہتمام منٹگمری روڈ اور ریلوے پھاٹک کے قریب گرجا گھر تعمیر کیا گیا۔

ہسپتال کا قیام : انگریزوں نے لوگوں کو طبی سہولتوں کی فراہمی کے لیے یہاں سول ہسپتال قائم کیا آجکل اس ہسپتال کی عمارت میں ٹی بی ہسپتال دفتر ڈی ایچ او سی آئی سٹاف اور سرکل انسپکٹر انٹی کرپشن کے دفاتر قائم ہیں پھر اس عہد میں شفاخانہ حیوانات بھی قائم ہوا۔ جو اب بھی اپنی ٹوٹی پھوٹی عمارت کے ساتھ عہد رفتہ کی یاد دلاتا ہے۔

دیوان سید محمد کا زمانہ سجادگی : 1889ء میں دیوان اللہ جوایا کی وفات کے بعد خاندان چشت میں گدی نشینی کے حصول کے لیے مقدمہ بازی شروع ہوئی۔ دیوان اللہ جوایا کی نرینہ اولاد نہ تھی جس کی وجہ سے ان کے حقیقی چچا عبدالرحمان گدی نشین ہوئے جس پر دیوان اللہ جوایا کے حقیقی نواسے سید محمد چشتی نے گدی نشینی کے حصول کے لیے مقدمہ دائر کر دیا (26) چار سال کی عدالتی کاروائی کے بعد انہیں عدالت نے جائز وارث قرار دیتے ہوئے درگاہ حضرت بابا فریدؒ کا گدی نشین بنا دیا۔ بعد ازاں دیوان عبدالرحمان نے چیف کورٹ میں اپیل دائر کر دی چیف کورٹ نے اپیل منظور کرتے ہوئے انہیں دوبارہ گدی نشین بنا دیا۔ اب دیوان سید محمد چشتی نے پریوی کونسل میں اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر دی۔ پریوی کونسل کے فیصلے سے قبل ہی دیوان عبدالرحمان وفات پاگئے اور ان کی وفات کے بعد ان کے خلف الرشید دیوان فتح محمد موروثی طور پر گدی نشین ہوئے مگر پریوی کونسل نے دیوان سید محمد کی اپیل منظور کرتے ہوئے انہیں درگاہ حضرت بابا فریدؒ کا سجادہ اور گدی نشین قرار دیا۔ اس طرح دیوان سید محمد درگاہ حضرت بابا فریدؒ کے پچیسویں سجادہ نشین بنے۔ دیگر سجادہ نشینوں کی فہرست کچھ یوں ہے۔

(1) حضرت بدرالدین سلیمانؒ

(2) حضرت علاؤ الدین موج دریاؒ

(3) حضرت شیخ نصیرالدینؒ

(4) حضرت شیخ محمد فضیلؒ (5) حضرت شیخ محمد منور

(6) نور الدین ولد شیخ منور

(7) بہاؤ الدین ولد شیخ منور (8) محمد یونس ولد بہاؤ الدینؒ

(9) محمد احمد ولد محمد یونس

(10) عطاء اللہ ولد محمد احمد

(11) شیخ محمد ولد عطاء اللہؒ

(12) دیوان ابراہیم فرید ثانی

(13) دیوان تاج الدین محمودؒ

(14) دیوان فیض اللہؒ

(15) دیوان محمد ابراہیم

(16) دیوان محمد ولد ابراہیم

(17) دیوان محمد اشرفؒ

(18) دیوان محمد سعید

(19) دیوان محمد یوسفؒ

(20) دیوان عبدالسبحان

(21) دیوان غلام رسول

(22) دیوان محمد یار

(23) دیوان شرف الدین

(25) دیوان سید محمد چشتی

(26) دیوان غلام قطب الدینؒ

(27) دیوان مودود مسعود و دیوان بختیار سید محمد (مقدمہ زیر سماعت)

اس عہد میں دیوان سید محمد چشتیؒ پاک پتن کی سب سے بڑی مقتدر روحانی و سیاسی شخصیت تھی۔ اس علاقے میں ان کی طاقت اور "حکم" کا سکہ چلتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی زندگی کے دوران خاندان چشتیہ کو پاک پتن کی سیاسی زندگی میں مکمل فوقیت حاصل رہی اور پاک پتن کے عوام ان کی رعایا تصور کیے جاتے تھے اپنی مکمل سیاسی قوت کے باوجود دیوان سید محمدؒ انتہائی ملنسار، مشفق اور بااخلاق انسان تھے ان کی سب سے بڑی خوبی ان کا مقامی مسلم خاندانوں کے سربراہوں سے دوستانہ اور گھریلو قریبی مراسم اور تعلقات تھے۔ تقریباً ہر مسلم خاندان کے سربراہ کو وہ ذاتی طور پر جانتے ان

کے دکھ درد میں بنفس نفیس شرکت فرما کر لوگوں کے دل جیت لیتے۔

"قیام پاکستان سے قبل یہاں ہندو اور سکھ جاگیردار سرداروں کی بھی کثرت تھی ان میں حکم سنگھ۔ دانار سنگھ (27)، ماچھی سنگھ (28)، ہروت سنگھ (29)، سردار ما بلا سنگھ، مہنت گروھاری داس آف بھومن شاہ، چوہدری سوبھارام منچریاں، گنگا رام، بشیشر ناتھ اور بیدی سکھ سردار قابل ذکر تھے، ان کے علاوہ چند مسلمان جاگیردار جن میں میاں نور احمد خاں مانیکا(30) میاں محمد خدایار خان مانیکا (31) محمد عثمان خاں فرید پور، میاں چراغ دین برج جیوے خاں اور سید عاشق حسین (32) کے اسمائے گرامی اس لحاظ سے قابل ذکر ہیں"۔ (33)

کہ یہ تمام شخصیات ضلع منٹگمری کی سیاست کے ناخدا تھیں۔ ضلع کی تمام سیاست انہی چند ہستیوں کے ہاتھ میں تھی۔ مگر دیوان سید محمد نے اپنی گوناگوں صلاحیتوں اور خوبیوں سے یہاں ہمیشہ مسلم تشخص کو قائم و دائم رکھا۔ کیونکہ ان کا تمام علاقے میں بے پناہ اثرورسوخ تھا۔ بڑے بڑے مسلمان جاگیردار ان کے مرید تھے جبکہ غیر مسلم بھی مذہبی طور پر ان کو بے حد عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پاک پتن کی ہندو آبادی میں ہانڈہ قوم ان کی مرید تھی۔ بہشتی دروازہ کھولنے کے وقت دیوان سید محمد ہانڈہ قوم کے سرکردہ افراد کو اپنے ساتھ رسومات کی ادائیگی میں ضرور شرکت کرواتے۔ (34)

حضرت بابا فریدؒ کے گدی نشین ہونے کے ناطے انگریز حکمران بھی ان کی روحانی سیادت کے قائل تھے اور انہیں "پیر پادری" سمجھتے ہوئے انتہائی عزت و احترام سے پیش آتے تھے یہی وجہ ہے کہ 1911ء میں شاہ برطانیہ جارج پنجم کی تخت نشینی کے وقت نواب آف حیدر آباد کی آپ سے دلی عقیدت سے متاثر ہو کر جارج پنجم نے آپ کو دہلی میں اپنے تخت کے بائیں طرف کرسی نشین ہونے کے اعزاز سے نوازا۔ اسی نشست میں جارج پنجم نے بنگال کی تنسیخ کا اعلان کیا اس غیر متوقع اعلان سے ہندوستان کے مسلمانوں کو دلی رنج پہنچا اور وہ غم زدہ ہوئے۔ تاہم دربار دہلی کی منسوخی کے اگلے روز ملتان ڈویژن کے چند جید علماء اور مشائخین کرام نے جارج پنجم اور ملکہ معظمہ سے بطور وفد ملاقات کی اس وفد کی سربراہی کا شرف بھی دیوان شیخ سید محمد

آف پاک پتن کو حاصل ہوا۔ بادشاہ اور ملکہ نے اس وفد کے ہر فرد کے ساتھ مصافحہ کیا اور خوش دلی سے ان کی پذیرائی فرمائی۔ وفد میں شریک اراکین کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔

(1) دیوان شیخ سید محمد صاحب سجادہ نشین دربار حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ پاک پتن شریف۔

(2) خواجہ میاں حامد شاہ صاحب چشتی تونسہ شریف

(3) خان بہادر حاجی مخدوم سید صدر الدین شاہ صاحب گیلانی حسنی الحسینی سجادہ نشین دربار پیران پیر ملتان

(4) صاحبزادہ میاں نور احمد صاحب سجادہ نشین حضرت سلطان باہوؒ

(5) خان بہادر مخدوم شیخ حسن بخش صاحب قریشی الہاشمی سجادہ نشین درگاہ حضرت غوث بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی

(6) خان بہادر مخدوم غلام قاسم صاحب سجادہ نشین دائرہ دین پناہ

اس موقع پر شمس العلماء مولوی محمد حسین بٹالوی نے ایک عربی قصیدہ بادشاہ معظم اور ملکہ معظمہ کی خدمت میں پیش کیا دیوان سید محمد مرحوم بہادر جری اور بہت منتظم انسان تھے۔ آپ نے درگاہ حضرت بابا فریدؒ میں مہمانوں کے لیے حجرے تعمیر کرائے نیز درگاہ کا مشرقی صدر دروازہ بھی آپ نے تعمیر کروایا اور لنگر کا انتظام صحیح کیا۔ (35)

گورنر پنجاب کی خدمت میں سپاسنامہ : جب گورنر پنجاب سرمائیکل ایڈوائر اپنے عہدے سے سبکدوش ہو کر واپس برطانیہ جانے لگا تو پنجاب کے موروثی جاگیر دار گدی نشینوں نے گورنمنٹ ہاؤس لاہور میں اسے سپاسنامہ پیش کیا جس میں اس کی خدمات کو سراہا گیا۔ اسے مجسمہ عدل و انصاف پیکر روا داری اور امن کا امین قرار دیا گیا حالانکہ مائیکل ایڈوائر وہی شخص ہے۔ جس کا دامن جلیانوالہ باغ کے بے گناہوں کے خون سے رنگین نظر آتا ہے۔ اس کے حکم پر جنرل ڈائر نے جلیانوالہ باغ (امرتسر) 9، اپریل 1919ء کو پر امن نہتے شہریوں پر نہایت سفاکی سے گولیاں برسائیں۔ 1279 افراد لقمہ اجل بنے تقریباً" 1200 افراد شدید زخمی ہوئے شہر پر انگریزوں کی ہیبت طاری کر دی گئی اور ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ اس کی شقاوت قلبی پر اس کے اہل وطن نے اسے مطعون کیا۔ اس کی اس ظالمانہ کاروائی کو ہندوستان میں برطانوی اقتدار کی "قبر" قرار

دیا۔ مگر دوسری طرف پنجاب کے جاگیردار گدی نشین اس کی سفاکی اور بہیمت کو خراج عقیدت پیش کر رہے تھے اس کے کارناموں کا قصیدہ پڑھ رہے تھے۔ اس کے رخصت ہونے پر غم کا اظہار کر رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ نووارد گورنر کو وفاداری' تابعداری اور اطاعت گزاری کا یقین دلایا جا رہا تھا۔ جن گدی نشینوں نے گورنر مائیکل کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ ان کے اسماء گرامی میں سات نمبر پر پاک پتن کے دیوان سید محمد چشتی کا نام نامی اسم گرامی بھی موجود ہے۔

سپاس نامے کا متن : بحضور نواب ہز آنر سر مائیکل فرانس ایڈوائر جی سی آئی ای کے سی ایس گورنر پنجاب۔

حضور والا! ہم خادم الفقراء سجادہ نشینان و علماء مع متعلقین شرکاء حاضر الوقت مغربی حصہ پنجاب ادب و عجز و انکسار سے یہ ایڈریس لے کے خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے ہیں اور ہمیں یقین کامل ہے کہ حضور انور جن کی ذات عالی صفات میں قدرت نے دل جوئی' ذرہ نوازی اور انصاف پسندی کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے ہم خاکساران باصفائے اظہار دل کو توجہ سے سماعت فرما کر ہمارے کلاہ افتخار کو چار چاند لگا دیں گے۔

(36)

حضور انور! جس وقت ہم اپنی آزادیوں کی طرف خیال کرتے ہیں جو ہمیں سلطنت برطانیہ کے طفیل حاصل ہوئی ہیں۔ پھر جب ہم بے نظیر برطانوی انصاف کو دیکھتے ہیں جس کی حکومت میں شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں تو پھر ہر احسان احسان ہی دکھائی دے رہا ہے۔

ہم سچ عرض کرتے ہیں کہ جو برکات ہمیں اس سلطنت کی بدولت حاصل ہوئی ہیں۔ اگر ہمیں ۲عمر خضر بھی نصیب ہو تو ہم ان احسانات کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے ہندوستان کے لیے سلطنت برطانیہ ابر رحمت کی طرح نازل ہوئی۔

ہم حضور سے درخواست کرتے ہیں کہ جب حضور وطن کو واپس تشریف لے جائیں تو اس نامور تاجدار ہندوستان کو یقین دلائیں کہ چاہے کیسا ہی انقلاب کیوں نہ ہو۔ ہماری وفاداری میں سرمو فرق نہیں آئے گا اور ہمیں یقین ہے کہ ہم اور ہمارے پیروان اور مریدین فوجی وغیرہ جن پر سرکار برطانیہ کے بے شمار احسانات ہیں ہمیشہ سرکار کے حلقہ بگوش اور جانثار رہیں گے"۔

ہم کو ان کوتاہ اندیش دشمنانِ ملک (یہ جان نثاران جلیانوالہ کی طرف اشارہ ہے) پر سخت افسوس ہے۔ جن کی سازش سے تمام ملک میں بدامنی پھیلی ہے اور جنھوں نے اپنی حرکات ناشائستہ سے پنجاب کے نیک نام پر دھبہ لگایا ہے مقابلہ آخر مقابلہ ہے اور کبھی خاموش نہیں رکھ سکتا۔ یہ حضور والا ہی کا زبردست ہاتھ تھا جس نے بے چینی اور بدامنی کو اپنے حسنِ تدبر سے فی الفور قلع قمع کر دیا۔ ان بدبختوں سے ازراہِ بدبختی فاش غلطیاں سرزد ہوئیں۔ لیکن حضور ابرِ رحمت ہیں اور ابرِ رحمت شور اور زرخیز زمین دونوں پر یکساں برستا ہے ہم حضرت کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم ان گمراہ لوگوں کی مجنونانہ، جاہلانہ حرکات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ ہمارے قرآن کریم میں تلقین کی گئی ہے ،"لاتفسدوفی الارض" یعنی دنیا میں فساد مت پیدا کرو۔
حضور انور آپ کی مفارقت کا ہمیں کمال رنج ہے۔

سرِغم سے کھنچے کیوں نہ سردار ہمارا
لو ہم سے چھٹا جاتا ہے سردار ہمارا

"لیکن ساتھ ہی ہماری خوش نصیبی ہے کہ حضور کے جانشین سرایڈورڈ میکلیگن جن کے نام نامی سے پنجاب کا بچہ بچہ واقف ہے جن کا حسنِ اخلاق رعایا نوازی میں شہرہ آفاق ہے۔ جو ہمارے لیے حضور کے پورے نعم البدل ہیں ان کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں اور ان کی خدمت میں یقین دلاتے ہیں۔ کہ مثل سابق اپنی عقیدت و وفاداری کا ثبوت دیتے رہیں گے

حضور وطن کو تشریف لے جانے والے ہیں ہم دعاگویاں جناب باری میں دعاگو ہیں کہ حضور مع لیڈی و جمیع متعلقین مع الخیر اپنے پیارے وطن پہنچیں تادیر سلامت رہیں اور وہاں جا کر ہم کو دل سے نہ اتاریں۔

(این دعا از ماؤ از جملہ جہاں آمین بعد)

المستدعیان

مخدوم حسن بخش قریشی، مخدوم غلام قاسم سجادہ نشین خانقاہ مخدوم شیخ محمد نواب حسن، مخدوم حسن علی، سید ریاض شاہ، پیر غلام عباس، دیوان سید محمد پاک پتن، مخدوم صدر الدین شاہ ملتان، میاں نور احمد سجادہ نشین، پیر محمد رشید، شیخ شہاب الدین، سید محمد حسین شاہ شیر

گڑھ ضلع منٹگمری، مخدوم شیخ محمد راجو ملتان، دیوان محمد غوث، محمد مہر علی شاہ جلال پور، صاحبزادہ محمد سعد اللہ سیال شریف، سید قطب شاہ ملتان، پیر چراغ علی ملتان، پیر ناصر شاہ شاہ پور، پیر غلام احمد شاہ شاہ پور، سید فدا حسین کیمل پور، غلام قاسم شاہ شیر شاہ ملتان، پیر چراغ شاہ کوٹ سدھانہ جھنگ۔

تبصرہ :یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جس وقت ہمارے صد احترام موروثی جاگیردار گدی نشیں صاحبان انگریز گورنر کی مدح سرائی میں رطب اللسان تھے اور قرآنی آیات کے حوالے سے انگریز حکمرانوں کو اسلامیانِ ہند کے لیے باعث رحمت قرار دے رہے تھے وہ دور برصغیر کی سیاسی زندگی میں نہایت طوفانی تھا۔ اس دور میں ہندوستان کے مسلمان تحریک خلافت میں جان و مال کی قربانیاں پیش کر رہے تھے اس دور میں مشہور بدنام زمانہ رولٹ ایکٹ نافذ ہوا۔ برِصغیر کی تمام سیاسی جماعتوں نے اسے "کالا قانون" قرار دیا اور حضرت قائد اعظم" نے اس کالے قانون کے خلاف احتجاجا" مرکزی قانون ساز اسمبلی کی رکنیت سے استعفی دے دیا تھا مگر مقام افسوس ہے کہ 1857ء کی جنگِ آزادی میں انگریزوں کا وفادار جاگیردار ٹولہ "یونین جیک" کو (37)اپنے ہاتھ میں تھامے اپنی مفاد پرستانہ نفسیات سے مجبور ہو کر ایک دفعہ پھر کاسہ لیسی سے کام لیتے ہوئے چاپلوسی کی وہ مثال قائم کر رہا تھا۔ جو آنے والے وقتوں میں ان کی خود غرضی اور سیاسی ژولیدگی کا ثبوت ہے۔ تاریخ کو جھٹلانا ناممکن ہے، تاریخی حقائق کی تلخی باعثِ عبرت ہے' اگر تاریخی حقائق کی تلخی سے درس عبرت حاصل کر لیا جائے تو یقینا" تاریخ اپنے آپ کو دہرانے کی بجائے تابناک مستقبل کی نقیب بن جاتی ہے اگر آنے والی نسلیں اپنے اجداد کی تاریخی وسیاسی کج روی کو اپنے مثبت رویے سے تبدیل کر دیں تو وقت ان کی عظمت کے گیت گائے گا۔

اس دور میں اہلِ پاک پتن ہندوستان میں رونما ہونے والے سیاسی واقعات سے بے خبر رہے۔ اگرچہ مسلم لیگ کو قائم ہوئے 14 سال گزر چکے تھے تقسیم بنگال کے بعد ہندوؤں کی زہر آلود متشددانہ سرگرمیاں اپنا رنگ دکھا چکی تھیں پھر انگریزوں کی طرف سے تنسیخ بنگال' پہلی جنگ عظیم کے بعد تحریک خلافت' رول ایکٹ جیسے واقعات ہندوستانی سیاست پر ظہور پذیر بھی ہو چکے مگر یہاں پاک پتن کے مسلم عوام ان سب تبدیلیوں سے نابلد اپنے جاگیردار آقاؤں کی خوشنودی میں مگن تھے۔

دوسری طرف یہاں کی غیر مسلم اقوام کے ہندوؤں کی سیاسی جماعت کانگرس سے روابط

قائم تھے۔ یہاں کے ہندو ہر سیاسی واقعہ سے نہ صرف باخبر تھے بلکہ اپنے سیاسی معاملات پر غور و خوض کے لیے وہ باقاعدہ اپنے اجلاس بوٹا رام بھون (38) میں منعقد کرتے جہاں وہ اپنے سیاسی مفادات کے تحفظ کے لیے منصوبے بناتے اور مرکزی ہندو قیادت سے رابطہ کے بعد نیا سیاسی طرز عمل اختیار کرتے۔

حوالہ جات

(1) منٹگمری گزٹ از ریسرچ سوسائٹی پنجاب صفحہ نمبر494

(2) سٹیٹ گزیٹر از ریسرچ سوسائٹی پنجاب جلد اول صفحہ نمبر496

(3) بحوالہ منٹگمری گزٹ 1966، صفحہ نمبر45' 46

(4) ایضاً"

(5) بحوالہ پنجاب کا مقدمہ از حنیف رامے

(6) سٹیٹ گزیٹیئر صفحہ نمبر496

(7) بحوالہ اکابرین تحریک پاکستان از محمد علی چراغ

(8) ایضاً" (6)

(9) بحوالہ سٹیٹ گزیٹیئر جلد اول صفحہ نمبر510

(10) ایضاً"

(11) دریائے بیاس اور ستلج کے درمیان تمام بنجر علاقے کو نیلی بار کہتے ہیں

(12) سٹیٹ گزیٹیئر جلد اول صفحہ نمبر510

AGRICULTURE OF PAKISTAN BY DR. NAZIR

IRRIGATED

(13) ایضاً"

(14) منٹگمری گزٹ جلد اول

(15) سٹیٹ گزٹ صفحہ نمبر517

(16) ایضاً"

(17) غیر مطبوعہ ریکارڈ از سید افضل حیدر ممبر پاکستان نظریاتی کونسل

(18)' (20) جدِ امجد' والد گرامی حاجی میاں عبدالشکور ریٹائرڈ D.E.O

(21) والد گرامی ڈاکٹر منیر احمد (الشفاء میڈیکل کلینک ٹاؤن ہال)

(22) والد گرامی ڈاکٹر افتخار احمد

(23) والد گرامی ڈاکٹر شیر زمان (وائس چانسلر)

(24) غیر مطبوعہ ریکارڈ از ملک اللہ دتہ مرحوم (سینئر ہیڈ ماسٹر)

(25) سٹیٹ گزیٹر صفحہ نمبر517

(26) ایضاً" صفحہ نمبر567

(27) پاک پتن کے قریب داتار سنگھ سٹیشن انہی کے نام پر رکھا گیا' ان کی نواسی مانیکا گاندھی کی شادی اندرا گاندھی کے بیٹے سنجے گاندھی سے ہوئی۔

(28) والد داتار سنگھ

(29) والد مہندر سنگھ بیدی سحر

(30) والد گرامی میاں غلام محمد احمد خان مانیکا

(31) والد گرامی میاں عطاء محمد خاں مانیکا

(32) شیر گڑھ سے معروف مسلم لیگی لیڈر

(33) یادوں کا جشن از کنور مہندر سنگھ بیدی سحر صفحہ نمبر38 شمر پرنٹرز دہلی

(34) ایضاً" صفحہ نمبر43

(35) حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ از وحید احمد مسعود صفحہ نمبر288

(36) دوام العیش فی الائمۃ من قریش صفحہ نمبر46 مطبوعہ رضویہ لاہور' سیاست کے فرعون از وکیل انجم

(37) برطانیہ کے پرچم کا نام

(38) بوٹا رام بھون ہندوؤں کا کونسل ہال کی مسجد پاک پتن کے قریب ہے

تحریک پاکستان اور پاک پتن

تحریک پاکستان جس کی بنیاد دو قومی نظریہ پر رکھی گئی اور جو قیام پاکستان کا موجب بنا۔ یہ نظریہ کوئی نیا' انوکھا نظریہ نہیں اور نہ ہی یہ نظریہ کسی فلسفیانہ منطقی سوچ کے نتیجہ کے طور پر وجود میں آیا۔ بلکہ یہ نظریہ اس قدر قدیم ہے جس قدر خود دین اسلام یہ نظریہ ایک الگ ملت اسلامیہ کا تصور ہے اس سے ہماری مراد سیاسی' اقتصادی' معاشرتی اور مذہبی لائحہ عمل ہے جو اسلام نے ہمیں عطاء کیا اور جس کی بنیاد پر ہندوستان کے اندر الگ قوم کا تصور پیدا ہوا۔

دو قومی نظریے کے مطابق ہندو مسلم دو مختلف اقوام ہیں جن کے مابین کوئی قدر مشترک نہیں ہندو ذات پات کی تفریق کا قائل ہے بت پرست ہے گائے پوجتا ہے' مردے جلاتا ہے' جبکہ مسلمان توحید پرست ہے مساوات کا قائل ہے جداگانہ اصول معیشت و سیاست کا مالک ہے خدا پر یقین رکھتا ہے' اور گائے کا گوشت کھاتا ہے' یہی وجہ ہے کہ بابائے قوم حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ نے فرمایا۔

> "پاکستان اس دن ہی وجود میں آگیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا (1) چنانچہ یہی وہ نظریہ ہے جس کے تحت برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے لیے الگ وطن کا مطالبہ کیا"

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس 1930ء میں الہ آباد کے مقام پر حکیم الامت شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے اجلاس کی صدارت فرماتے ہوئے دو قومی نظریے کا صاف ستھرا نکھرا ہوا تصور پیش کرتے ہوئے برصغیر کی ملت اسلامیہ کے لیے مستقبل کی راہیں متعین کر دیں' تو یہاں پاک پتن میں بسنے والی مسلم آبادی نے بھی جذبہ ایمانی کے تحت' نظریہ پاکستان کی بھرپور حمایت کی اور یہاں کے باسیوں نے حضرت قائداعظمؒ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مقامی یونینسٹ جاگیرداروں کے ظالمانہ طرز عمل کے باوجود مسلم لیگ کے پرچم کو سینوں پر سجا کر اکھنڈ بھارت کے "سامراجی گماشتوں" کا ڈٹ کا مقابلہ کیا۔

قرار داد پاکستان اور پاک پتن: 23 مارچ 1940ء کا طلوع آفتاب جنوبی ایشیاء کے لیے آزادی کا پیغام لے کر نمودار ہوا۔ اس دن حضرت قائد اعظم کی زیر صدارت مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منٹو پارک لاہور بادشاہی مسجد کے میناروں کے سایہ میں منعقد ہوا۔ جس میں پورے برصغیر سے آئے ہوئے مسلمانوں نے الگ اسلامی مملکت کے

مطالبے کی قرار داد منظور کی (2) جب اس قرار داد کی بازگشت پاک پتن پہنچی تو یہاں کی متوسط مسلم آبادی حضرت سید اصغر علی شاہؒ اور ان کے فرزند ارجمند سید حیدر امام المعروف چن پیرؒ' سید محمد شاہ ایڈووکیٹ' شیخ محبوب جیلانی ایڈووکیٹ' خان محمد زمان خاں اور دوسرے مسلم لیگی قائدین کی آواز پر مسلم کاز کے لیے ڈٹ گئی۔

اس وقت اگرچہ پاک پتن میں غیر مسلموں کی اکثریت تھی۔ جو کانگرس سے وابستہ ہونے کے ناطے "اکھنڈ بھارت" کے داعی تھے۔ ان غیر مسلموں میں وج' کھتری' بیر' اروڑا' ٹھٹی' برہمن اور سکھ قابل ذکر ہیں۔ معاشی' معاشرتی لحاظ سے یہ لوگ پاک پتن کی مسلم آبادی کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ اور آسودہ حال تھے جبکہ اس وقت پاک پتن کی مقامی مسلم آبادی زیادہ تر اہل حرفہ مزدوری اور کاشتکاری کر کے گزر اوقات کر رہی تھی۔ تاہم اس وقت بھی پاک پتن کے اندر چند ایسے قدیم مسلم خاندان موجود تھے۔ جن کی افرادی قوت اور مادی وسائل سے یہاں کے ہندو اور صاحب اقتدار طبقہ ہمیشہ نفسیاتی طور پر خائف رہا۔ ان خاندانوں میں سید' پٹھان' راجپوت صراف' قابل ذکر ہیں دراصل یہی وہ خاندان ہیں جو پاک پتن کے اندر مسلم لیگ کے داعی اور نقیب بنے اور جن کی مخلصانہ جدوجہد کی بناء پر یہاں یونینسٹ طبقہ کو منہ کی کھانی پڑی۔

سید حیدر امام المعروف چن پیرؒ کی مخلصانہ قیادت

سید اصغر علی شاہؒ کے اکلوتے فرزند سید حیدر امام المعروف چن پیرؒ پاک پتن کی مذہبی اور سیاسی تاریخ کے وہ درخشندہ ستارے ہیں جن کا ملی ایثار مخلصانہ سیاسی جدوجہد اور پاک پتن کے مسلمانوں کے لیے اپنی زندگی وقف کرنا ایسے سنہری کارنامے ہیں جن کی ضیاء پاشی سے ہمیشہ پاک پتن جگمگاتا رہے گا۔ سر فضل حسین نے 1930ء میں یونینسٹ پارٹی کی بنیاد رکھی۔ جس کا مقصد ہندو مسلم اتحاد کے "حسین نعرے" کے ساتھ اکھنڈ بھارت کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا اور الگ وطن کے منصوبے کو ناکام بنانا تھا۔ لہذا پنجاب کے تقریباً" بڑے بڑے جاگیردار یونینسٹ پارٹی میں شامل ہو گئے تو ایسے میں پاک پتن کے جاگیردار چشتی خاندان اور وٹو قبیلہ نے بھی یونینسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔

اگرچہ 1933ء میں دیوان سید محمد رحلت فرما چکے تھے اور ان کے خلف الرشید

دیوان غلام قطب الدینؒ کی جملہ جائیداو کورٹ آف واڑز کے تحت تھی جس کی بناء پر وہ محض مجبور تھے۔ مگر چشتی خاندان کے دوسرے بڑے سربراہ پیر محمد مسعود چشتی (3) اور وٹو خاندان کے خاں بہادر میاں نور احمد خاں نے نہ صرف یونینسٹ پارٹی میں شمولیت اختیار کی بلکہ انہوں نے اس علاقے سے مسلم لیگی امیداروں کے مقابلے میں 1946ء کا الیکشن لڑا اور شکست کھائی۔

انتخابات 1946ء : قیام پاکستان کے لیے 1946ء کا الیکشن ریفرنڈم کا درجہ رکھتا تھا۔ اگر خدا ناخواستہ الیکشن میں مسلم لیگ شاندار کامیابی سے ہمکنار نہ ہوتی تو الگ وطن کا خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوتا اور پھر ہندوستان کے مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہندو اکثریت کے عفریت کے تحت بے بسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوتے۔ مگر پاک پتن میں حضرت بابا فریدؒ کا روحانی فیضان تھا اور گیلانی خاندان میں سید اصغر علی شاہؒ کے جگر گوشہ سید حیدر امامؒ' سید محمد شاہ ایڈووکیٹ' پیر عبدالعزیز چشتی اور صاحب زادہ محمد انور عزیز چشتی کی شبانہ روز مخلصانہ جدوجہد تھی کہ جبروت و طاغوت کے بت پاش پاش ہو گئے۔ انہی ایام میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے پلیٹ فارم سے پاک پتن کے چند طلباء جن میں سید افضل حیدر سابق صدر ہائیکورٹ بار کونسل' سید شمشیر علی شاہ ایڈووکیٹ' سید محمد حسن شاہ مینجر' چوہدری علی احمد اشام فروش' سید ذوالفقار علی ایڈووکیٹ' سید محمد خیرالبشر (4) نے بطور طالب علم تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لے کر پاک پتن کی طلباء برادری کو مسلم لیگی مفادات کے تحفظ کا ہراول دستہ بنا دیا۔

پاک پتن کے اندر سید افضل حیدر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر تھے جب کہ سید شمشیر علی شاہ اس عظیم تنظیم کے سیکرٹری تھے۔ یہ طلباء مسلم لیگ کے جلوسوں میں پرجوش تقاریر کے ذریعے پاکستان کی ضرورت و اہمیت کی وضاحت کرتے۔ پاک پتن میں 1946ء کے الیکشن کی مہم جاری تھی۔ ایک طرف بڑے بڑے باجبروت یونینسٹ جاگیردار تھے تو دوسری طرف پاک پتن کے مجبور و مقہور عوام' سید حیدر امامؒ کی سرکردگی میں مسلم لیگی مفادات کے تحفظ کی خاطر میدان عمل میں اترے' سید حیدر امام پاک پتن اور ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں 1946ء کے الیکشن کی انتخابی مہم کے سرخیل' قائد اور محافظ تھے۔ لہٰذا یہ آپ کی سحر انگیز مخلص شخصیت کا اثر تھا کہ پاک پتن کے تمام قدیم مسلم خاندان مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے۔ (5)

راجپوت خاندان کی سیاسی معاونت : پاک پتن کے اندر راجپوت صراف خاندان میں میاں محمد عاشق' میاں محمد عارف' چوہدری پیر بخش' صوفی کریم بخش' میاں نبی بخش نمبردار' (6) حاجی سردار علی' جان محمد ولد صوفی کریم بخش' (7) غلام قادر ولد میاں خیر محمد' چوہدری بہادر علی' میاں موجدین' میاں ولی محمد' میاں محمد دین' میاں سید محمد' میاں خیر محمد پسران میاں شاہدین' میاں سید محمد' میاں محمد اکبر' حاجی محمد وللدار کے اسمائے گرامی اور سید حیدر امام کے ساتھ مل کر ان کی ملی خدمات یہاں پر بسنے والے راجپوت صراف خاندان کا قیمتی سرمایہ ہے۔

عباسی خاندان کی اعانت : سید حیدر امامؒ کی مخلصانہ ملی کاوشوں سے متاثر ہو کر پاک پتن کا عباسی خاندان جن کا پیشہ بافندگی تھا۔ پاک پتن کے اندر مسلم لیگ کا ہراول دستہ بنا اس خاندان نے معاشی معاشرتی مقاطع جیسی تکلیف دہ صعوبتوں کو صرف پاکستان کے حصول کی خاطر خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ تحریک پاکستان کے دوران عباسی خاندان کے جن نامور سپوتوں نے بڑھ چڑھ کر قیام پاکستان کی راہیں ہموار کیں ان میں میاں غلام محمد' میاں فضل دین' میراں بخش' میاں عبداللہ' بابو محمد حسین' میاں کالو' محمد عظیم' حکیم نور محمد' چراغ دین اور محمد یوسف قابل ذکر ہیں۔ دراصل عباسی خاندان میں میاں فضل دین' میاں غلام محمد اور میاں کالو یہ وہ تین شخصیات تھیں جنہوں نے اپنے پورے خاندان کی توانائیوں کو سید حیدر امامؒ کے سپرد کرتے ہوئے قیام پاکستان کے لیے وقف کیا۔

بدرالحسینی سادات اور تحریک پاکستان : بدرالحسینی سادات میں سید نادر شاہ' سید دولت شاہ اور سید مبارک علی شاہ کی اولاد نے من جملہ مسلم لیگ کے لیے ہر آن خدمات پیش کیں تاہم غلام حسین شاہ اشام فروش' سید جعفر شاہ' سید نور نبی شاہ اور سید امیر علی شاہ کے اسمائے گرامی ہمیشہ تحریک پاکستان کے کارکنوں کے لیے مشعل راہ رہیں گے۔

آرائیں و گل خاندان کا تحریک پاکستان میں کردار : مقامی آرائیں خاندان میں مہر رحیم بخش' مہردین محمد ولد خدا بخش' مہر پیر بخش کے ساتھ نو آباد کار جو 1886ء امرتسر سے پاک پتن کے قریب 32 ایس پی' 33 ایس۔پی 34 ایس پی اور دوسرے

دیہاتوں میں آباد تھے۔ ان آبادکاروں کے بزرگوں نے ملی اور سیاسی شعور کا مظاہرہ کرتے ہوئے سید حیدر امام کے مسلم لیگی پرچم کو تھام کر یہ ثابت کیا کہ وہ پاکستان کے لیے ہمہ وقت اور ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے کو تیار ہیں۔

32 ایس پی سے چوہدری محمد حسین (8)' میاں حسن علی نمبردار' میاں جمال الدین' چوہدری رحمت علی' چوہدری عبدالعزیز' چوہدری سردار علی' نے تحریک پاکستان کے دوران آبادکار آرائیوں کی بھرپور نمائندگی کی جبکہ گل برادری سے حاجی عطا محمد گل' حاجی غلام رسول گل' چوہدری غلام محمد گل کے اسمائے گرامی اس علاقے سے انتہائی مخلص مسلم لیگی کارکنوں کی فہرست میں شامل ہیں۔

ممتاز شخصیات کی جانثاری : اسی طرح پاک پتن کے دیگر مسلم لیگی کارکنوں میں سید مظہر رسول شاہ' سید سرور شاہ ایڈووکیٹ' پیر عبدالعزیز چشتی' پیر محمد انور عزیز چشتی' محمد یار کھوکھر' میاں غلام محمد بونگہ حیات' میاں خیر محمد مسافر' ڈاکٹر جمال دین' میاں محمد عیسیٰ' میاں محمد موسیٰ' میاں سکندر' مولوی فضل دین' میاں مالی خاں ملیکا' میاں مقبول احمد مانیکا' میاں علی احمد بسمل' حکیم نذیر احمد چغتائی' میاں محمد عمر عرائض نویس' محمد بخش چغتائی' محمد یعقوب گگے زئی' سید نواب شاہ' ملک اجازت علی' مولوی خیر محمد' صوفی فیض عالم' شیخ نور دین' سید سید علی شاہ اجمیری اور مشتاق احمد خان کے اسمائے گرامی سید حیدر امامؒ کے جانثاروں کی فہرست میں ہمیشہ زندہ جاوید رہیں گے۔

پیر محمد انور عزیز چشتی کی خدمات : تحریک پاکستان کے نامور سپاہی پیر محمد انور عزیز چشتی اپنے ایک انٹرویو میں بیان کرتے ہیں کہ میرے پیرو مرشد امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہؒ محدث علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ کے مشورے پر میرے والد محترم نے مجھے مسلم لیگ کی خدمت کے لیے وقف کیا۔

اپریل 1936ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس برکت علی ہال میں منعقد ہو رہا تھا تو میں نے میٹنگ کے دوران اپنے پیرو مرشد اور اپنے والد گرامی کے دو خطوط جناب قائد اعظم محمد علی جناح کی خدمت میں پیش کیے۔ جن میں ان دونوں عظیم ہستیوں نے میرے لیے تحریر کیا تھا کہ ہمارا یہ بیٹا بہت اچھا مقرر ہے' ہم نے اس کی زندگی مسلم لیگ کے لیے وقف کر دی ہے۔ اسے اپنے سپاہیوں میں شامل فرمالیں۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے بہت خوشی کا اظہار کیا اور مولانا شوکت علی

سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ نوجوان ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں ہمارا مجاہد اول ہے اس دن سے انہوں نے اپنی زندگی حصول پاکستان کے لیے وقف کر دی۔ 1946ء کے الیکشن کے دوران آپ نے سید حیدر امامؒ کے ساتھ مل کر ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں گراں قدر سیاسی خدمات سرانجام دیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس علاقے میں تحریک پاکستان کی جدوجہد میں آپ سید حیدر امامؒ کے دست راست تھے یہی وجہ ہے کہ میاں محمد نواز شریف کے دور حکومت میں آپ کی ملی خدمات کے اعتراف کے طور پر آپ کو تحریک پاکستان کے نامور سپاہی کی حیثیت سے گولڈ میڈل کے اعزاز سے نوازا گیا۔ آپ ان دنوں پاک پتن کی تحصیل عارفوالا میں مقیم ہیں۔ جب بھی موقع ملتا ہے تحریک پاکستان کے روح پرور واقعات سے نئی نسل کے قلوب گرماتے ہیں دو قومی نظریہ پر ایک جاندار تحریری تخلیق "مٹی کی خوشبو" کے خالق ہیں۔ (9)

انتقامی کاروائی اور پانی کی بندش : جب پاک پتن میں 1946ء کے الیکشن کی مہم زوروں پر جاری تھی تو یونینسٹ جاگیرداروں نے یہاں کی مسلم لیگی آبادی کا عرصہ حیات تنگ کر دیا ان دنوں ڈھکی سے پیچھے ہر طرف ان جاگیرداروں اور ہندو زمینداروں کے رقبہ جات تھے۔ زندگی سادہ تھی لوگ نہانے' دھونے' پانی پینے اور رفع حاجت کے لیے ان کے کنوؤں اور ان کی فصلوں کو استعمال کرتے تھے۔

جب یونینسٹوں نے سید حیدر امامؒ کی سرپرستی میں مسلم لیگی کارکنوں کے جوش و جذبہ کا عملی نمونہ دیکھا تو یہ جاگیردار اپنی روایتی ظالمانہ پالیسی اپنانے پر اتر آئے لہٰذا اپنے کارندوں کے ذریعے یہ اعلان کروایا کہ کوئی مسلم لیگی کارکن ان کے کنوؤں سے پانی نہ پیئے اور نہ ہی ان کی زمینوں پر قدم رکھے۔

ان ایام میں سید نواب شاہ کی دوکان کا تخت پوش مسلم لیگی کارکنوں کا سٹیج ہوا کرتا تھا۔ جہاں شہیدی بازار کے تمام مسلم لیگی کارکن آپس میں بیٹھ کر سیاسی تبادلہ خیال کرتے اور جہاں اکثر و بیشتر سید حیدر امامؒ بھی تشریف لاتے۔ ایک دن آپ کی آمد پر مسلم لیگی کارکنوں نے شکایت کی کہ یونینسٹوں نے ہمارا پانی بند کر دیا تو آپ نے برجستہ فرمایا۔

> "یہ یزیدی کردار ہے۔ آپ تو حسینی مجاہدین ہیں۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے صبر کریں اللہ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

۲ چنانچہ آپ کے منہ سے نکلا ہوا "یزیدی کردار" کا فقرہ یونینسٹوں کے لیے تازیانہ بن گیا اور پھر انہیں مجبوراً" خود ہی پانی کی بندش سے ہاتھ اٹھانا پڑا۔

سید حیدر امامؒ کے خلاف مقدمہ : پاک پتن کی سیاست کا یہ چاند اب آسمان سیاست کی رفعتوں کو چھو رہا تھا۔ یونینسٹ جاگیرداران کی شخصیت سے جل اٹھے۔ یونینسٹ اب اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے انہوں نے مقامی ایس ڈی ایم کی عدالت میں زیر دفعہ 171C جس کے تحت خدا اور رسولؐ کے نام پر ووٹ مانگنے پر تین سال سزا رکھی گئی حیدر امامؒ کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا۔ پہلی پیشی پر مسلم لیگی کارکنوں کا جم غفیر تھا۔ عدالت کے باہر آپ کے مریدین کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ علی گڑھ تک سے طلباء کاروائی میں حصہ لینے کے لیے پاک پتن آئے۔ حاضرین نے سید حیدر امامؒ کی تصویر سے اپنے سینوں کو سجایا ہوا تھا۔ (10)

سید اصغر علی شاہؒ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اپنے جگر گوشہ کے ساتھ اپنی کھلی کار میں عدالت میں تشریف لائے۔ ہر طرف نعرہ تکبیر کے ساتھ پاکستان زندہ باد' چن پیر زندہ باد کے فلک شگاف نعرے بلند ہو رہے تھے۔ مجسٹریٹ فقر و صداقت کی طاقت کے آگے نہ ٹھہر سکا۔ چپکے سے عدالت چھوڑ کر اپنے بنگلے میں چلا گیا۔ سید حیدر امامؒ کی طرف سے سید محمد شاہ ایڈووکیٹ' چوہدری نذیر احمد ایڈووکیٹ' شیخ محبوب جیلانی ایڈووکیٹ اور میاں عبدالحق صاحبان پیش ہوئے تو پتہ چلا کہ ایس ڈی ایم نے انہیں بنگلے بلایا ہے" چنانچہ جب یہ فاضل وکلاء "صاحب" کے بنگلے پر پہنچے تو "صاحب" نے انہیں یہ ہدایت دی کہ سید حیدر امامؒ عدالت میں اصالتاً" پیش ہونے سے گریز کریں ضمانت دے کر آئندہ وکالتاً" پیش ہوں سید محمد شاہ ایڈووکیٹ اور دوسرے مسلم لیگی وکلاء نے جب ایس۔ ڈی ایم کی یہ ہدایت سید اصغر علی شاہؒ کو سنائی تو وہ جوش میں آکر فرمانے لگے۔

"میرا بیٹا کسی اخلاقی جرم کا مرتکب نہیں ہوا ہم کوئی ضمانت دینے کو تیار نہیں"

لہٰذا ہر پیشی پر سید حیدر امامؒ اصالتاً" عدالت میں تشریف لاتے مگر ہر بار افسر مجاز عدالت سے غیر حاضر ہو جاتے۔ چار پیشیوں کے بعد عدالت نے خود ہی استغاثہ خارج کر دیا۔ اور اس طرح ایک دفعہ پھر یونینسٹوں نے سید حیدر امامؒ اور آپ کے مسلم لیگی رفقاء کار کی ایمانی قوت کے سامنے ہزیمت اٹھائی۔

1946ء کے الیکشن کی شب و روز تگ و دو نے آپ کی صحت پر برا اثر کیا آپ ٹائیفائڈ میں مبتلا ہو گئے جو بعد میں ٹی بی کی شکل اختیار کر گیا۔ ہر چند معالجین نے صحت افزا مقام پر جانے اور آرام کی ہدایت کی مگر والدہ چن پیرؒ یہ کہہ کر ہمیشہ ڈاکٹروں کی تجویز مسترد کر دیتیں کہ اگر میرے پاس "دس چن" بھی ہوتے تو میں انہیں پاکستان کے نام پر قربان کر دیتی۔ ماں کے ان الفاظ نے عظیم بیٹے کے دل میں وطن کے حصول اور آزادی کی تڑپ کے جذبہ کو مزید تیز کر دیا اور یہ مرد آہن ضلع منٹگمری کی چاروں مسلم لیگی نشستوں کو کامیاب کروانے کے لیے کمربستہ ہوا۔

یہ آپ کی مسحور کن شخصیت کا اعجاز تھا یا آپؒ کے جذبہ کی صداقت تھی کہ آپ جس گاؤں میں مسلم لیگی امیدوار کے لیے ووٹ مانگنے جاتے وہاں کے باسی آپ سے والہانہ محبت کا اظہار کرتے آپ کی زیارت کو اپنی اخروی نجات کا ذریعہ سمجھتے اور آپ کی آواز پر لبیک کہنا اپنا مذہبی اور قومی فرض سمجھتے تھے اس ایمان افروز کیفیت کے باوجود پاک پتن کی باطل قوتوں نے آپ سے ٹکرانے کی کوشش کی ان دنوں پاک پتن میں لالہ بشیشر ناتھ وج' رام لال اور شیوناتھ وج' بہت بڑے ہندو جاگیردار اور سرمایہ دار تھے۔ ان کی زیر ہدایت پاک پتن کے تمام ہندوؤں نے یونینسٹ امیدواروں کی بھرپور مدد کی اس مقصد کے لیے انہوں نے باقاعدہ پاک پتن کے اندر راشٹریہ سیوک سنگھ' متعصب ہندو تنظیم بنائی' جس میں زیادہ تر ہندو نوجوان بھرتی تھے۔ ان کو باقاعدہ چاقو زنی' نشانہ بازی' ڈنڈے کا استعمال اور گتکے کی نیم فوجی تربیت اور مہارت دی جاتی تاکہ بوقت ضرورت انہیں مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ سکھوں کی تنظیم "اکالی دل" بھی یہاں پاک پتن میں یونینسٹ مسلم امیدواروں کی ہمنوا تھی۔

تحریک پاکستان کے ان ایام میں جب 1946ء کے الیکشن کی تیاری زوروں پر تھی' پاک پتن سے یونینسٹ جاگیرداروں نے عوام الناس کو مسلم لیگ سے بد دل کرنے' ان میں مایوسی پھیلانے کے لیے "فریدیہ لیگ" کے نام سے پاک پتن کے اندر اپنی سیاسی جماعت قائم کی اور لوگوں کو یہ تاثر دینا شروع کیا کہ سید اصغر علی شاہ نے مسلم لیگ کی امداد چھوڑ دی ہے اور یہ کہ اب وہ فریدیہ لیگ میں شامل ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اب لوگوں کو مسلم لیگ کی بجائے فریدیہ لیگ یا یونینسٹ پارٹی کو ووٹ دینے چاہئیں۔

اس گمراہ کن پراپیگنڈہ کے خلاف سید اصغر علی شاہؒ نے 27 اکتوبر 1945ء کو بستی

غلام قادر میں اپنی صدارت میں مسلم لیگ کا ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا جس میں اپنے ہاتھ سے ایک ہزار روپیہ نقد مسٹر ممتاز دولتانہ کو مسلم لیگ فنڈ کے لیے دیا اپنے عقیدت مندوں اور پیروؤں کی راہنمائی کے لیے اعلان کیا کہ مسلمانوں کی نمائندگی کی حقدار ان کی واحد جماعت مسلم لیگ ہی ہے۔

اس موقعہ پر ایک اشتہار بنام "ارشاد" کریجویٹ پریس منٹگمری سے کثیر تعداد میں چھپوا کر عوام الناس میں تقسیم کیا۔ جس میں فریدیہ لیگ یونینسٹ پارٹی کی پرزور مذمت کی۔ اس اشتہار کی عبارت کچھ یوں ہے۔

ارشاد

فضیلت مآب حضور پر نور قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت مخدوم سید اصغر علی شاہ صاحب حسن الحسینی قادر الجیلانی سجادہ نشین درگاہ حضرت سید نظام الدین بودیانوالے لاہور و درگاہ حضرت سخی پیر غلام قادر صاحب بستی پیر غلام قادر پاک پتن

"ہمارے علم میں یہ بات بڑے افسوس کے ساتھ آئی ہے کہ بعض دروغ گو اور شرپسند یہ غلط پروپیگنڈہ ہمارے عقیدت مندوں' محبوبوں اور مریدوں کو گمراہ کرنے کے لیے پھیلا رہے ہیں کہ ہم نے مسلم لیگ کی امداد کرنی چھوڑ دی ہے ہر ایک پر یہ واضح ہے کہ ہم نے مورخہ 27 اکتوبر 1945ء کو مسلم لیگ کا ایک عظیم الشان جلسہ بستی غلام قادر میں اپنی صدارت میں منعقد کیا تھا جس میں ہم نے اپنے ہاتھ سے ایک ہزار روپیہ نقد مسٹر ممتاز دولتانہ کو لیگ فنڈ میں دیا تھا اور اپنے عقیدت مندوں اور پیروؤں کی راہنمائی کے لیے اعلان کیا تھا۔ کہ مسلمانوں کی نمائندگی کی حق دار ان کی واحد جماعت مسلم لیگ ہی ہے اور ہمارے معتقدین کو یہ سن کر خوشی ہوئی ہوگی کہ ہم نے اپنے مریدوں کی سیاسی راہنمائی بالکل درست اور صحیح کی تھی جیسا کہ دھلی کی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی سو فیصدی کامیابی نے ظاہر کر دیا ہے۔

اب ہم مزید اعلان کرتے ہیں کہ ہم مسلم لیگ میں شامل ہیں اور اس کی کامیابی کے لیے ہر وقت دعا کرتے ہیں اور اپنے مریدوں و محبوبوں سے متوقع ہیں کہ وہ ہر جائز کوشش کے ساتھ مسلم لیگ کو صوبجاتی انتخاب میں کامیاب بنا دیں گے۔

اگر کوئی ہمارے متعلق یہ کہے کہ ہم یونینسٹ پارٹی یا فریدیہ لیگ کی حمایت کر

رہے ہیں تو میرے عقیدت مندوں' محبوبوں اور مشفقوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ایک سفید جھوٹ ہے۔

ہم آخیر میں پھر واضح طور پر مشتہر کرتے ہیں کہ یونینسٹ پارٹی اور فریدیہ لیگ نے انتہائی کوشش کی ہے ہم مسلم لیگ کا ساتھ چھوڑ دیں لیکن ہم نے انکار کیا ہے ہم ان سے بھی استدعا کرتے ہیں۔ کہ اس نازک وقت میں جبکہ مسلم قوم کے لیے موت و حیات کا سوال ہے۔ قوم کی خاطر اپنی جاہ و حشمت کو بھی قربان کر دیں اور لیگ میں شامل ہو کر اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔"

مسلم لیگ کی بے مثال کامیابی : مگر یہ سید حیدر امامؒ اور سید محمد شاہ ایڈووکیٹ کی شبانہ روز محنت تھی کہ ضلع منٹگمری (ساہیوال) کی چاروں مسلم نشستیں مسلم لیگ نے بھاری اکثریت سے جیت لیں اور یوں پاک پتن سے پیر مسعود چشتی نے مسلم لیگی امیدوار رانا عبدالحمید خاں (4) کے ہاتھوں شکست کھائی۔ خان بہادر نور احمد خاں نے سید عاشق حسین آف شیر گڑھ سے زندگی میں پہلی بار ہزیمت اٹھائی' اوکاڑہ سے میاں عبدالحق نے یونینسٹ امیدوار میاں چراغدین کو بھاری اکثریت سے شکست دی اور منٹگمری (ساہیوال) سے خان محمد کاٹھیا نے فتح شیر کی ضمانت ضبط کروا دی۔ تاریخ اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ مسلم لیگ کی اس سنہری کامیابی کا سہرا دراصل پاک پتن کے مجبور و مقہور افراد کے سر تھا جنہوں نے سید حیدر امامؒ سید محمد شاہ ایڈووکیٹ اور دوسرے مسلم لیگی قائدین کے ساتھ مل کر پاکستان کے مطالبے کو تقویت پہنچائی۔

سول نافرمانی کی تحریک میں پاک پتن کا کردار : 1946ء کے الیکشن میں مسلم لیگ نے 86 نشستوں میں سے 79 نشستیں جیت کر یہ ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ ملک خضر حیات ٹوانہ نے مسلم لیگ سے بغاوت کر کے ہندوؤں اور سکھوں کی مدد سے یونینسٹ وزارت قائم کر لی۔ مسلم لیگ نے اس دھاندلی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور ازسر نو انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا لہذا انتخاب کے مطالبہ سے چڑ کر یونینسٹ وزارت نے مسلم لیگ نیشنل گارڈ پر پابندی عائد کر دی مسلم لیگ کے دفاتر میں تلاشیاں لی جانے لگیں۔ اور کارکنوں کو ہر طرح سے ہراساں کیا جانے لگا' مسلم لیگ پر اسلحہ چھپانے اور غیر قانونی سرگرمیوں کا الزام لگایا گیا' چنانچہ جب پولیس مسلم لیگ لاہور کے دفتر میں تلاشی لینے کے لیے پہنچی تو مسلم لیگی

قائدین نواب ممدوٹ' میاں ممتاز دولتانہ اور میاں افتخار الدین نے مزاحمت کی' انہیں گرفتار کرلیا گیا ان حالات میں مسلم لیگ نے پنجاب کے اندر سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کیا۔ پاک پتن کے مسلم لیگی قائدین نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

خاں بہادر نور احمد خان کی کوٹھی سے متصل ایک بہت بڑا گراؤنڈ تھا۔ ہر روز مسلم لیگی قائدین اور کارکن یہاں خضر حکومت کے خلاف جلسہ کرتے' جلوس نکالتے اور اپنی گرفتاریاں پیش کرتے اس تحریک میں پاک پتن سے جن عظیم سپوتوں نے گرفتاریاں پیش کیں ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں اور جن کی تعداد ساٹھ ہے۔

(1) سید مظہر رسول شاہ (2) خان حق نواز خاں (3) شیخ غلام جیلانی ایڈووکیٹ سیکرٹری مسلم لیگ (4) میاں محمد عیسیٰ (5) محمد یعقوب گگے زئی (6) غلام محمد عباسی (7) خان محمد زمان خاں (8) جان محمد ولد صوفی کریم بخش راجپوت (9) ڈاکٹر جمال دین دندان ساز (10) سید محمد شاہ ایڈووکیٹ (11) رانا عبدالحمید (وزیر بحالیات) (12) میاں محمد عاشق راجپوت (13) پیر امام علی چشتی (14) غلام قادر راجپوت (15) عبدالعزیز چشتی (16) خان اسد اللہ خاں (17) میاں سید محمد راجپوت (18) خیر محمد مسافر (19) پیر عبید اللہ کھگہ (20) محمد بخش چغتائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

منٹگمری (ساہیوال) جیل آزادی کے متوالوں سے بھر دی گئی جب جیل میں مزید گنجائش نہ رہی تو خضر حکومت کی ہدایت کے مطابق مسلم لیگی کارکنوں کو جلسے کے بعد گرفتار کر کے لاریوں میں بٹھا کر پاک پتن سے دور بے آب و گیاہ علاقہ میں چھوڑ دیا جاتا۔ ہر مسلم لیگی کارکن اور قائدین شام تک اپنے گھروں کو پہنچ کر دوسرے دن تازہ دم ہو کر نئے جوش' ولولے اور جذبے سے خضر حکومت کے خلاف نعرے لگاتے۔ مسلم لیگی کارکنوں نے اپنے جذبوں سے سول نافرمانی کی تحریک میں اب ایک نئی "رونق" پیدا کر دی آخر خضر حکومت کو سچے جذبوں کے آگے سرنگوں ہونا پڑا۔

سول نافرمانی میں خواتین کا کردار : پاک پتن کے وہ خاندان جنہوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا من حیث المجموعہ انہی مسلم خاندانوں کی خواتین نے حصول پاکستان کی خاطر بھرپور جلسے اور جلوس نکالے اور اپنی گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ملی تقاضوں کے عین مطابق مادر وطن کے حصول کی خاطر مردوں کے شانہ بشانہ خدمات سرانجام دیں۔ ان عظیم خواتین میں والدہ محترمہ سید حیدر امام المعروف چن پیر اور زوجہ

محترمہ سید محمد شاہ ایڈووکیٹ جنابہ سکندر بیگم سرفہرست ہیں۔ اسی طرح پاک پتن کے اندر مسلم لیگ کے عظیم کارکن خان محمد زمان خان کی زوجہ محترمہ جنابہ امین فاطمہ اور ہمشیرگان محترمہ ذکیہ بیگم' محترمہ شفیہ بیگم اور محترمہ امیر بیگم ہیں۔ راجپوت خاندان میں محترمہ انور بیگم (والدہ ظہور احمد ظہور) محترمہ صابرہ بیگم (والدہ چوہدری علی احمد اشام فروش)' مرحوم و مغفوہ محترمہ سردار بیگم (والدہ راقم) محترمہ نورنیشاں (والدہ غلام قادر) ہیں۔

عباسی خاندان کی خواتین نے بھی پاک پتن کے اندر تحریک پاکستان میں پرجوش حصہ لیا اس خاندان میں محترمہ بی بی وسائی (ہمشیرہ فاضل عباسی) قابل ذکر ہیں۔ محترمہ بخشائی (ہمشیرہ محمد علی نرالا) نے بھی مادر وطن کے حصول کے لیے خدمات سرانجام دیں۔

یہ تمام خواتین بیگم جناب سید محمد شاہ ایڈووکیٹ کے گھر اکٹھی ہوتیں جہاں سے باقاعدہ جلسے اور جلوس کا اہتمام کیا جاتا۔ سول نافرمانی کی تحریک میں ان عظیم مسلم لیگی خواتین نے خضر حکومت کے خلاف پر زور احتجاجی تحریک چلائی یہ اپنے احتجاجی جلوسوں میں مسلم لیگ کے جھنڈوں کو تھامے اپنے بچوں کے ساتھ یونینسٹ خضر حکومت کے خلاف نعرے لگاتیں اور خضر حکومت کے خلاف یہ نظم پڑھی جاتی۔

جا خضر وے تینوں ہور کی کہنا
لعنت بن گئی تیرا گہنا
تیرا گندا بڑا کردار وے خضر وکمینڑیا
تینوں آوے خدا دی مار وے خضر وکمینڑیا

3 جون 1947ء آزادی ہند کے تحت یہ اعلان ہوا کہ ہندوستان کو دو خود مختار ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے گا تو اس روز پاک پتن کی مسلم لیگی کارکن خواتین نے رات کے وقت اپنے گھروں کی چھتوں پر مٹی کے دیئے جلا کر خوشی کا اظہار کیا۔ میری والدہ محترمہ نے مجھے بتایا کہ اس رات جب وہ اپنے مکان کی چھت پر دیئے روشن کر رہی تھیں تو سامنے ہندو ڈاکٹر رام ناتھ کی ہندو بیوی نے اپنے مکان کی چھت پر کھڑے ہوئے نہایت تمسخرانہ اور طنزیہ انداز میں کہا کہ

"بی بی اتنا خوش ہونے کی ضرورت نہیں پاکستان اتنی جلدی نہیں

بنے گا اور یہ کہ پاک پتن ہندوستان میں ہی ہو گا"

یہ سن کر انہیں وقتی صدمہ ہوا مگر اسے فوراً" جواب دیا کہ پاکستان انشاء اللہ خدا کے فضل سے ضرور بنے گا اور پاک پتن پاکستان میں ہی ہو گا۔ اسی دوران بڑے بھائی نے جو کہ میری والدہ کے ساتھ چھت پر دیئے جلا رہے تھے زور زور سے اونچی آواز میں نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

بن کے رہے گا پاکستان
لے کہ رہیں گے پاکستان
پاکستان زندہ باد

ان ایمانی نعروں کو سن کر ہندو عورت اپنے مکان کی سیڑھیوں سے نیچے اتر گئی اور پھر "خدا نے ہماری لاج رکھ لی اور پاکستان معرض وجود میں آگیا"

سید حیدر امامؒ کے لیے اعزاز : بابائے قوم حضرت قائد اعظمؒ ہمیشہ پاک پتن کے مسلم لیگی کارکنوں کی خدمات کے معترف رہے۔ انہیں جب موقع ملتا وہ یہاں کے مسلم لیگی قائدین اور کارکنوں کو اپنی محبت سے نوازتے سید حیدر امامؒ کو قرآن پاک اور تلوار کا تحفہ مسلم لیگی خدمات کے اعتراف کے طور پر چوہدری نذیر احمد ایڈووکیٹ نے ساہیوال سٹیڈیم میں ہزاروں افراد کے روبرو حضرت قائد اعظمؒ کی طرف سے پیش کیا۔ جو قوم کی طرف سے سید حیدر امامؒ اور پاک پتن کے مسلم لیگی کارکنوں کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا' یہ تحائف سید حیدر امامؒ نے بعد خلوص حاصل کیے اور حضرت قائد اعظمؒ کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا آج بھی یہ تحائف سید حیدر امامؒ کے عرس پر بستی تخی غلام قادر میں زائرین کو دکھائے جاتے ہیں۔

سید محمد شاہ ایڈووکیٹ کا اعزاز : جولائی 1947ء میں لاہور ہائی کورٹ میں پاکستان کے قیام کے سلسلہ میں باؤنڈری کمیشن سے متعلقہ کیس زیر سماعت تھا۔ اس کیس میں ہندوؤں کی یہ بھرپور کوشش تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح پاک پتن جو کہ صدیوں سے ہندوؤں کا مذہبی تیرتھ رہا تھا' ہندوستان میں ہی شامل رہے۔ ہائی کورٹ میں اس کیس کی پیروی کے لیے بابائے قوم حضرت قائد اعظمؒ نے سر ظفر اللہ خاں اور سید محمد شاہ ایڈووکیٹ کو نامزد کیا۔ سید محمد شاہ ایڈووکیٹ نے مزید قانونی اعانت کے لیے صاحبزادہ نوازش علی اور شیخ نثار احمد ایڈووکیٹ منٹگمری (ساہیوال) کو اپنے ساتھ شامل کیا۔ ان

دنوں کالونی اسسٹنٹ پاک پتن کے دفتر میں ملک محمد یار اور محمد یار خاں مسلمان اہلکار تھے۔ یہ دونوں مسلمان اہلکار اپنے انگریز اور ہندو افسران سے خفیہ طور پر رات کی تاریکی میں لالٹینیں یا دیے کی مدد سے اپنے دفتر کی فائلوں سے پاک پتن سے متعلقہ کوائف تلاش کرتے اور پھر انہیں سید افضل حیدر (سابق وزیر قانون) کے ذریعے (جو ان دنوں ایف سی کالج لاہور کے طالب علم تھے) ہائی کورٹ لاہور پہنچائی جاتیں۔ یہ معلومات اس علاقے میں مسلمانوں کے کوائف سے متعلقہ ہوتیں کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی کتنی تعداد ہے' ان کے پاس کتنی زمینیں ہیں اس علاقے کے مسلمان کتنا آبیانہ دیتے ہیں۔ دراصل انہی کوائف معلومات اور شماریات کی بنا پر سید محمد شاہ ایڈووکیٹ نے پاک پتن کی قسمت کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں کیے جانے کا بندوبست کر لیا تھا۔ ویسے ہندوؤں کی یہ بھرپور کوشش تھی کہ وہ دریائے ستلج کے شمالی کنارے پر آباد اس قدیم شہر کو بھارت ہی میں ضم رکھیں تاکہ مذہبی تیرتھ ہونے کے ساتھ ساتھ دریائے ستلج پر واقع ہیڈ سلیمانکی بھی ان کے قبضہ میں آجائے۔ قیام پاکستان سے چند ماہ قبل یہاں کے ہندوؤں نے باقاعدہ اپنے محلوں کی گلیوں اور بازاروں کو آہنی دروازوں سے محفوظ بنانا شروع کر دیا تھا۔ پاک پتن کی غلہ منڈی کو گیٹ لگا کر اس غرض سے محفوظ کر لیا کہ بٹوارے کے وقت ہندوؤں کی جائیدادوں اور کاروبار کو اس شہر کے اندر کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔

3 جون 1947ء آزادی ہند کے اعلان کے بعد حضرت قائد اعظمؒ نے جسٹس دین محمد اور جسٹس محمد منیر کے علاوہ پاک پتن کے عظیم مسلم لیگی لیڈر سید محمد شاہ ایڈووکیٹ کا نام نامی بطور ریزرو ممبر پنجاب باؤنڈری کمیشن میں شامل کیا۔ جس کا کام پنجاب کی سرحدوں کا تعین کرنا تھا اور یوں یہ بے مثل اعزاز پاک پتن کے نصیب میں قدرت نے خوشنما حروف میں کندہ کر دیا۔ لہٰذا جب 14 اگست 1947ء کو مملکت خدا داد پاکستان معرض وجود میں آئی تو پاک پتن بھی اسی ہلالی سرزمین میں شامل تھا۔ جس کا تقدس' جس کی عظمت اور تعمیر اب ہم سب کا فرض ہے۔

سید حیدر امامؒ کی وفات : دیہی علاقوں اور کچی سڑکوں کے دن رات کے سفر اور تپ محرقہ کے بعد فوری طور پر الیکشن کی شب و روز تگ و دو نے آپ کو تپ دق جیسے موذی مرض میں مبتلا کر دیا۔ علاج معالجہ کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مگر قضا کو کون روک

سکتا ہے؟ چند ماہ کی علالت کے بعد 29، ستمبر 1946ء بوقت آٹھ بجے شب مسلم لیگ کا یہ چاند ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ وفات کے وقت آپؒ کی عمر 27 سال تھی۔

سید حیدر امامؒ کو خراج عقیدت : چوہدری نذیر احمد ایڈووکیٹ ممبر مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی نے مسلم لیگ کے ہفت روزہ جریدے "پاکستان" لاہور کی 12، اکتوبر 1946 کی اشاعت میں وطن کے اس نونہال مرد حق کو یوں خراج عقیدت پیش کیا۔

"مرحوم اسم با مسمیٰ چاند تھے جو کہ صرف اپنے والدین یا عزیز و اقارب کے لیے ہی نہیں بلکہ اپنے محاسن کی وجہ سے ساری قوم کے لیے چاند تھے"

چن پیرؒ نے باوجود ایک مہلک مرض میں مبتلا ہونے کے مسلم لیگ کے لیے دن رات ایک کر دیے اور جس بے غرض خدمت' نفس کشی اور قوم کے لیے انتہائی جدوجہد کا ثبوت دیا۔ وہ بڑے بڑے اشتہاری لیڈروں کے لیے درس حیات بن سکتا ہے چن پیرؒ نے اپنے نحیف جسم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آہنی عزم سے مسلم لیگ کی حمایت کا جھنڈا ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں بلند کیا اور بے لوث خدمات سے ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ ضلع منٹگمری میں یہ بات قابل تسلیم ہے کہ گزشتہ انتخابات میں مسلم لیگی فتح کا باعث صرف چن پیرؒ کا مجاہدانہ عمل تھا۔ ضلع کے باہر شاید کم لوگ جانتے ہوں گے کہ ضلع منٹگمری میں یونینسٹوں کو چن پیرؒ کے بغیر شکست دینا ناممکن تھا

"چن پیرؒ نہ صرف ایک بڑے بزرگ خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ بلکہ خود ایسے اوصاف حمیدہ کا مالک تھا جو کہ دنیا کی عظیم ہستیوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ انکساری' محبت' خوش کلامی' معاملہ فہمی اور خدمت قوم کا بے لوث جذبہ جو ہمارے ممتاز گھرانوں میں خال خال نظر آتے ہیں"۔ (12)ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا

آئے دن اخبارات میں محب وطن تاریخ ساز ہستیوں کے حالات زندگی نظر سے گزرتے ہیں مگر چن پیرؒ مجاہد کی شان میں آج تک کوئی قلم جنبش میں نہیں آیا۔ سوچا کہ کہیں پاکستان کے اس شیدائی کا نام تاریخ سے محو نہ ہو جائے جو تاریخ ساز ہوتے ہوئے بھی پاکستان کو نہ دیکھ سکا۔ جو کہ اس کی خواہشوں کی منزل مقصود تھا۔ یہ چند حروف رقم کر دیے ہیں۔ انھیں خراج عقیدت کہہ لیجیے یا تاریخ کا ایک پارینہ ورق ہے۔

سید حیدر امامؒ کی ناگہانی موت کے بعد پاک پتن کے عوام "سیاسی یتیم" ہو چکے

تھے مسلم لیگ کی بے مثل کامیابی سے یونینسٹ بے حد مرعوب ہوئے تو وہ مارچ 1947 میں جست لنگوری کے ساتھ مسلم لیگ میں شامل ہو کر ہر عہد میں برسراقتدار رہے وقت کی مجبوری کے تحت یہ لوگ مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے لہٰذا انھیں تحریک پاکستان کے کارکنوں سے کوئی دلی محبت نہ تھی۔ چنانچہ وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ اس یونینسٹ ٹولہ نے مسلم لیگی کارکنوں کو شعوری اور لاشعوری طور پر گمنامی' بے بسی' غربت' بے روزگاری' افلاس اور جہالت کی دبیز تہوں میں دھکیلنا شروع کر دیا۔ وہ عظیم مسلم لیگی کارکن جنھوں نے پاکستان کے قیام کے لیے' پاک پتن کے اندر اپنی جوانیوں کی بہاریں قربان کر دیں اب ان کا یہاں کوئی پرسان حال نہ تھا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ لوگ خستہ حال ہو گئے مگر اپنی انا کو قائم رکھے ہوئے پھر بھی یہ عظیم لوگ اپنے وطن کی تعمیر میں مصروف ہیں۔

جب گلستاں کو خوں کی ضرورت پڑی
سب سے پہلے ہی گردن ہماری کٹی
پھر بھی کہتے ہیں ہم سے یہ اہل چمن
یہ چمن ہے ہمارا تمہارا نہیں

حوالہ جات

(1) بحوالہ ظہور پاکستان از چوہدری محمد علی

(2) بحوالہ تحریک و تاریخ پاکستان از سید مسعود حیدر بخاری

(3) والد گرامی میاں غلام فرید چشتی

(4) ریٹائرڈ کرنل

(5) ہفت روزہ بندگی صفحہ نمبر 36' 35

(6) راقم کے والد گرامی

(7) راقم کے حقیقی ماموں

(8) والد گرامی چوہدری محمد اقبال (ٹیچر)

(9) بحوالہ عالمی مشائخ کانفرنس منعقدہ 1994ء صفحہ نمبر 19

(10) ہفت روزہ بندگی جنوری 1991ء صفحہ نمبر 53' 52

(11) سابق وزیر بحالیات

(12) ہفت روزہ پاکستان 12، مارچ 1946ء لاہور

کل مشورے ہونے ہیں غیروں کی انجمن میں   یہ چاند وہ نہیں ہے آجائے جو گہن میں

حضرت سید پیر اصغر علی شاہ صاحب گیلانی و صاحبزادہ سید امیر حیدر امام (رحمن پیر)

مسلم لیگ ضلع منٹگمری کی طرف سے یہ قرآن مجید اور تلوار جن پیر صاحب کو اُن کے کارہائے نمایاں پر خان بہادر نذیر احمد صاحب نے پیش کی

1946ء میں خضر حکومت کے خلاف پاکپتن کی خواتین کا جلوس
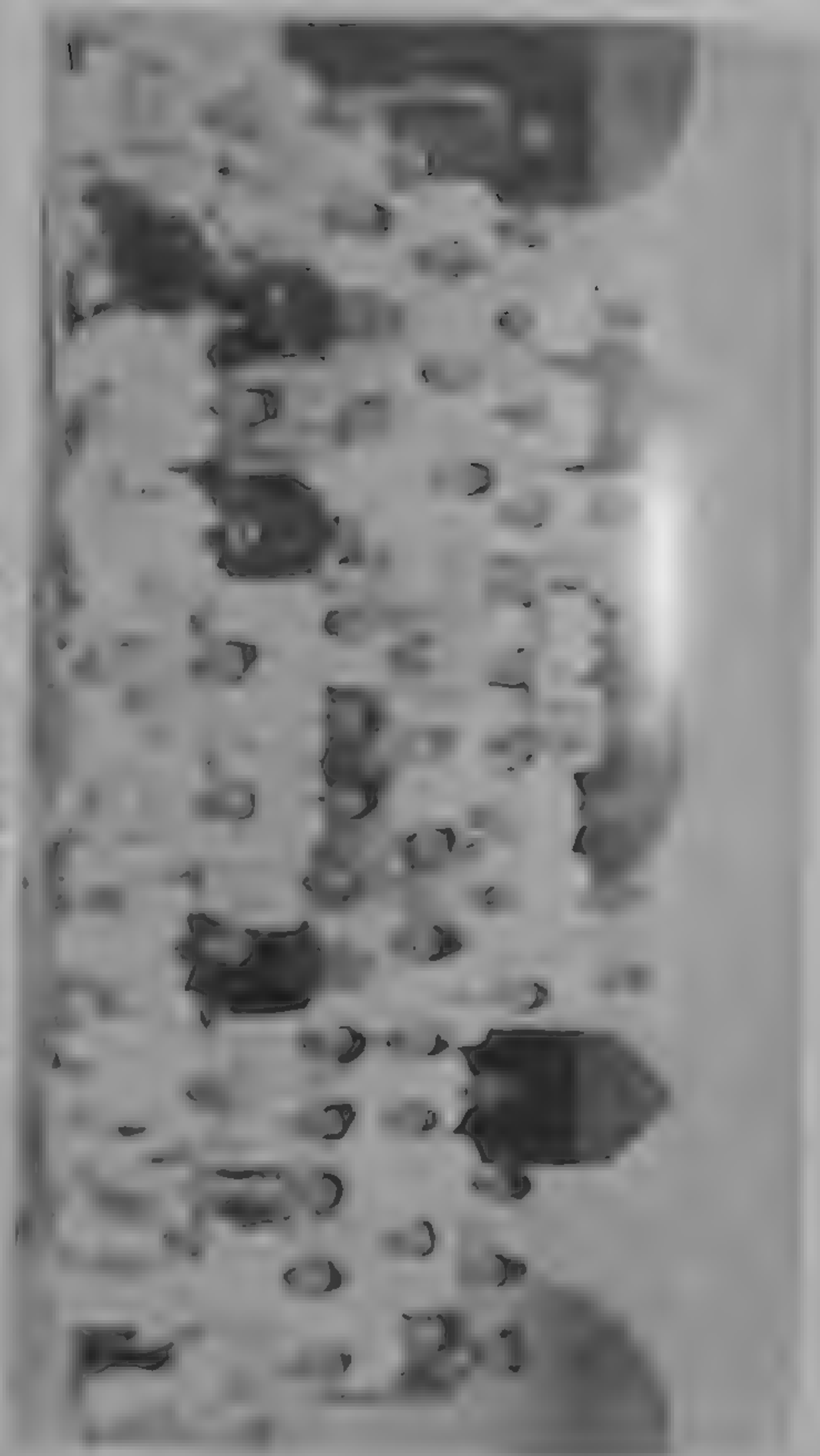
حصہ پنجم

قیام پاکستان سے تاحال

1947ء تا 1994ء

بشمول

پاک پتن ضلع کیسے بنا؟

عصر حاضر کا پاک پتن

قیام پاکستان کے بعد پاک پتن کے تاریخی حالات

(1947ء تا 1997ء)

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی صدیوں پر محیط سیاسی جدوجہد اور تاریخی عمل کے کامیاب منطقی نتیجہ کے طور پر 14ر اگست 1947ء کو پاکستان ایک آزاد اسلامی ریاست کے طور پر دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوا۔ تو ضلع منٹگمری (ساہیوال) بھی اسی ہلالی پرچم کے زیر سایہ تھا۔ جس کے حصول کے لیے یہاں کے مسلم لیگی باسیوں نے ہر آن قربانیاں پیش کی تھیں لہذا یوم آزادی کے موقع پر یہاں کا ہرباسی خدا کے حضور سجدہ ریز تھا کہ آج انہیں انگریز استعمار اور ہندو استحصال سے نجات ملی اور وہ آزادی کے بے پایاں نعمت سے مالا مال ہوئے۔

یوم آزادی کی تقریب : 15ر اگست کو پاک پتن کے عظیم مسلم لیگی قائدین اور کارکنوں نے باقاعدہ یوم آزادی کی تقریب کا اہتمام کیا۔ اس تقریب کا انعقاد تحصیل آفس پاک پتن "بڑ" کے درخت کے نیچے کیا گیا۔ یوم آزادی کی اس شاندار تقریب کی صدارت عظیم مسلم لیگی لیڈر سید محمد شاہ ایڈووکیٹ (صدر مسلم لیگ پاک پتن) اور سید اصغر علی شاہ نے کی تقریب کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ تلاوت مشہور مسلم لیگی کارکن سید مظہر الرسول اجمیری نے کی۔ پاک پتن میں اس وقت کے ایس ڈی ایم سردار اورنگ زیب خان نے رسم پرچم کشائی ادا کی۔ جبکہ مہر طالب حسین ایس ایچ او پاک پتن نے پولیس دستہ کی معیت میں پاکستانی پرچم کو سلامی پیش کی۔ اس تقریب میں شیخ محبوب جیلانی ایڈووکیٹ (سیکرٹری مسلم لیگ پاک پتن) خیر محمد مسافر، ڈاکٹر جمال دین، میاں محمد عیسیٰ، حق نواز خاں، شاہنواز خاں، خاں محمد زمان خان، پیر امام علی چشتی، چوہدری بہادر علی، صوفی کریم بخش، حاجی سید محمد، جان محمد راجپوت، غلام قادر راجپوت نے نہایت جوش و خروش سے حصہ لیا۔

یوم آزادی کی اس تقریب میں ہندوؤں کی طرف سے رائے بہادر بشیشر ناتھ وج، رام سرہنڈا، لکھو راج وج، رام رکھامل، کرم داس ٹھاکر، بابا ہرت سنگھ، پاک پتن کے اے ڈی ایم بابا نانک سنگھ، رائے بہادر گنگا بشن اور نند رام ایڈووکیٹ نے شرکت کی۔

سید محمد شاہ ایڈووکیٹ نے خطبہ صدارت کے دوران پاک پتن کے اندر غیر مسلم رعایا کو مکمل تحفظ کا یقین دلایا اور یہ وعدہ کیا کہ ان کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جائے گا۔ ان کی تقریر کے بعد ہندوؤں کی طرف سے رائے بہادر بشیشر ناتھ وج نے مسلم لیگ کے نیک جذبات کا خیر مقدم کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اب ان کے تمام وسائل آنے والے مسلمان مہاجرین اور پاکستان کے لیے حاضر ہیں۔ مگر وہ ہی دنوں کے اندر مشرقی پنجاب میں سکھوں کے ظلم و بربریت، قتل و غارت اور انسانیت سوز مظالم نے ہر جگہ ماحول کو سخت کشیدہ کر دیا تو ایسے میں یہاں کی غیر مسلم اقوام یہاں کے بڑے بڑے جاگیرداروں کی حفاظت میں ہیڈ سلیمانکی کے راستے پاکستان کی سرحد عبور کر کے بحفاظت ہندوستان پہنچ گئیں۔

مہاجرین کی آبادکاری : قیام پاکستان کے وقت دوسرے شہروں کی طرح یہاں بھی لٹے پٹے خاک و خون میں لت پت خستہ حال مگر غیرت ایمانی سے معمور مہاجرین کے قافلے پناہ گزیں ہوئے۔ پاک پتن میں آباد ہونے والے مہاجرین کی اکثریت کا تعلق ہندوستان کے ضلع فیروز پور، جالندھر، امرتسر، ہوشیار پور سے تھا۔ علاوہ ازیں چند بزرگ خاندان جن کا روحانی تعلق حضرت بابا فریدؒ کے ناطے اس شہر سے قائم تھا۔ وہ بھی 1947ء میں دہلی، ہانسی اور بسی شریف سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہو گئے۔ ان مہاجر بھائیوں کی آباد کاری اور معمولات زندگی کی بحالی میں اس وقت پاک پتن کے مسلم لیگی قائدین اور کارکنوں نے اسلامی اخوت اور مواخات کے تحت بھرپور حصہ لیا۔ ہندوؤں کی جائیدادیں ان مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دی گئیں۔ اس وقت بھی مسلم لیگی قائدین نے مہاجر بھائیوں کی آبادکاری، بحالی اور مالی امداد میں بھرپور حصہ لیا۔

پاک پتن میں مہاجرین کی آباد کاری کے سلسلہ میں سید محمد شاہ ایڈووکیٹ، میاں نور احمد لالیکا، اور خان محمد زمان خان کی ملی خدمات قابل ذکر ہیں، انہوں نے ہندوؤں کا متروکہ مال و اسباب مہاجرین میں تقسیم کیا۔ ایک مکان ایک دوکان مسلمان مہاجرین کو دی گئی۔ اس سلسلہ میں اس وقت کے ایس ڈی، ایم (اے۔ سی) جناب اورنگ زیب نے قومی جذبہ کے تحت مہاجرین کی بحالی میں بھرپور کردار ادا کیا ان کے علاوہ مسلم لیگی کارکنوں میں میاں محمد عاشق راجپوت، میاں محمد عیسیٰؒ میاں محمد موسیٰ، ڈاکٹر جمال دین، پیر زادہ محمد انور عزیز چشتی، میاں خیر محمد مسافر، جان محمد راجپوت (1)، اور ان کے حقیقی

بھائیوں اور پسران صوفی کریم بخش کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

قیام پاکستان کے وقت پاک پتن میں چوہدری فتح محمد (2) مشہور ٹرانسپورٹر تھے انہوں نے ہیڈ سلیمانکی کے پار پاکستان کی سرحد سے زخمی، معذور، لاچار، حاملہ خواتین، بوڑھے، مریض اور بچوں کو جو پیدل چلنے سے قاصر ہوتے، بحفاظت پاک پتن لانے کے لیے اپنی ایک بس مسلم لیگی زعماء کے حوالے کر رکھی تھی۔

ان دنوں سید محمد شاہ ایڈووکیٹ کے دو فرزند ڈاکٹر سید ظفر حیدر (ایف آر سی ایس) اور ڈاکٹر سید عباس حیدر میڈیکل کالج کے طالب علم تھے۔ وہ باقاعدہ پاک پتن کے اندر زخمی اور بیمار مہاجرین کا علاج معالجہ کرتے تھے۔

سیاسی حالات : 11/ ستمبر 1948ء کی شب ہماری قومی زندگی میں ایک منحوس رات تھی اس رات ہمارے محسن اور خالق پاکستان حضرت قائداعظم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم سے بچھڑ گئے۔ پاک پتن میں بابائے قوم کی وفات کی خبر مسلم لیگی کارکنوں پر بجلی بن کر گری۔ مشہور مسلم لیگی کارکن ایک پرانی طرز کی موٹر کار پر رو رو کر لاؤڈ اسپیکر پر حضرت قائد اعظم کی وفات کا اعلان کر رہے تھے اور پھر کئی روز تک پاک پتن کی فضا سوگوار رہی حضرت قائد اعظم کی وفات کے بعد جب ملکی سطح پر مسلم لیگ انتشار کا شکار ہوئی تو یہاں پاک پتن میں پرانے یونینسٹ نئے مسلم لیگی قائدین کی صورت میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر قابض ہو گئے۔

اگرچہ قیام پاکستان کے بعد پاک پتن کی سیاسی زندگی پر جناب دیوان غلام قطب الدین کا طوطی بولتا رہا ان دنوں آپ "سرکار" کے لقب سے پاک پتن میں مشہور تھے۔ لیکن اس عرصہ میں انہوں نے صوبائی اور ملکی معاملات میں کوئی اہم کردار ادا نہ کیا تاہم ان کے برادر نسبتی میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا نے ان کی روحانی سیادت و قیادت سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے بطور رئیس بلدیہ پاک پتن اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔

چونکہ یہ علاقہ صدیوں سے جاگیردارانہ معیشت کی استحصالی چکی میں پستا رہا اس لیے یہاں کے باسی نفسیاتی طور پر جاگیردار طبقہ کے خلاف تھے لہٰذا لوگوں کی اس چشمک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے راؤ برادری کے سربراہ راؤ محمد ہاشم خاں ایڈووکیٹ نے پاک پتن کے اندر مہاجرین کے حقوق کے تحفظ کے نعرے پر اپنی سیاست کی بنیاد رکھی اور مقامی جاگیردار سیاستدانوں کے مقابلے میں بلدیاتی انتخابات میں اپنی شخصیت کو متعارف

کروانا شروع کیا۔

جہاں تک اس دور میں پاک پتن کی معاشی زندگی کا تعلق ہے اس عہد میں لوگوں کی معاشی آسودگی کے لیے کوئی منصوبہ بندی نہ کی گئی تاہم اس دور میں پاک پتن کی تعلیمی ضرورتوں کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے پاک پتن کے عظیم مسلم لیگی قائد جناب سید محمد شاہ ایڈووکیٹ اور دوسرے مخیر حضرات نے ایک نئے ہائی سکول کے اجراء کا منصوبہ بنایا۔ پھر اس عہد میں گورنمنٹ گرلز مڈل سکول پاک پتن کو ہائی کا درجہ دے دیا گیا۔

فاضلکا اسلامیہ ہائی سکول کا قیام : جناب سید محمد شاہ ایڈووکیٹ نے 1952ء میں پاک پتن کے اندر فاضلکا اسلامیہ ہائی سکول کے قیام کے لیے باقاعدہ ایک تنظیمی باڈی تشکیل دی جو حسب ذیل عہدے داروں پر مشتمل تھی میاں محمد سرور بودلہ کو سکول کے قیام کے لیے بطور صدر چنا گیا جبکہ خود جناب سید محمد شاہ صاحب نے بطور سیکرٹری اپنی اعزازی خدمات وقف کیں۔ میاں محمد حسن بھٹی ایڈووکیٹ ساہیوال بطور منیجر مقرر ہوئے جناب محمد اسلم اویس، ایس ڈی ایم پاک پتن کا بطور پریذیڈنٹ تقرر عمل میں آیا چنانچہ 1954ء میں ابتدائی طور پر عیدگاہ پاک پتن میں سکول کا اجراء کیا گیا۔ پھر ہندو اوقاف سے سکول کے لیے موجودہ جگہ حاصل کی گئی سکول کی تعمیر کے لیے مخیر حضرات نے دل کھول کر عطیات دیے مقامی جاگیرداروں میں میاں خدایار خاں مانیکا آف بنگہ حیات اپنی زندگی کے دوران مسلسل ایک ہزار روپیہ سالانہ سکول کی مالی اعانت فرماتے رہے جناب محمد اسلم اویس ایس۔ ڈی۔ ایم نے ہندوؤں کے مشہور و معروف مندر "سمادھاں" کی چار دیواری کا کچھ اوپر والا حصہ گرا کر اس کی اینٹوں سے سکول کا ہال کمرہ اور اس سے ملحقہ تمام عمارت تعمیر کروائی۔

جناب سید محمد شاہ ایڈووکیٹ کی وفات کے بعد مولوی منظور احمد اختر ایڈووکیٹ، سید شمشیر علی شاہ ایڈووکیٹ، چوہدری شاہدین محمد ایڈووکیٹ کی مشترکہ تعلیمی کاوشوں نے اس ادارے کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا سچ تو یہ ہے کہ یہ ادارہ جناب سید محمد شاہ ایڈووکیٹ کی مخلصانہ قیادت اور تعلیم سے گہرے لگاؤ کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ایوبی دور میں پاک پتن (59 تا 69) : ایوبی عہد میں پاک پتن سیاسی لحاظ سے چشتی و مانیکا خاندان کی وجہ سے صوبائی و ملکی سطح پر متعارف رہا۔ عہد ایوبی میں جناب

دیوان غلام قطب الدین کنونشن مسلم لیگ کی طرف سے قومی اسمبلی کے ممبر تھے۔ مزید اس وقت مغربی پاکستان کے گورنر نواب ملک امیر محمد خان سے ان کے ذاتی مراسم تھے۔ جس کی وجہ سے ایوبی دور میں یہاں چشتی خاندان کو مکمل سیاسی برتری حاصل رہی۔ پھر اس عہد میں میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا نے کنونشن مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے صوبائی اسمبلی کا انتخاب جیت کر بطور پارلیمانی سیکرٹری (واپڈا) صوبائی سیاست میں قدم رکھا۔

پاک پتن کے مخصوص معروضی حالات کے پیش نظر یہاں چند ترقی پسند شخصیات جن میں ڈاکٹر غفار احمد۔ سید عرفان حیدر زیدی، عبدالحمید شیرازی، شیخ محمد اسلام، ماسٹر سلیمان عشرت، ڈاکٹر منیر احمد، محمد دین، غلام فرید (ٹیلر) اور ماسٹر بشیر احمد (ٹیلر) نے پاک پتن کے اندر نیشنل عوامی پارٹی کی بنیاد رکھی۔ پاک پتن کی سیاسی زندگی اور مقامی معاملات میں یہ لوگ اکثر و بیشتر راؤ محمد ہاشم خاں کے ہم رکاب اور حلیف رہے۔ مزید پاک پتن کے اندر انتظامیہ کی طرف سے زیادتی اور معاشرتی بے انصافی کے خلاف یہ لوگ سراپا احتجاج بن جاتے اس دور میں ان لوگوں نے اپنے ترقی پسندانہ خیالات اور مارکسی معاشی نظریات کے پرچار کے لیے نیپ کے قائدین جن میں خاں عبدالولی خاں، میاں محمود احمد قصوری، سی آر اسلم، مولانا بھاشانی، راؤ مہروز خاں، عابد منٹو، مرزا ابراہیم، عارف افتخار، قسور گردیزی اور سردار شوکت حیات کو یہاں بلواتے اور لوگوں کو جاگیردارانہ معیشت کے خلاف انقلابی اقدامات پر ابھارتے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ 1965ء کے صدارتی انتخابات میں جہاں پنجاب کے جملہ سرکردہ جاگیردار گھرانے ایوبی اقتدار سے وابستہ تھے اور انہوں نے مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے مقابلے میں ایوب خاں کی بھرپور مدد کی تو ایسے میں پاک پتن کے جاگیردار بھی ایوبی اقتدار سے وابستہ رہے مگر پاک پتن کے باسیوں نے حسب سابق قائد اعظم اور محترمہ فاطمہ جناح سے اپنی بے پناہ دلی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے جمہوری اور نظریاتی اقدار کی بالا دستی کو قائم و دائم رکھا۔ اس الیکشن میں ملتان ڈویژن میں صرف پاک پتن ہی ایک ایسا مرکز تھا۔ جہاں محترمہ فاطمہ جناح ایوب خاں کے مقابلے میں فتح یاب ہوئیں یہ اعزاز بلاشبہ اس وقت کے پرانے مسلم لیگی کارکنوں کی بدولت پاک پتن کو نصیب ہوا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس الیکشن میں سید علی شاہ، سید اکبر علی شاہ

عرائض نویس، محترمہ فاطمہ جناح کی طرف سے پولنگ ایجنٹ تھے، جبکہ پیر عبید شاہ گھگہ (3)، میاں فیض احمد جوئیہ (4) اور میاں محمد سرور جوئیہ نے نہایت ایمانی جرات سے محترمہ فاطمہ جناح کی مدد کی مگر ان تمام حقیقتوں کے باوجود یہاں کی مقتدر سیاسی شخصیات نے اس عہد میں پاک پتن کی معاشی اور معاشرتی بہتری کے لیے کوئی مثبت اقدامات نہیں کیے مغربی پاکستان کے گورنر ملک امیر محمد خاں ذاتی طور پر جناب دیوان غلام قطب الدین کا غائت درجہ احترام کرتے تھے اگر اس وقت جناب دیوان صاحب پاک پتن کی معاشی، معاشرتی، تعلیمی ترقی میں دلچسپی لیتے تو آج یہ علاقہ معاشی لحاظ سے آسودہ حال ہوتا مگر ایسا نہ ہوا۔ تاہم اس دور میں میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا نے بطور پارلیمانی سیکرٹری (واپڈا) یہاں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو واپڈا میں ملازمتیں دلوائیں اور مقامی مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ یہاں کے باسیوں سے عوامی رابطہ مہم بھی جاری رکھی۔ اپنی وٹو برادری کے شانہ بشانہ دوسری اقوام سے بھی تعلقات قائم کیے جو آنے والے وقتوں میں ان کے لیے بے حد سود مند ثابت ہوئے۔

اس دور کی یہ بھی ایک سیاسی حقیقت ہے کہ جناب دیوان غلام قطب الدین کی سفارش پر ہی میاں غلام یاسین خاں وٹو کو نواب امیر محمد خان نے اپنی صوبائی کابینہ میں بطور وزیر تعلیم شامل کیا جو ایوبی دور میں مسلسل دس سال بطور سینئر وزیر لیلائے وزارت کے مزے لوٹتے رہے مگر مقام افسوس ہے کہ انہوں نے بھی بطور وزیر تعلیم شہر فریدؒ کی تعلیمی ضروریات کی طرف کوئی توجہ نہ دی جب کہ یہاں کے باسی پاک پتن کے اندر کالج کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرنے لگے لوگوں کی اس ضرورت کے پیش نظر گورنمنٹ ہائی سکول پاک پتن کے ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر قاضی عبدالقدیر ہاشمی نے بسم اللہ سرائے کے اندر بابا فریدؒ اسلامیہ کالج کا افتتاح کیا۔ راؤ قمر الدین، ابو مظفر غلام محی الدین کالج کے پہلے لیکچرار بھرتی ہوئے۔

فریدیہ کالج کا قیام : انہی ایام میں وفاقی وزیر تعلیم جناب محمد علی ہوتی اپنے پیرو مرشد جناب میاں علی محمد خاں صاحب آف بسی شریف کی قدم بوسی کے لیے مردان سے پاک پتن تشریف لائے تو پاک پتن کی چند ممتاز شخصیات جن میں سید شمشیر علی شاہ ایڈووکیٹ اور مولوی منظور احمد اختر ایڈووکیٹ نے انجمن فریدیہ کے پلیٹ فارم سے وزیر موصوف کے سامنے کالج کی ضرورت کا مطالبہ پیش کر دیا۔ پاک پتن میں اس وقت

سابقہ صدر پاکستان جناب سردار فاروق احمد لغاری بطور ایس ڈی ایم تعینات تھے لہٰذا انہوں نے ساہیوال کے ڈپٹی کمشنر سے باضابطہ اجازت حاصل کر کے ہندوؤں کے مندر "سادھاں" کو کالج کے لیے مہاجرین (پناہ گزیں) سے خالی کروانے کی کاروائی کا آغاز کیا اور ان کو اس مندر کے قریب متبادل رہائشی پلاٹ دینے شروع کیے۔ اب یہ جگہ محلہ انعام آباد کی شکل میں پاک پتن میں موجود ہیں۔ جناب فاروق لغاری کے تبادلے کے بعد مسٹر حفیظ اللہ اسحاق ایس ڈی ایم نے باقاعدہ 1967ء میں "سادھاں" کے اندر انٹر فریدیہ کالج کی بنیاد رکھی، چیف سیکرٹری پنجاب نے کالج کی افتتاحی رسم ادا کی۔ کالج کی عمارت تنگ و تاریک ہونے کی بناء پر تعلیمی ماحول کے لیے مناسب نہ تھی۔ لہٰذا فوری طور پر "انجمن فریدیہ" کے زیر اہتمام راؤ بسم اللہ خاں کو کالج کی عمارت کو تعلیمی ماحول میں ڈھالنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ 1972ء میں یہ کالج قومی تحویل میں لیا گیا پھر 1975ء میں اسے ڈگری کا درجہ دے دیا گیا مگر عمارت ابھی تک نامکمل ہے۔

پاک پتن کی اس عظیم درسگاہ کی بدولت پاک پتن کے غریب اور متوسط خاندان بھی اب اس قابل ہو رہے ہیں کہ ان کے چشم و چراغ ملک کے پیشہ وارانہ اداروں میں داخل ہو کر ملک و قوم کی خدمت کر سکیں المختصر اس کی شکستہ حال نامکمل عمارت یہاں کی سیاسی شخصیات کی علم سے بے رغبتی کا ثبوت فراہم کر رہی ہے اب اس کالج کی نامکمل عمارت کئی سالوں کے سخت انتظار کے بعد تکمیلی مراحل میں داخل ہو چکی ہے۔

یحییٰ اور بھٹو دور میں پاک پتن (1970ء۔1977ء) : 1970ء کے الیکشن میں دیوان غلام قطب الدین نے قیوم مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے پیپلز پارٹی کے امیدوار راؤ محمد ہاشم خاں کے مقابلے میں ایم این اے کا الیکشن لڑا اس الیکشن میں راؤ ہاشم خاں پاک پتن سے جیت گئے اسی طرح میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا نے بطور ایم پی اے قیوم مسلم لیگ کے ٹکٹ پر پیپلز پارٹی کے امیدوار میاں غلام فرید چشتی کے مقابلے میں الیکشن لڑا۔ مگر شکست کھائی اس انتخابی مہم کے دوران جناب ذوالفقار علی بھٹو خود پاک پتن تشریف لائے درگاہ حضرت بابا فریدؒ پر حاضری کے بعد ریلوے گراؤنڈ میں جلسہ سے خطاب کرنے کے لیے پہنچے مگر آندھی اور بارش کی وجہ سے کھل کر دل جمعی سے تقریر نہ کر سکے۔

اس الیکشن کے بعد پاک پتن کی تاریخ میں پہلی بار جاگیردار سیاست دانوں کی جگہ پاک پتن کے حزب اختلاف کے قائدین برسر اقتدار آئے تو یہاں کے باسیوں کو راؤ محمد ہاشم خاں اور میاں غلام فرید چشتی سے اپنے معاشی اور معاشرتی حالات کی بہتری کے لیے کئی توقعات وابستہ تھیں ویسے بھی یہ الیکشن "روٹی کپڑا اور مکان" کے نعرے پر جیتا گیا مگر ناسازگار سیاسی حالات کی بناء پر عوام کی امیدیں اور توقعات پوری نہ ہو سکیں بقول راؤ محمد ہاشم خاں۔

"سقوط ڈھاکہ کے بعد ملکی استحکام اور آئین سازی کی اشد ضرورت تھی جس کے لیے میں نے قومی اسمبلی کے اندر بھرپور کردار ادا کیا اور جہاں تک وفاقی گرانٹ کا تعلق ہے مجھے اس وقت تین لاکھ گرانٹ ملی جو میں نے رفاہی کاموں پر خرچ کر دی"۔

مجموعی طور پر 1970ء سے 1977ء کے دوران پاک پتن کے سیاسی معاشی اور معاشرتی حالات تیزی سے روبہ زوال ہوئے۔ لوگ ہراساں رہے۔ شرفاء اور سفید پوش لوگوں کو پریشان کیا گیا اس دور میں ہر طبقہ کے درمیان نفرت کینہ اور دشمنی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ جس کی وجہ سے پاک پتن کے اندر مزارعہ زمیندار مالک اور کرایہ دار' مزدور اور کارخانہ دار کے درمیان تنازعات پیدا ہوئے۔ کوٹھیوں' ڈیروں' تھانوں اور کچہریوں میں "رونقیں" لگ گئیں جہاں تک پاک پتن میں مسلم لیگی امیدواروں کا تعلق تھا۔ اس الیکشن کے بعد دیوان غلام قطب الدین سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو گئے اب انہوں نے اپنی بقیہ زندگی نہایت امن و سکون سے پاک پتن کے قریب موضع شام لاٹ میں گزاری اور یوں "کلیتا" سیاسی میدان مانیکا خاندان کے لیے خالی کر دیا گیا۔ پھر 1977ء کے الیکشن میں پاک پتن سے قومی اسمبلی کی نشست کے لیے چوہدری بشیر احمد ایڈووکیٹ اور صوبائی اسمبلی کے لیے ڈاکٹر غفار احمد پاکستان قومی اتحاد کے نامزد امیدوار تھے ان کا مقابلہ پیپلز پارٹی کے راؤ محمد ہاشم خاں اور سید افتخار حسین شاہ ایڈووکیٹ سے تھا۔ جب کہ دوسری نشست پر میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا نے یہ الیکشن پیپلز پارٹی کے ٹکٹ پر لڑا۔ اس الیکشن میں پاکستان قومی اتحاد کے امیدوار شکست کھا گئے پیپلز پارٹی کی طرف سے میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا کو صوبائی وزارت

خوراک کا قلمدان عنایت کیا گیا۔

تحریک نظام مصطفےٰ : 1977ء کے الیکشن میں وسیع پیمانے پر دھاندلی کی بناء پر پاکستان قومی اتحاد نے ملک گیر احتجاجی تحریک کا آغاز کیا تو ایسے میں پاک پتن کے اندر ڈاکٹر غفار احمد' چوہدری بشیر احمد ایڈووکیٹ' جنرل محمد امراؤ خان' ڈاکٹر بشیر انجم' سید عرفان حیدر زیدی' چوہدری علی احمد اشام فروش' سردار محمد مغل' میاں محمد قاسم بودلہ' حافظ عبدالغفور ایڈووکیٹ' چوہدری محمد بخش ایڈووکیٹ' محمد دین (دنیائے ریڈیو)' شیخ محمد طفیل' عبدالمجید نوری' اور میاں محمد اسحاق بودلہ نے اپنی قربانیوں سے پاک پتن کے اندر قومی اتحاد کی تحریک کو انقلابی رنگ دے دیا۔

جن دنوں پاک پتن کے اندر قومی اتحاد کی تحریک زوروں پر تھی میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا بطور وزیر پیپلز پارٹی سے منسلک تھے۔ اسی طرح راؤ محمد ہاشم خاں پاک پتن میں قومی اتحاد کی تحریک کو دبانے میں سرپرستانہ کردار ادا کر رہے تھے۔ چند دنوں کے لیے پاک پتن میں سید افتخار حسین شاہ بھی پیپلز پارٹی کی طرف سے صوبائی اسمبلی کے ممبر بنے مگر بحران کے اس دور میں وہ پاک پتن کے لیے کچھ نہ کر سکے اور پھر پیپلز پارٹی کی سیاسی قیادت نے ان کو پارٹی سے متعلقہ دیرینہ خدمات کے باوجود انہیں بتدریج سیاسی گمنامی کی طرف دھکیل دیا۔

تحریک کے دوران پی۔ این۔ اے کے سیاسی کارکنوں پر جھوٹے پرچے درج ہوئے' انہیں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں' سیاسی کارکنوں کو سڑکوں پر گھسیٹا گیا' دن دیہاڑے ان پر قاتلانہ حملے ہوئے یہاں تک کہ اگر پیپلز پارٹی کا کوئی کارکن موٹر سائیکل کے حادثہ میں اتفاقاً" زخمی ہو جاتا تو اسی روز ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کے ذریعے قومی اتحاد کے کارکنوں کے خلاف پرچہ درج کروا دیا جاتا۔ میاں محمد اسحاق بودلہ کے خلاف جو پرچہ درج ہوا۔ اس کی عبارت کچھ یوں ہے۔

"اسحاق بودلہ نے جب میرے سر پر ڈانگ کا وار کیا تو وہ بلند آواز سے کلمہ کا ورد کر رہا تھا" (5)

ایف آئی آر کی اس عبارت سے یہ تاثر دیا جانا مقصود تھا کہ پی این اے کے کارکن پیپلز پارٹی کے خلاف جہاد میں مصروف تھے المختصر پی این اے کی تحریک نے جب ہر طرف زور پکڑا تو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو گرفتار کر لیے گئے' ملک میں مارشل لاء

نافذ ہوا' جنرل محمد ضیاء الحق نے چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کی حیثیت سے ملک کی باگ ڈور سنبھالی۔

جنرل ضیاء الحق کے دور میں پاک پتن

(1977ء - 1988ء)

ملک میں مارشل لاء نافذ ہونے کے بعد پوری قوم نے سکھ کا سانس لیا تو پاک پتن کے اندر قومی اتحاد کے قائدین اور کارکنوں نے خوشی کے جذبات سے معمور' گلیوں اور بازاروں میں دیگیں چڑھائیں اور شکرانے کے نفل ادا کیے مارشل لا کے خلاف سب سے پہلے پاک پتن میں راؤ محمد ہاشم خاں نے جلوس نکالا مگر پی این اے کے ڈنڈا بردار کارکنوں نے اس جلوس کو منتشر کر دیا۔ راؤ محمد ہاشم خاں' سید اظہر جیلانی' سید افتخار حسین اور عبداللہ کھوکھر گرفتار ہوئے اور ضیاء حکومت نے انہیں ایک سال قید کی سزا سنائی۔(6)

راؤ محمد ہاشم خاں کی سزا اور نظر بندی کے دوران پاک پتن میں پیپلز پارٹی کے جیالے سیاسی سطح پر زیادہ فعال نہ رہے البتہ چند جیالوں نے مقامی پولیس سے راہ و رسم پیدا کر کے یہاں کے باسیوں کو خوب بلیک میل کیا' ان کے مقابلے میں پاک پتن کی دیگر سیاسی شخصیات عوامی تحفظ میں بالکل ناکام رہیں۔

تحریک بحالی جمہوریت 1978ء تا 1985ء : ضیاء الحق کے دور حکومت میں پیپلزپارٹی کے قائدین نے چند دوسری سیاسی پارٹیوں سے مل کر بحالی جمہوریت (ایم۔ آر۔ڈی) کی ملک گیر تحریک کا آغاز کیا تو پاک پتن میں بھی پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مرکزی قائدین کے پروگراموں کے تحت پاک پتن میں جلسے اور جلوس نکالے جاتے پیپلز پارٹی کی طرف سے سید افتخار حسین شاہ' عبداللہ کھوکھر' راؤ محمد ہاشم خاں' سید اظہر جیلانی' اور محمد امیر متعدد بار گرفتار ہوئے' اس سلسلہ میں عبداللہ کھوکھر کو بقول پیپلز پارٹی کوڑے کھانے کا "اعزاز" حاصل ہوا۔ جبکہ سید اظہر جیلانی نے ایم آر ڈی کی تحریک کے دوران سولہ بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں تاہم جب جنرل ضیاء الحق نے بلدیاتی انتخابات کی اجازت دی تو پاک پتن سے میاں غلام محمد احمد خان مانیکا نے بطور چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل ساہیوال انتخاب جیتا۔

اسی طرح ان کے چھوٹے بھائی اور پاک پتن کی ہر دلعزیز شخصیت میاں نذر فرید احمد خاں مانیکا مقامی میونسپل کمیٹی کے چیئرمین بنے لہٰذا اس عہد میں مانیکا خاندان کو پھر سیاسی عظمت حاصل ہوئی بطور چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا نے پاک پتن تحصیل میں چند سڑکیں بنوائیں اور تحصیل پاک پتن میں دیگر چند رفاہی کاموں کی طرف بھرپور توجہ دی۔

1985ء کے غیر جماعتی انتخابات میں جب دیگر سیاسی جماعتوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا تو ایسے میں میاں غلام محمد احمد خان مانیکا نے بطور ایم این اے انتخاب جیتا اس الیکشن میں ان کا مقابلہ میاں احمد علی بیٹو سے تھا۔ جو 1970ء میں پیپلز پارٹی کی طرف سے ایم پی اے تھے۔ اسی طرح صوبائی سطح پر میاں غلام فرید چشتی نے غیر جماعتی امیدوار کی حیثیت سے پاک پتن میں اپنے مد مقابل نصف درجن امیدواروں کو شکست دی تاہم ان کے مدمقابل امیدواروں میں میاں محمد اقبال' میاں محمد قاسم بودلہ الیکشن میں ان کے بڑے سیاسی حریف ثابت ہوئے۔

محمد خاں جونیجو کا دور وزارت اور پاک پتن

(1985-88ء)

پاکستان کے مخصوص سیاسی حالات کے پیش نظر جب محمد خاں جونیجو ملک کے وزیراعظم بنے تو انھوں نے پاک پتن سے میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا کو پہلے وفاقی وزیر بلدیات بنایا پھر اسی حکومت میں آپ کو وزارت ثقافت و سیاحت کا قلم دان سونپا گیا' پھر اسٹیبلشمنٹ کے وزیر بنا دیے گئے۔ اس عہد میں تین وزارتوں کے قلم دان یکے بعد دیگرے آپ کے ہاتھ آئے چنانچہ آپ نے اس دور میں یہاں کے بے روزگار نوجوانوں کو کئی محکموں میں ملازمتیں دلوائیں۔ وزیر اعظم کے پانچ نکاتی پروگرام کے تحت کئی ترقیاتی منصوبوں کو مکمل کروایا' کئی رابطہ سڑکیں بنوائی گئیں۔ اس دور میں آپ نے اپنی سٹیٹ پیر غنی میں ملک پلانٹ بھی لگایا جس کا افتتاح جنرل محمد ضیاء الحق اور محمد خاں جونیجو نے کیا

اس عہد میں جہاں تک صنعتی ترقی کا تعلق ہے پاک پتن سے پچیس کلو میٹر دور نور پور کے مقام پر اتفاق شوگر مل بنائی گئی' اس مل کے قیام سے یہاں کے کاشت کاروں کو گنا کی کاشت کی طرف رغبت دلائی گئی' انہیں آسان اقساط پر گنا کی کاشت کے

لیے قرضے دیے گئے اور گنا کی باربرداری میں سہولت پیدا کرنے کے لیے مل کی طرف سے 139 کلو میٹر لمبی سڑکیں تعمیر کرائی گئیں۔ 450 افراد کو مستقل اور 700 افراد کو عارضی بنیادوں پر روزگار دیا گیا اس مل کا افتتاح بھی جنرل محمد ضیاء الحق نے کیا۔

میاں غلام فرید چشتی نے بطور ایم پی اے پاک پتن میں اپنے حلقہ نیابت میں کئی ترقیاتی کاموں کو مکمل کروایا' کئی پختہ سڑکیں بنوائیں' کئی دیہاتوں کو بجلی فراہم کی گئی' چند ہائی سکولوں کا اجراء بھی ہوا اور سب سے بڑی بات میاں غلام فرید چشتی نے اپنے اور لوگوں کے درمیان کوئی دیوار حائل نہ کی بلکہ عوامی مزاج کے تحت لوگوں سے صاف گوئی کے ساتھ روابط قائم کیے۔

محترمہ بے نظیر کے دور وزارت میں پاک پتن
(90-1988ء)

صدر ضیاء الحق نے اوجڑی کیمپ کے واقعہ کے بعد جب جونیجو حکومت کو ختم کیا قومی اسمبلی توڑ دی گئی تو ایسے میں میاں محمد نواز شریف پنجاب کے نگران وزیر اعلیٰ بنے 1988ء میں ملکی سطح پر ازسر نو الیکشن منعقد ہوئے میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا نے آئی جے آئی کے امیدوار کی حیثیت سے پیپلز پارٹی کے امیدوار راؤ محمد ہاشم خاں سے ایم این اے کی نشست پر الیکشن لڑا۔ راؤ محمد ہاشم خاں اس الیکشن میں ہار گئے۔ مجموعی طور پر قومی اسمبلی میں پیپلز پارٹی کو اکثریت حاصل ہوئی۔ جس کی بناء پر محترمہ بے نظیر بھٹو ملک کی وزیر اعظم بنیں تو انہوں نے اپنے والد مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کے معتمد ساتھی ہونے کے ناطے انہیں بطور چیئرمین وفاقی لینڈ کمشن مقرر کیا تو انہوں نے پاک پتن کے اندر مسلم اوقاف کی ہزاروں ایکڑ زمین مزار عین میں تقسیم کیے جانے کے احکامات جاری کیے مزید چند سٹیڈ فارمز کے نام بھی زمینیں منتقل کیں۔ جن میں "بیل گنج" فارم قابل ذکر ہے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کے دور وزارت میں وفاق اور صوبہ پنجاب کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم نہ ہو سکے۔ پنجاب کے وزیر اعلی میاں محمد نواز شریف نے وزیر اعظم محترمہ بینظیر بھٹو کے خلاف قومی اسمبلی میں تحریک عدم اعتماد کے لیے خصوصی انتظامات مکمل کرلیے تو ایسے میں پاک پتن سے میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا جنھوں نے اسلامی جمہوری اتحاد کے پلیٹ فارم سے انتخاب جیتا تھا۔ انہوں نے عدم اعتماد کی اس

تحریک کو سبوتاژ کیا اور اپنی سیاسی وفاداریاں محترمہ بے نظیر بھٹو سے وابستہ کر دیں۔ جس پر بے نظیر بھٹو نے انہیں سمندر پار پاکستانیوں کی وفاقی وزارت پیش کر دی۔ جو انہوں نے بصد شکریہ قبول کی مگر یہ اسمبلی بھی اپنی مدت پوری نہ کر سکی اور صدر پاکستان جناب غلام اسحاق خان نے اسمبلی توڑ دی اور یوں چند دنوں کی وفاقی وزارت نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا کے سیاسی کیریئر کو متاثر کیا یاد رہے کہ جونیجو دور میں افغان مسئلہ کے حل کے لیے جب محمد خان جونیجو نے بطور وزیراعظم اپوزیشن کی تمام سیاسی پارٹیوں کو اسلام آباد دعوت دی تو اس وقت محترمہ بے نظیر بھٹو ملک سے باہر تھیں لہٰذا جونیجو حکومت کی طرف سے میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا نے انہیں وطن واپس لانے میں اہم کردار ادا کیا۔

اس عہد میں صوبائی سطح پر میاں غلام فرید چشتی بطور ایم پی اے۔ آئی جے آئی کے پلیٹ فارم سے منتخب ہوئے' تو میاں محمد نواز شریف نے انہیں اپنا خصوصی مشیر نامزد کیا۔ اب پاک پتن کے باسیوں نے پاک پتن کو ضلع بنانے کے مطالبہ کو نہایت شدومد سے پیش کرنا شروع کیا۔ جس کی تفصیل الگ دی جائے گی تاہم بطور صوبائی مشیر میاں غلام فرید چشتی نے پاک پتن کو ضلع کا درجہ دلوانے میں اہم کردار ادا کیا۔

میاں نواز شریف کے دور وزارت میں پاک پتن

1990ء کے انتخابات کے دوران پاک پتن میں ایک نہایت خوشنما تبدیلی رونما ہوئی۔ قومی اسمبلی کے لیے آئی جے آئی کی طرف سے پیر طریقت میاں علی محمد خاں صاحب آف بسی شریف کے سجادہ نشین میاں محموذ احمد خاں امیدوار نامزد ہوئے۔ اسی طرح صوبائی سطح پر میاں غلام فرید چشتی آئی جے آئی کے امیدوار تھے۔ میاں محمود احمد خاں کا مقابلہ پیپلز پارٹی کے راؤ محمد ہاشم خاں سے تھا۔ جبکہ میاں غلام فرید چشتی کا مقابلہ میاں گوہر فرید مانیکا' حاجی عبدالواحد' میاں قاسم بودلہ اور میاں محمد علی بیٹو سے تھا۔ میاں گوہر فرید مانیکا اس الیکشن میں جیت گئے اسی طرح قومی اسمبلی کی نشست پر میاں محمود احمد خان بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔

ترقیاتی کام: میاں محمود احمد خاں کی شخصیت سے پاک پتن کے باسیوں کو کئی توقعات وابستہ تھیں اپنی انتخابی مہم کے دوران انہوں نے یہاں ٹیکسٹائل مل' دریائے ستلج پر اوور ہیڈ برج' صنعتی و زرعی ترقی' بیروزگاری کا خاتمہ' ایماندار انتظامیہ کی تقرری

جیسے عوامی مطالبات کو اپنی ترجیحات کا درجہ دیا۔ بلاشبہ وہ اپنے وعدوں کی تکمیل میں مخلص تھے۔ میں ذاتی طور پر اس حقیقت سے آگاہ ہوں کہ وہ دو دفعہ ملک کی نمائندہ سرمایہ دار پارٹیوں کو پاک پتن کے اندر ٹیکسٹائل مل لگانے کی بھرپور ترغیب دے چکے ہیں۔ مگر مین روڈ سے دور ہونے کی بناء پر اس سلسلہ میں تاحال کوئی پیش رفت نہیں ہوئی جہاں تک دریائے ستلج پر پل کی تعمیر کا کام شروع ہو جائے گا اس پل کی تعمیر سے جہاں پاک پتن کا مواصلاتی رابطہ ملک کے تمام شہروں سے قائم ہو جائے گا وہاں اتفاق شوگر مل کو منچن آباد اور ضلع بہاولنگر کی طرف سے گنا کی سپلائی بھی تیز ہو جائے گی۔ اس طرح درگاہ حضرت بابا فریدؒ کی جامع مسجد کا توسیع منصوبہ بھی آپ کی ذاتی مساعی جمیلہ سے شروع ہو چکا ہے۔ 26/ جون 1993ء ملک کے وزیر اعظم جناب میاں محمد نواز شریف عرس کی رسومات میں شمولیت کے لیے تشریف لائے تو انہوں نے باقاعدہ اس رفیع الشان مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ جس کی تعمیر پر 4 کروڑ روپیہ خرچ آئے گا۔

میاں محمود احمد خاں پیشہ ور روایتی سیاستدان نہیں وہ میرٹ پر لوگوں کے کام کے عادی ہیں۔ لوگوں کے ذاتی معاملات اور مسائل کے حل کے لیے انتظامی امور میں دخل در معقولات اور رسہ گیر پیشہ ور مجرموں کی سرپرستی کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ تاہم اجتماعی رفاہ عام کے کاموں میں ان کی گہری دلچسپی پاک پتن کے باسیوں سے محبت کی دلیل ہے۔ بطور ایم این اے انہوں نے ضلع پاک پتن کے درجنوں پرائمری مدارس کی عمارات بنوائیں۔ تعمیر وطن پروگرام اور ایم این اے فنڈ کے تحت کئی دیہاتوں کو سولنگ، سیورج، پبلک ہیلتھ اور پینے کے پانی کی سہولتیں فراہم کی گئیں اسی طرح شہر فرید کے مختلف محلوں میں سولنگ اور سیورج کا کام ان کی اور ان کے بھائی جناب مسعود احمد خاں کی ذاتی کوشش کا نتیجہ ہے کئی دیہات کو رابطہ سڑکیں منظور ہو چکی ہیں انشاء اللہ بہت جلد پختہ رابطہ سڑکوں کا پاک پتن میں جال بچھا دیا جائے گا۔ جو یقیناً معاشی اور معاشرتی انقلاب کا پیش خیمہ ہو گا اب تک ان کی سرپرستی کی بدولت کئی دیہاتوں کو بجلی بھی فراہم کر دی گئی ہے۔

انتخابات اکتوبر 1993ء: 18/ جولائی 1993ء کو شدید سیاسی بحران کی بناء پر میاں محمد نواز شریف کی حکومت ختم کر دی گئی اور غیر متوقع طور پر جناب معین قریشی کو امریکہ سے بلوا کر مملکت خداداد پاکستان کا نگران وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔ لہٰذا انہوں نے

اکتوبر 1993ء میں از سر نو انتخابات کے انعقاد کا شیڈول دیا تو ایسے میں پاک پتن سے قومی اسمبلی کی ایک نشست کے لیے تین امیدواروں نے اپنے کاغذات نامزدگی داخل کروائے۔ قومی اسمبلی کی نشست پر پیپلز پارٹی کے امیدوار راؤ محمد ہاشم خاں، مسلم لیگ (ن) کے امیدوار میاں محمود احمد خاں اور احمد رضا خاں مانیکا مسلم لیگ (ج) کے درمیان مقابلہ ہوا۔ جس میں راؤ ہاشم خاں (13) ہزار ووٹ کی برتری سے کامیاب ہوئے ان کی کامیابی میں سب سے بڑا رول احمد رضا خان کا الیکشن میں حصہ لینا تھا جو میاں محمود احمد خاں کے ووٹوں پر براہ راست اثر انداز ہوئے اور مسلم لیگ کے ووٹ دو دھڑوں میں منقسم ہو گئے علاوہ ازیں اس الیکشن میں پیپلز پارٹی کے تمام مقامی دھڑے متحد تھے اور راجپوت برادری نے بھی اس بار راؤ محمد ہاشم خاں کی پیرانہ سالی کی بناء پر مکمل اتحاد کا ثبوت دیا۔ اسی طرح دیہاتی علاقہ سے بھی راؤ محمد ہاشم خاں کو نسبتاً زیادہ ووٹ ملے جبکہ شہر فریدؒ کے باسیوں نے مسلم لیگ (ن) کے نامزد امیدوار خاں محمود احمد خاں کو بلا خوف اپنی محبتوں سے نوازا اور شہر کے تمام وارڈوں سے انہیں کامیاب کروایا۔ مگر حلقہ 191 پی پی مسلم لیگ (ج) کے صوبائی امیدوار پیر احمد شاہ کھگہ نے ان کے مدمقابل راؤ ہاشم خاں کی حمایت کی جس کی بناء پر میاں محمود احمد خاں کی کامیابی مخدوش ہو گئی۔ مزید حلقہ 191 پی پی کے چوہدری اختر حسین، ضیاء اللہ وڑائچ، منظور احمد مانیکا، میاں محمد قاسم بودلہ، میاں قمر بودلہ اور میاں احمد علی بیٹو نے خاں محمود احمد خاں کی مخالفت کرتے ہوئے راؤ محمد ہاشم خاں کی حمایت میں بھرپور کردار ادا کیا نتیجہ کے طور پر راؤ محمد ہاشم خاں پاک پتن سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے اسی طرح اس انتخاب میں سابق وفاقی وزیر میاں غلام مانیکا نے اپنے بیٹے میاں احمد رضا خاں مانیکا کی کامیابی ممکن بنانے کے لیے بھرپور کام کیا مگر ان کے پاس نظریاتی ووٹ نہ تھے۔ انہوں نے اپنے اثر و رسوخ، ذاتی تعلقات اور میل جول کی بناء پر ووٹ حاصل کیے، ویسے بھی اس انتخابی مہم کے دوران ان کے بیٹے کی تقاریر سے لوگوں نے یہ تاثر لیا کہ وہ اس نشست کو موروثی جاگیر سمجھتے ہیں جبکہ جمہوری فکر پیدا ہونے کی بناء پر عوام موروثی اجارہ داری کے تصور کو استحقاق نہیں سمجھتے۔ تاہم اس الیکشن سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ سیاسی وابستگی اور نظریاتی بنیادوں کے بغیر کوئی بھی امیدوار انتخاب نہیں جیت سکتا۔ ویسے اس الیکشن میں وٹو برادری کی افرادی قوت اور میاں غلام محمد

احمد خاں مانیکا کی دل پذیر شخصیت کے بل بوتے پر ان کے بیٹے نے 24 ہزار ووٹ حاصل کیے جو بجا طور ان کا بنک ووٹ ہے۔ اگرچہ میاں احمد رضا خاں مانیکا یہ الیکشن ہار چکے ہیں تاہم اس الیکشن کی ریہرسل اور تجرباتی مہم آئندہ ان کے لیے سود مند ثابت ہو سکتی ہے۔

صوبائی حلقہ 190 میں مسلم لیگ (ن) کے امیدوار صاحبزادہ میاں غلام فرید چشتی اور پیپلز پارٹی کے امید وار میاں منظور احمد خان مانیکا کے درمیان سخت مقابلہ ہوا پاک پتن شہر کے باسیوں نے حسب سابق مسلم لیگ (ن) کے حق میں بھرپور فیصلہ دیا۔ دوسری طرف دیہی علاقوں کے ووٹ دیگر چار امیدواروں یعنی میاں عظمت سید محمد چشتی' میاں گوہر فرید مانیکا' چوہدری غلام محمد کمبوہ' اور رانا محمد لقمان کے مابین بٹ گئے۔ جس کے نتیجے میں شہر کے ووٹوں نے فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہوئے مسلم لیگ (ن) کے امیدوار میاں غلام فرید چشتی کو کامیابی سے ہمکنار کروایا۔ اس الیکشن میں جس نسبت سے شہر کے باسیوں نے مسلم لیگ (ن) کے امیدواروں کی دل و جان سے پذیرائی کی ہے۔ وہ اپنی جگہ قابل تحسین ہے۔ مگر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ تلخ اور کڑوی ہے کہ پاک پتن شہر کے باسیوں کو مسلم لیگ (ن) کی طرف سے کوئی سرپرستی حاصل نہ ہے اور وہ حسب سابق "سیاسی یتیم" ہیں۔

صوبائی اسمبلی 191 پی پی میں مسلم لیگ (ج) اور مسلم لیگ (ن) کے امیدواروں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا۔ مسلم لیگ (ن) کے امیدوار سردار منصب علی ڈوگر سابق وائس چیئرمین ڈسٹرکٹ کونسل نے پہلی بار صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیا۔ جبکہ ان کے مدمقابل پیر محمد شاہ کھگہ ایک کہنہ مشق سیاستدان ہیں قبل ازیں تین بار "ایم پی اے" منتخب ہو چکے ہیں اور وہ میاں منظور احمد وٹو وزیر اعلیٰ پنجاب کے خصوصی معاون بھی رہ چکے ہیں۔ اگرچہ اس الیکشن میں سردار منصب علی ڈوگر ہار گئے مگر ایک حقیقت واضح ہو گئی کہ اگر انہوں نے مستقل مزاجی سے نظریاتی بنیادوں پر اپنی سیاسی زندگی کی تعمیر کی تو آنے والا مستقبل ان کا منتظر ہو گا۔

نومبر 93ء کے وسط میں جب میاں محمد نواز شریف الیکشن مہم کے دوران پاک پتن تشریف لائے تھے تو شہر فریدؒ کے باسیوں نے جس والہانہ جوش و جذبہ سے ان کا استقبال کیا وہ پاک پتن کی تاریخ میں ایک مثالی حیثیت کا حامل ہے اس تاریخی جلسے کو

خطاب کرتے ہوئے میاں نواز شریف نے میاں منصب علی ڈوگر سے یہ وعدہ لیا کہ وہ آئندہ اپنی سیاسی زندگی میں "لوٹا" نہیں بنیں گے اور اس حقیقت کا وعدہ منصب علی ڈوگر نے ہزاروں افراد کے سامنے بھرپور الفاظ میں کیا۔

مزید میاں محمود احمد خاں کے بارے میاں نواز شریف کے ریمارکس تاریخی نوعیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے ہزاروں افراد کے سامنے میاں محمود احمد خاں کا ہاتھ اٹھا کر اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ اگر مجھے میاں محمود احمد خاں جیسے سچے پکے دس مخلص ساتھی میسر آجائیں تو میں ملک کی تقدیر بدل دوں بعد ازیں انہوں نے میاں غلام فرید چشتی کے بارے میں بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا اور ان کے لیے لوگوں سے ووٹوں کی اپیل کی۔ اس تاریخی جلسے کے بعد مسلم لیگ (ن) کے امیدواروں کے حق میں سیاسی صورت حال بڑے تیزی سے تبدیل ہوئی اور ان کے حق میں کافی سطح ہموار ہوئی۔ اسی الیکشن مہم کے دوران محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ بھی پاک پتن تشریف لائیں مگر انہوں نے کسی جلسے کو خطاب نہ کیا۔ ان کے پارٹی ورکروں نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ مگر وہ درگاہ حضرت بابا فریدؒ پر حاضری کے فوراً بعد ساہیوال تشریف لے گئیں۔ جہاں انہوں نے ایک بہت بڑے انتخابی جلسے سے خطاب کرنا تھا۔

الیکشن 93ء کے بعد پاک پتن کی صورتحال کچھ یوں ہے کہ قومی اسمبلی کی نشست پر برسراقتدار پیپلز پارٹی کے امیدوار راؤ محمد ہاشم خاں بطور ایم این اے منتخب ہوئے۔ پنجاب اسمبلی کی شہری نشست 190 پر مسلم لیگ (ن) کے امید وار صاحبزادہ میاں غلام فرید چشتی منتخب ہوئے۔ پی پی 191 پر مسلم لیگ (ج) کے امیدوار محمد شاہ کھگہ بطور ایم پی اے منتخب ہو چکے ہیں۔ اس طرح پاک پتن کی سیاسی زندگی تین مختلف متوازی دھاروں میں ساتھ ساتھ بہہ رہی تھی۔

جہاں تک راؤ محمد ہاشم خان کا تعلق ہے وہ علی گڑھ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں' شریف النفس ہیں' انتقامی سیاست پر یقین نہیں رکھتے۔ پاک پتن کی سیاست میں ہمیشہ اصولی سیاست پر کاربند رہے ہیں اپنی سیاسی وفاداریوں میں بڑے پکے اور سچے ہیں یہی وجہ ہے کہ پیپلز پارٹی کی ہائی کمان ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ آپ کشمیر کمیٹی کے ممبر اور وفاقی پبلک اکاونٹس کمیٹی کے چیئرمین رہ چکے ہیں اسی طرح پیر محمد شاہ کھگہ حسب سابق اپنے حلقہ نیابت میں رفاہی کاموں میں سرگرم ہیں۔ لوگوں

کے مسائل میں پوری دلچسپی لیتے ہیں اور عوامی نمائندہ ہونے کا پورا پورا حق ادا کر رہے ہیں۔

جہاں تک میاں غلام فرید چشتی کا تعلق ہے۔ آپ کہنہ مشق سیاست دان ہیں۔ عوامی مزاج کے مالک ہیں۔ پنجابی زبان کی کہاوتوں میں دلنشیں گفتگو کرنے کے ماہر ہیں۔ آپ کا رویہ ہمیشہ پرتپاک رسمی جملوں سے بھرا ہوتا ہے۔ مسلم لیگ (ن) کی طرف سے صوبائی اسمبلی کے ممبر ہونے کے ناطے اپنے حلقہ نیابت میں رفاہی کاموں میں پوری دلچسپی رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت کی حکومت پنجاب سے راہ و رسم پیدا کرنے کی کوشش میں بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے تاہم میاں شہباز شریف کی موجودگی میں میونسپل پارک پاک پتن کے اندر ایک بہت بڑے عوامی جلسے میں کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اپنی صفائی پیش کی کہ وہ حسب سابق مسلم لیگ (ن) سے ہی منسلک ہیں اور وہ مسلم لیگ کے ہی وفادار رہیں گے اور یہ کہ وہ زندگی میں کبھی لوٹا نہیں بنیں گے۔ اس عہدو پیمان کے بعد اہل پاک پتن آپ کی سیاسی وفاداریوں پر مطمئن ہو گئے۔

مگر چند ماہ کی اس بے کیف (حزب مخالف) سیاسی زندگی نے انہیں پھر پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں منظور احمد وٹو سے تعلقات بڑھانے پر مجبور کر دیا۔ میاں منظور احمد وٹو سے آپ کی دیرینہ دوستی تھی۔ جس کی بناء پر انہوں نے شہر فریدؒ کے لیے ترقیاتی فنڈز تقریباً ایک کروڑ روپیہ دیا اور پھر یوں اس فنڈ سے شہر فریدؒ کی چند گلیوں کی پرانی اینٹوں سے ہی ری سولنگ ہوئی تاہم میاں منظور وٹو کے دور وزارت میں تحصیل عارف والا کو ضلع پاک پتن میں شامل کروانے میں انہوں نے عوامی جذبات کی ترجمانی کی۔ پھر پنجاب کے وزیر اعلیٰ محمد عارف نکئی کے مشیر خاص بنے پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ (ن) کی نشست کی بجائے اپنی الگ نشست مخصوص کروائی اب آپ باقاعدہ پیپلز پارٹی میں شامل ہو چکے ہیں۔ فروری 96 کا الیکشن پی پی پی کے پلیٹ فارم سے لڑا اور شکست کھائی۔

تحریک نجات : محترمہ بے نظیر کے دورِ وزارت میں مسلم لیگ (ن) کے قائد جناب میاں نواز شریف نے قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف کے طور پر اپنے فرائض سرانجام دیئے ویسے بھی 1993ء کا الیکشن پاکستان کی سیاسی تاریخ میں اس لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے کہ اس الیکشن کے منطقی نتائج کی بناء پر قومی اسمبلی کے اندر مضبوط ترین

حزب اختلاف تھی مسلم لیگ (ج) اور پیپلز پارٹی کی مخلوط پی ڈی ایف کی حکومت اپنی غیر حقیقت پسندانہ پالیسیوں کی بناء پر عوامی تائید سے محروم ہوتی چلی گئی جس پر قائد حزب اختلاف اور مسلم لیگ (ن) کے سربراہ میاں نواز شریف نے بے نظیر حکومت کے خلاف تحریک نجات کے آغاز کا اعلان کیا۔

بے نظیر حکومت کے خلاف دو دفعہ پہیہ جام ہڑتال کی اپیل کی گئی' ٹرین مارچ کیا گیا اور اکتوبر 95ء میں جب یوم سیاہ منایا گیا تو مرکزی قائدین کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پاک پتن کے اندر مسلم لیگی جانثاروں' ضیا فاؤنڈیشن' عوامی نیشنل پارٹی اور ورکرز گروپ کے کارکنوں نے سرفروشانہ انداز میں تحریک نجات کے تین سالہ دور کو کامیاب بنانے کے لیے بھرپور کردار ادا کیا مسلم لیگ یوتھ ونگ' مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن اور مسلم لیگی عہدے داروں اور قائدین کے خلاف بلوہ' جلوس' اور نقص امن کے تحت متعدد بار پرچے درج ہوئے اور انہیں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں' اس سلسلہ میں حاجی عبدالواحد چوہدری' ایم ڈی بٹ' محمد جمیل فریدی' مختار ہماریوں' شیخ محمد مسعود خالد' طارق بلال' رانا محمد تبیل' انور محمود بھٹی' رانا محمد اطہر' چوہدری علی احمد اشام فروش (ضلعی صدر اے این پی) سردار منصب علی ڈوگر (ایم پی اے)' محبوب مصطفےٰ خاں' سید شاہد حسین شاہ' محمد نوید' مرزا فاروق بیگ' مظہر خاں بلوچ' خالد محمود جٹ' چوہدری محمد اسلم' محمد طفیل بٹ' میاں محمد فاروق احمد ایڈووکیٹ' عبدالارم واحد' اقبال حسین شاہ' سردار واجد علی ڈوگر' چوہدری شوکت حیات ایڈووکیٹ' شیخ مہر افضال' شیخ محمد اعجاز' مرزا مقصود بیگ' قاری نیاز احمد شاہ' ظہور احمد' محمد منشاء' ریاض احمد ولد احمد دین' محمد امیر ولد سلطان' تعظیم حسن ولد چراغدین' محمد اقبال باؤ ولد لال دین نے تحریک کے دوران ہر مشکل کا مردانہ وار مقابلہ کیا ملکہ ہانس سے چوہدری محمد عاشق' قصبہ سرول سے محمد سجاد ذوالفقار بگیانہ اور علی نوازڈولہ بھی تحریک نجات کے دوران گرفتار ہوئے۔ اسی طرح رانا اورنگ زیب (ANP) کی خدمات بھی قابل تعریف ہیں۔

قید کے دوران ورکرز گروپ کے سالار اعلیٰ سردار مجاہد مغل نے گرفتار شدگان کو کھانا اور ضروری سامان فراہم کرنے کی ڈیوٹی بااحسن سرانجام دی۔ اسی دوران وکلاء محاذ کے صدر سید غضنفر ایڈووکیٹ' چوہدری احمد سعید سروش ایڈووکیٹ' سید صفدر علی شاہ' راؤ محمد نعیم خاں ایڈووکیٹ' راؤ لیاقت علی ایڈووکیٹ' خاں نعیم نواز خاں

ایڈووکیٹ' محمد اعجاز خاں ایڈووکیٹ' محمد علیم خاں ایڈووکیٹ' کی راہنمائی میں وکلاء محاذ نے بھرپور کردار ادا کرتے ہوئے گرفتار شدگان کی ضمانتیں کروائیں۔

احتجاجی دعا : تحریک نجات کے دوران مسلم لیگی کارکن باقاعدہ نماز مغرب سے چند ساعت پہلے درگاہ حضرت بابا فریدؒ پر اکٹھے ہوتے اور وہاں پر محترمہ بے نظیر' میاں منظور احمد وٹو کی حکومت کے خاتمہ کے لیے اجتماعی دعا مانگی جاتی۔ یہ دعا چالیس روز تک جاری رہی۔ رفتہ رفتہ مرکزی قائدین بھی اس دعا نجات میں شمولیت کے لیے پاک پتن آتے رہتے اور یوں اس دعا کی شہرت قومی اخبارات اور مرکزی قائدین کے ذریعے پورے پاکستان میں پھیل گئی۔ آخر یہ دعا رنگ لائی اور پیپلز پارٹی کے اپنے ہی صدر جناب فاروق احمد لغاری نے 58 بی کے ذریعے اسمبلیاں توڑ کر بے نظیر حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

الیکشن 1997ء : محترمہ بے نظیر بھٹو کے تقریباً" تین سالہ حکومت (1993ء تا 1996ء) کے دوران ملک طوائف الملوکی اور سیاسی انارکی کا شکار ہو گیا تو ایسے میں پاکستان پیپلز پارٹی کے اپنے ہی منتخب کردہ صدر پاکستان جو کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے منہ بولے بھائی اور دیرینہ سیاسی ساتھی تھے انہوں نے 5 نومبر 1996ء کو منتخب اسمبلیاں توڑ دیں اور محترمہ بے نظیر کی حکومت ختم کرتے ہوئے پیپلز پارٹی کے نظریاتی قائد اور سابق سپیکر قومی اسمبلی ملک معراج خالد کو ملک کا نگران وزیر اعظم نامزد کر دیا۔ نگران حکومت کے دوران سید افضل حیدر شاہ ایڈووکیٹ سپریم کورٹ' (ممبر پاکستان نظریاتی کونسل) کو صوبائی وزیر قانون نامزد کر دیا گیا چونکہ ان کا تعلق پاک پتن سے ہے لہٰذا وہ اپنے انتہائی مختصر عرصہ وزارت کے دوران پاک پتن کے لیے بہت کچھ کرنے کی تمنا رکھتے تھے مگر ان کی یہ آرزو شرمندہ تعبیر نہ ہو سکی۔

نگران حکومت نے 3 فروری 1997 ملک کے اندر نئے الیکشن کروانے کا اعلان کیا ضلع پاک پتن میں قومی اسمبلی کی دو اور صوبائی اسمبلی کی پانچ نشستیں مقرر ہوئیں' اس الیکشن میں ضلع پاک پتن میں قومی اسمبلی حلقہ این اے 127 جس میں عارف والا تحصیل ملحقہ دیہات اور چک شفیع قانونگوئی شامل ہے' اس حلقہ میں پولنگ بوتھ کی تعداد 185 ہے۔ اس نشست پر پاکستان مسلم لیگ (ن) کے راجہ شاہد سعید اور پیپلز پارٹی کے میاں امجد جوئیہ کے علاوہ آزاد امیدوار رانا غضنفر عباس اور چوہدری شہباز حسین کے درمیان مقابلہ ہوا مگر مسلم لیگ کے راجہ شاہد سعید بھاری اکثریت سے جیت گیے

پاک پتن کی دوسری قومی اسمبلی کی نشست حلقہ این اے 128 جس میں ووٹوں کی تعداد 235039 ہے اور پولنگ بوتھ کی تعداد 199 ہے۔ اس نشست پر مسلم لیگ (ن) کی طرف سے میاں محمود احمد خاں آف بہی شریف پیپلز پارٹی کے راؤ محمد ہاشم خاں' جبکہ مسلم لیگ (ج) کی طرف سے پاک پتن کی معروف سیاسی شخصیت میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا اور میاں احمد رضا خاں مانیکا نے اپنے کاغزات نامزدگی داخل کروائے جبکہ سردار منصب علی ڈوگر نے بھی بطور آزاد امیدوار اس نشست پر بھی کاغذات نامزدگی داخل کیے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب میاں محمد نواز شریف انتخابی مہم کے دوران پاک پتن تشریف لائے تو مسلم لیگ (ن) کے امیدواروں کے لیے انتخابی جلسہ میں تقریر کرنے کے بعد درگاہ حضرت بابا فریدؒ میں حاضری دی۔ وہاں سے میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا کی کوٹھی پر گئے اور انھیں اپنے امیدوار میاں محمود احمد خاں کے حق میں دستبردار ہونے کے لیے کہا۔ ہر دو قائدین نے اپنے گذشتہ اختلافات ختم کرنے اور نئے سیاسی دور کے آغاز کا ایک دوسرے کو یقین دلایا۔ نتیجتاً" میاں غلام محمد احمد خاں نے اپنی انتخابی مہم ترک کر دی اور اپنے حلقہ اثر کو میاں محمود احمد خاں کے حق میں ووٹ ڈالنے کا اعلان کیا۔ اس طرح پاک پتن کے اندر میاں محمود احمد خاں اور راؤ ہاشم خاں کے درمیان ون ٹو ون مقابلہ ہوا۔ جس میں میاں محمود احمد خاں بھاری اکثریت سے جیت گئے۔

صوبائی نشست پی پی 190 پر مسلم لیگ (ن) کی طرف سے دیوان عظمت سید محمد چشتی اور پیپلز پارٹی کی طرف سے صاجزادہ میاں غلام فرید چشتی' مسلم لیگ (ج) کی طرف سے میاں عطا محمد مانیکا(سابق صوبائی وزیر تعلیم)' تحریک انصاف کی طرف سے ارشد نیازی ایڈووکیٹ آزاد امیدوار میاں قاسم بودلہ اور دیگر امیدواروں کے درمیان مقابلہ ہوا جس میں مسلم لیگ (ن) کے امیدوار دیوان عظمت سید محمد بھاری اکثریت سے جیت گئے۔

صوبائی نشست پی پی 191 پر مسلم لیگ (ن) کی طرف سے پیر محمد شاہ کھگہ اور آزاد امیدوار سردار منصب علی ڈوگر کے درمیان کانٹے دار مقابلہ ہوا۔ سردار منصب علی ڈوگر کا تعلق اگرچہ مسلم لیگ (ن) سے تھا اور انھوں نے تحریک نجات کے تین سالہ دور کے دوران نہایت جرات مندی سے پیپلز پارٹی کے تشدد کا مقابلہ کیا تحریک

نجات کے جلسوں کی قیادت کرتے رہے جیل بھی گئے' جھوٹے پرچے بھی درج ہوئے اور کئی قسم کے مصائب برداشت کیے' حلقہ 191 کے ووٹروں کی اکثریت کی دلی خواہش تھی کہ مسلم لیگ (ن) کی طرف سے سردار منصب ہی کو نامزد کیا جائے مگر نہ جانے کیوں ان کی نامزدگی کی بجائے پیر محمد شاہ کھگہ جو کہ مسلم لیگ (ج) سے وابستہ تھے اور میاں منظوراحمد خاں وٹو وزیر اعلیٰ پنجاب کے دور میں واسا کے ممبر بھی رہے' انہیں اس نشست پر مسلم لیگ (ن) نے نامزد کر دیا اگرچہ انہوں نے اپنے گزشتہ تمام ادوار میں رفاہی کاموں کے ساتھ ساتھ انفرادی مسائل کی طرف خاصی توجہ دی۔ اس حلقہ کے ووٹر انکی کارکردگی سے خاصے مطمئن تھے مگر یہ الیکشن ذاتی حیثیت کی بجائے نظریاتی بنیادوں پر ہوا اس لیے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ مسلم لیگ (ن) کے لیے سردار منصب علی ڈوگر کی زیادہ قربانیاں ہیں لہٰذا انھوں نے انہیں قربانیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سردار منصب علی ڈوگر کو ووٹ دیے۔ اور کامیابی کے بعد سردار منصب علی' میاں محمد شہباز شریف کے پاس لاہور پہنچے اور مسلم لیگ (ن) میں شمولیت کا اعلان کیا۔ مسلم لیگ (ن) کے قائدین پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی کی بناء پر ان سے ناراض ہوگئے تھے۔ مگر میاں شہباز شریف اور سردار ذوالفقار کھوسہ کی کوششوں سے مسلم لیگ (ن) میں شامل ہو گئے اب سردار منصب علی ڈوگر ڈسٹرکٹ پاک پتن میں ورکس پروگرام کے چیئرمین ہیں۔

صوبائی نشست پی پی 187 پر پیپلزپارٹی کے میاں اشرف جوئیہ اور مسلم لیگ (ن) کے رانا زاہد حسین، تحریک انصاف کے ارشاد بیگ ایڈووکیٹ نے کاغذات نامزدگی داخل کیے جس میں مسلم لیگ کے ضلعی سیکرٹری رانا زاہد حسین بھاری اکثریت سے جیت گئے۔ پی پی 188 میں مسلم لیگ (ن) کے نوید طارق اور پیپلزپارٹی کے محمد اقبال خاں ٹکا کے درمیان انتخابی مقابلہ ہوا جس میں نوید طارق نے پیپلزپارٹی کے سابق وزیر خوراک محمد اقبال کو شکست دی۔ اسی طرح پی پی 189 میں مسلم لیگ (ن) کی طرف سے رانا غلام قادر اور پیپلزپارٹی کے اللہ یار چشتی کے درمیان کانٹے دار مقابلہ ہوا چونکہ رانا غلام قادر محنتی سیاستدان ہیں لہٰذا اس مقابلہ میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔

عارف والا این اے 127 قومی اسمبلی کی نشست پر مسلم لیگ (ن) کی طرف سے راجہ شاہد سعید اور پیپلزپارٹی کے میاں امجد جوئیہ کے درمیان مقابلہ ہوا جس میں راجہ

شاہد سعید بھاری اکثریت سے جیت گئے۔

حوالہ جات

(1) راقم کے حقیقی ماموں
(2) والد گرامی چوہدری شوکت حیات ایڈووکیٹ
(3) والد گرامی پیر محمد شاہ کھگہ
(4) والد گرامی میاں امجد علی جوئیہ (ایم پی اے)
(5) ایف آئی آر نمبر 74,77

پاک پتن ضلع کیسے بنا؟

پس منظر : پاک پتن ضلع کسی حادثاتی یا اتفاقی طور پر معرض وجود میں نہیں آیا اور نہ ہی یہ ضلع کسی حکمران نے انعام یا عطیے کے طور پر قائم کیا ہے بلکہ اس کے قیام کے سلسلہ میں یہاں کے باسیوں کی کئی سالوں پر محیط عوامی جدوجہد اور تگ ودو کا عمل دخل ہے۔

ماضی میں پاک پتن پاکستان کی سب سے بڑی نمائندہ زرعی تحصیل تھی۔ اس وقت اس کی لمبائی 150 میل اور اس کی حدیں لودھراں اور قصور تک پھیلی ہوئی تھیں یہی وجہ ہے کہ 1935ء میں انگریزوں نے اسے ضلع کا درجہ دینے کا منصوبہ بنایا مگر یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ قیام پاکستان کے بعد سیاسی بے اعتنائی کے سبب بتدریج اس کی وسعت سمٹنا شروع ہوئی۔ تو یہاں کے باسیوں کو اپنے معاشی اور معاشرتی مفادات کے تحفظ کا احساس پیدا ہوا۔ یحییٰ دور میں 1970ء کے الیکشن کے دوران یہاں کی چند ترقی پسند شخصیات نے راؤ محمد ہاشم خاں کی مشروط سیاسی مدد کی کہ وہ الیکشن کے بعد پاک پتن کو ضلع کا درجہ دلوائیں گے مگر سقوط ڈھاکہ اور دیگر معاملات کے پیش نظر یہ مطالبہ پورا نہ ہو سکا بعد ازاں جب وہاڑی' خانیوال اور قصور پنجاب کے نقشہ پر نئے اضلاع کی صورت میں نمودار ہوئے تو یہاں کے باشعور افراد نے پاک پتن کو ضلع بنائے جانے کے مطالبے کو شدومد سے پیش کرنا شروع کیا (1)' چونکہ اس مطالبے کو سیاسی اشیرباد حاصل نہ تھی۔ اس لیے مطالبہ حکومتی سطح پر کوئی پذیرائی حاصل نہ کر سکا۔ جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں بھی پاک پتن کے ضلعی مطالبے کو پہلے سے پر زور انداز میں حکومت کے سامنے پیش کیا مگر اس وقت اوکاڑہ کی نسبت ہماری سیاسی قیادت کمزور تھی۔

ویسے بھی جنرل فرحان علی خاں اور فوجی چھاؤنی کی وجہ سے اوکاڑہ کو ضلع کا درجہ دے دیا گیا اس پر پاک پتن کے باسیوں نے اسے اپنی حق تلفی سمجھا۔ لہٰذا اہلیان پاک پتن کو اپنی سیاسی محرومی کا شدت سے احساس ہوا وقتی طور پر چوہدری محمد یحییٰ کمبوہ' سید منظور حسین گیلانی ایڈووکیٹ' شیخ محمد مسعود خالد' راؤ محمد قمرالدین' راؤ عظمت اللہ' ڈاکٹر منیر احمد' میاں اسحاق بودلہ' چوہدری بشیر احمد گجر ایڈووکیٹ کے مکان پر اکٹھے

ہوئے اور انہوں نے اس میٹنگ میں ضلع بناؤ کمیٹی بنا کر اخبارات میں اشتہار دیے۔

اس سلسلہ میں پاک پتن سے کئی محضرنامے اور یادداشتیں ارباب اقتدار کو ارسال کی گئیں مگر صدا بصحرا ثابت ہوئیں' 1985ء میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور وزیر اعظم جناب محمد خاں جونیجو اپنے دورہ پاک پتن کے دوران جب وہ میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا کے ساتھ پیر غنی میں ان کے ملک پلانٹ کا افتتاح کرنے تشریف لائے تو وہاں شیخ محمد ضیاء اللہ گگے زئی نے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی تقریر کے دوران جلسہ گاہ میں کھڑے ہو کر اس مطالبے کی تائید کرتے ہوئے ہر دو مقتدر شخصیات کے سامنے ضلع کا مطالبہ پیش کیا مگر جنرل ضیاء الحق اور جناب محمد خاں جونیجو نے نہایت خوش اسلوبی سے گول مول جواب دیتے ہوئے اس مطالبے کو یوں ٹال دیا۔

> "اس وقت پنجاب کے وزیر اعلیٰ جناب میاں محمد نواز شریف ہمارے ساتھ موجود نہیں ہیں' وہ ملک سے باہر ہیں۔ ان کی واپسی کے بعد پاک پتن کے باسیوں کا یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے گا"۔

1987ء کے الیکشن کے بعد اگرچہ میاں نواز شریف پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے مگر مرکز میں پیپلز پارٹی کی حکومت تھی میاں نواز شریف کو اس عرصہ میں اپنی سیاسی مجبوریوں کی بناء پر پنجاب کے منتخب نمائندگان صوبائی اسمبلی کے کئی جائز و ناجائز مطالبات تسلیم کرنے پڑے تو ایسے میں پاک پتن کی سب تحصیل عارف والا کو پاک پتن سے الگ کر کے اسے تحصیل کا درجہ دے دیا گیا اور یوں پاک پتن کو بے حد مایوسی ہوئی۔ حکومت کے اس اقدام پر انہیں شدید رنج پہنچا لہٰذا انہوں نے پاک پتن کو ضلع بنانے کے لیے باقاعدہ "ضلع بناؤ تنظیم" قائم کی۔

ضلع بناؤ تنظیم : اگرچہ ضلع کے مطالبے کا آغاز یہاں کی سماجی اور کاروباری انجمنوں نے کیا۔ مگر عارف والا کے کٹ جانے کے بعد وکلاء نے اس ناانصافی کے خلاف آواز بلند کی وہ اس تنظیم میں جوش و جذبہ کے ساتھ شامل ہوئے۔ اب اس تنظیم کی قیادت وکلاء کے ہاتھ آئی' سید شمشیر علی شاہ ایڈووکیٹ' سلطان محمد ایڈووکیٹ' محمد سعید سروش ایڈووکیٹ' عبدالطیف چشتی ایڈووکیٹ' میاں غلام دستگیر خاں وٹو ایڈووکیٹ' سید غضنفر علی شاہ ایڈووکیٹ' شیخ محمد مسعود خالد سابق کونسلر' سید اظہر جیلانی

سابق وائس چیئرمین بلدیہ حاجی عبدالستار سابقہ کونسلر' شیخ ضیاء اللہ گگے زئی' رانا عبدالرزاق' حاجی ذاکر' حاجی نذیر احمد' محمد اکرم خاں' اعجاز احمد خاں بلوچ ایڈووکیٹ' نعیم نواز خاں ایڈووکیٹ' رانا عابد' محمد جاوید عرف بوبی اور پاک پتن عوامی پنچائت نے شیخ محمد مسعود خالد کی قیادت میں اس تنظیم میں جان ڈال دی۔ اب ضلع بناؤ تنظیم کے زیر اہتمام جلوس نکالے گئے۔ کاروباری ادارے بند ہوئے۔ وکلاء نے عدالتوں کے بائیکاٹ کیا تو ایسے میں میاں غلام فرید چشتی مشیر وزیر اعلیٰ نے یہاں کے باسیوں کو ضلع کی بجائے روزگار کے مسئلہ کو حل کرنے کی تجویز پیش کی۔ تاکہ یہاں سے غربت کا خاتمہ ہو سکے اور لوگ باعزت زندگی بسر کر سکیں۔ لوگوں نے اس رائے کو اپنے خلاف ایک سازش سمجھا اور میاں غلام فرید چشتی کے خلاف پراپیگنڈہ کا آغاز کیا۔

میاں نواز شریف کی پاک پتن آمد : 19ر اگست 1988ء کو میاں نواز شریف حضرت بابا فریدؒ کے عرس کی رسومات میں شمولیت اور بہشتی دروازے سے گزرنے کے لیے پاک پتن تشریف لائے تو انہوں نے درگاہ حضرت بابا فریدؒ کے اندر دیوان میاں مودود مسعود چشتی کے ساتھ پاک پتن کو ضلع بنانے کا غیر رسمی وعدہ کیا۔ لہٰذا عرس کے بعد ضلع بناؤ تنظیم نے سیاسی اور مذہبی دونوں پہلوؤں پر اپنی تحریک تیز تر کر دی۔

21/ نومبر 1988ء کا جلسہ عام : میاں محمد نواز شریف محترمہ بے نظیر بھٹو کے خلاف تحریک عدم اعتماد کی ناکامی کے بعد 21/ نومبر 1988ء کو پاک پتن آئے۔ ان کی یہاں آمد کے دو بڑے مقاصد تھے۔ اولاً" وہ میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا کی سیاسی وفاداریوں کی تبدیلی کے خلاف یہاں تقریر کرنا چاہتے تھے۔ ثانیاً" اس روز وہ پاک پتن کو ضلع بنانے کا باضابطہ اعلان کرنے کے خواہاں تھے اس روز پاک پتن کا ہر باسی بہت خوش تھا شاید وہ سمجھ رہے تھے کہ آج ان کے صدیوں کے معاشی دکھوں کا علاج ہونے والا ہے اور ضلع بن جانے کے بعد یہاں کے معاشی حالات "آناً فاناً" بہتر ہو جائیں گے۔ اس جذبہ کے تحت ہر طرف خوشی اور مسرت کی فضا محو رقص تھی اس روز پاک پتن میں شادی کا سماں تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے گلیوں میں "نواز شریف زندہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے اور پاک پتن کو ضلع بنانے کی خوشی میں بے حد مسرور تھے۔

اس جلسے کا انعقاد گورنمنٹ ہائی سکول پاک پتن کے پلے گراؤنڈ میں کیا گیا اس جلسے میں میاں غلام فرید چشتی نے بطور ایم پی اے اور مشیر وزیر اعلیٰ سپاسنامہ پیش کیا۔

سپاسنامہ راقم نے لکھا تھا جس کے متن کے اندر پاک پتن کی تاریخی عظمت بیان کرتے ہوئے میاں غلام فرید چشتی نے بطور ایم پی اے مشیر وزیر اعلیٰ پنجاب پاک پتن کو ضلع بنائے جانے کا مطالبہ شدومد سے پیش کیا۔ پیر محمد شاہ کھگہ ایم پی اے نے بھی ضلع کے مطالبہ کی پر زور تائید کی مگر مقام افسوس کہ جب میاں نواز شریف تقریر کرنے کے لیے تشریف لائے تو سٹیج پر بیٹھے ہوئے ساہیوال' اوکاڑہ' عارف والا اور چیچہ وطنی سے متعلقہ ممبران اسمبلی نے میاں نواز شریف کو ضلع کے اعلان سے روک دیا۔ دوسری طرف جلسہ گاہ کا ہر فرد ضلع کا اعلان سننے کے لیے بے چین و بے تاب تھا اگرچہ میاں نواز شریف اپنے ارادے میں مخلص تھے مگر وقتی طور پر وہ ممبران اسمبلی کے ہاتھوں مجبور ہو گئے لہٰذا جلسے میں ضلع کا اعلان نہ ہو سکا اور وہ افراتفری کی حالت میں جلسے سے واپس چلے گئے۔ عبداللطیف چشتی ایڈووکیٹ جو کہ اس جلسہ میں سٹیج سیکرٹری کے فرائض سر انجام دے رہے تھے۔ انہوں نے سٹیج سے یہ اعلان کیا کہ اب میاں غلام فرید چشتی کو احتجاجاً" مستعفی ہونا چاہیے۔

جلسے کے فوراً" بعد لوگوں نے جلوس کی صورت میں میاں غلام فرید چشتی کی کوٹھی پر پتھراؤ کیا انہیں تمام معاملات کی ناکامی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ حالانکہ انہوں نے اس جلسے کا انعقاد خالصتاً" ضلع کے اعلان کی توقع پر کیا تھا۔ جلسے کی ناکامی کے دوسرے روز لوگوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی عوامی پنچائت اور ضلع بناؤ تنظیم کے کارکنوں اور قائدین کے خلاف بلوہ' پتھراؤ اور دیگر جرائم کے تحت پرچے درج ہوئے۔ جن میں سید اظہر جیلانی' شیخ ضیاء اللہ گگے زئی' میاں غلام دستگیر وٹو ایڈووکیٹ' حق نواز وٹو' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اسی روز فریدیہ ڈگری کالج پاک پتن کے طلبہ کے احتجاج پر پولیس نے کالج کے اندر زبردستی گھس کر طلباء کی زبردست پٹائی کی اکثریت کو گرفتار کر کے تھانے لے گئی۔ اور بغیر تحقیق و تفتیش انہیں ڈسٹرکٹ جیل ساہیوال میں دھکیل دیا۔ ہمایوں سرور بودلہ اسی تحریک کے دوران کئی دن ساہیوال جیل میں مقید رہے حاجی عبدالواحد اور میاں قاسم بودلہ نے جیل کے اندر طلباء کو کھانا پہنچا کر عوامی لیڈر ہونے کا ثبوت دیا اب پاک پتن ضلع کا مطالبہ ایک سیاسی مسئلہ کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ جس کی شدت کا احساس پنجاب حکومت کو 21 نومبر کے بعد شہریوں کے شدید رد عمل کے بعد ہوا۔

وزیر اعلیٰ نے یہ مسئلہ حل کرنے کے لیے گیند وفاقی حکومت کی کورٹ میں پھینک

ڈی (2) جس نے ضلع کے مطلوبہ اخراجات ادا کرنے کا اعلان کر رکھا تھا۔ ان دنوں پاک پتن کی سیاسی فضا نہایت بوجھل' اداس اور حکومت کے خلاف نفرت آمیز تھی اب "ضلع بناؤ تنظیم" کے زیر اہتمام جلوس نکالے گئے' کاروباری ادارے احتجاجاً بند ہوئے۔ وکلاء نے عدالتوں کا بائیکاٹ کیا۔ بھوک ہڑتالوں کے ساتھ اشتہارات کے ذریعے میاں نواز شریف کو یہ احساس دلایا گیا کہ۔

"درگاہ حضرت بابا فریدؒ میں ضلع کے وعدہ سے انحراف اولیاء اللہ کی توہین ہے" ان حالات میں میاں نواز شریف نے جنوری 90ء میں پاک پتن آنے کا وعدہ کیا۔

ضلع کا اعلان : 8/ جنوری 1990ء کو وزیر اعلیٰ پنجاب میاں محمد نواز شریف اپنے مشیر میاں غلام فرید چشتی کے ڈیرے پر تشریف لائے در فریدؒ پر حاضری کے بعد ظہرانے سے پہلے وزیر اعلیٰ نے نہایت سنجیدہ انداز میں ان الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے پاک پتن کو ضلع بنانے کا اعلان کیا۔

"پاک پتن کو حضرت بابا فریدؒ کے حوالے سے نہ صرف مسلمانان پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام میں قدرو منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے مجھے بھی خدا کے فضل و کرم سے بابا فریدؒ کے آستانہ پر گاہے بگاہے حاضری کا شرف حاصل ہوتا رہتا ہے گزشتہ عرس کے موقع پر سجادہ نشین دیوان مودود مسعود نے پاک پتن کو ضلع کا درجہ دینے کا اعلان کیا تھا میں آج اس کا باضابطہ اعلان کرتا ہوں کہ یکم جولائی 1990ء سے پاک پتن ضلع بنا دیا جائے گا"

یکم جولائی 1990ء کی تقریب : یکم جولائی 1990ء کا دن پاک پتن کی تاریخ میں اس لحاظ سے سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے کہ اس دن پاک پتن پنجاب کے نقشہ پر تیسویں ضلع کی حیثیت سے نمودار ہوا۔ لیکن پنجاب کے دیگر اضلاع کے برعکس اس کی جغرافیائی حیثیت بالکل انوکھی تھی۔ اس ضلع کے ساتھ کوئی تحصیل منسلک نہ کی گئی صرف اپنے ہی تین تھانوں پر مشتمل اسے ضلع کا درجہ دے دیا اور عارف والا بدستور ضلع ساہیوال سے منسلک رہا۔

ضلع کے آغاز کی تقریب بلدیہ پاک پتن کے گراؤنڈ میں منعقد ہوئی۔ صدارت پاک پتن کے پہلے ڈپٹی کمشنر مسٹر وسیم افضل نے کی۔ جبکہ میاں غلام فرید چشتی اس

تقریب کے مہمان خصوصی تھے' سردار محمد مغل ایڈیشنل چیف وارڈن سول ڈیفنس نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ جبکہ میاں غلام فرید چشتی اور میاں محمد حسن چشتی چیئرمین بلدیہ نے اس شہر کی تمدنی ضروریات پورا کرنے کا عزم دہرایا۔

یوں تو تحصیل پاک پتن کو ضلع کا درجہ دے دیا گیا مگر دیگر ہر لحاظ سے اس کی حیثیت ایک سب تحصیل سے بھی کم تر ہو کر رہ گئی اس وجہ سے اب یہ ضلع سنگین معاشی دباؤ کا شکار ہے۔ یہاں کے عوام' دانشور' وکلاء' سیاسی زعماء' کاروباری حضرات اس خواہش کے ساتھ کہ عارف والا تحصیل کو پاک پتن سے ملا دیا جائے' کئی بار ایوان اقتدار میں مطالبات پیش کر چکے ہیں تاکہ یہ ضلع بھی اپنی جغرافیائی وسعت کی بنا پر پاکستان کے دیگر اضلاع میں ایک باعزت مقام حاصل کر سکے۔

اس مقصد کیلئے پاکپتن سے وکلاء کا ایک وفد جس میں سید شمشیر علی شاہ' مولوی منظور اختر' میاں سرور جوئیہ' چوہدری سعید احمد سروش' سلطان احمد خاں پنجاب کے گورنر چوہدری الطاف حسین سے ملا گورنر موصوف جن کے رقبہ جات تحصیل عارفوالہ میں ہیں' وفد کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے عارف والا کو پاکپتن کے منسلک کرنے کی ضرورت اہمیت اور مطالبے کو جائز سمجھتے ہوئے جلد ہی نوٹیفکیشن جاری کرنے کا وعدہ کیا جس پر ضلع ساہیوال کی طرف سے عارف والا کو پاکپتن سے منسلک کرنے پر سخت احتجاجی تحریک جاری ہوئی اور ضلع ساہیوال کی طرف سے یہ مطالبہ پیش کیا گیا کہ جب تک ضلع ساہیوال کو ڈویژن کا درجہ نہیں دے دیا جاتا' پاکپتن کی از سر نو ضلعی حد بندی التوا میں ہی رہے گی۔

6/جون 1994ء پنجاب کے وزیر اعلیٰ جناب میاں منظور احمد وٹو عرس حضرت بابا فریدؒ کے موقع پر پاک پتن تشریف لائے تو انہوں نے پاک پتن بار سے خطاب کرتے ہوئے تحصیل عارف والا کو پاک پتن سے منسلک کرنے کا اعلان کیا۔ اس موقع پر اس وقت کے گورنر جناب الطاف حسین کے برادر نسبتی جناب اعجاز احمد ایڈووکیٹ بھی موجود تھے۔ اس اعلان پر ساہیوال اور عارف والا کے وکلاء کاروباری ادارے اور عوام سراپا احتجاج بن گئے۔ عارف والا کے وکلاء اور عوام نے شدید رد عمل کا اظہار کیا۔ وہ پاک پتن سے منسلک ہونے پر اپنی توہین سمجھتے' ان کے نزدیک پاک پتن گاؤں کی مانند ہے اور عارف والا ترقی یافتہ شہر ہے لہٰذا انہوں نے اس بات کا خوب پرا پیگنڈہ کیا کہ عارف والا کو پاک پتن سے منسلک کرنا ایسے ہی ہے جیسے کسی شہر کو گاؤں سے منسلک کر دیا

جائے۔

میاں منظور احمد وٹو وزیر اعلیٰ کے مذکورہ اعلان کے بعد چوہدری نوریز شکور ایم۔این۔اے، جناب ارشد لودھی، شیخ محمد عثمان صدر بار ساہیوال، ایم لطیف مغل نے 19؍ جون 94ء کو ایک احتجاجی جلوس نکالا، جی۔ٹی روڈ بلاک کی، عدالتوں کا بائیکاٹ کیا۔ اس جلوس کے دوران مقررین نے ارباب اقتدار کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اگر عارف والا کو ساہیوال سے جدا کر کے پاک پتن سے منسلک کیا گیا۔ تو اس سے ساہیوال کی اہمیت بہت کم ہو جائے گی۔ تاہم پاک پتن کے وکلاء جن میں اس وقت بار کے صدر میاں محمد انعام وٹو، سید غضنفر علی شاہ، سید شمشیر علی شاہ، چوہدری سعد احمد سروش، چوہدری شاہدین محمد، چوہدری محمد اعجاز نے ذاتی کوششوں سے عارف والا کو پاک پتن سے ملانے کی جدوجہد کو جاری رکھا جس پر جناب میاں منظور احمد وٹو نے عارف والا اور پاک پتن بار کے چند سینئر وکلاء پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جس کے ذمہ اس سنجیدہ مسئلے کا پر امن حل تلاش کرنا تھا۔ گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبری 188,95/171 مورخہ 29 جنوری 95ء عارف والا کو ساہیوال سے علیحدہ کر کے پاک پتن سے منسلک کر دیا گیا (3) اس فیصلے پر پاک پتن کے عوام میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے حکومت کے اس فیصلے کو قابل تحسین قرار دیا۔ اس تاریخی فیصلے پر پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے بیان دیا کہ میاں محمد نواز شریف نے پاک پتن کو ضلع بنا کر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے شہر سے نا انصافی کی تھی اب ہم نے عارف والا تحصیل کو پاک پتن میں شامل کر کے اس ناانصافی کی تلافی کر دی ہے (4) حضرت بابا فرید نے وٹوؤں کو مسلمان کیا تھا۔ اس کے بدلے باباجیؒ کے ضلعے کی تکمیل ایک چھوٹا سا نذرانہ ہے جو ہم ان کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اب عارف والا پاک پتن کی واحد تحصیل ہے امید ہے اس الحاق سے ضلع پاک پتن تمدنی ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو جائے گا۔

عارف والا کی تاریخ : قیام پاکستان سے قبل عارف والا نیلی بار کے علاقے میں صرف پچاس ایکڑ زرعی زمین پر مشتمل "چاہ عارف والا" کے نام سے مشہور تھا۔ اس وقت چاہ عارف والا کبیر نبی روڈ پر واقع تھا۔ جب انگریزوں نے 1926ء میں "ستلج ویلی پراجیکٹ" کے تحت قصور سے ملتان تک ریلوے لائن بچھائی تو چاہ عارف والا نے تیزی

سے ترقی کی۔ انگریزوں نے 1927ء تا 1931ء تک مکانات اور دوکانوں کی تعمیر کے لیے زمین فروخت کی تو بین! بازار اور مشہور تجارتی منڈی معرض وجود میں آئی۔ 1931ء کی مردم شماری کے مطابق عارف والا کی آبادی 3201 افراد پر مشتمل تھی (5) اس وقت انگریزوں نے یہاں ڈسپنسری، مڈل سکول، شفاخانہ حیوانات، تھانہ، عوامی سرائے اور افسران کے لیے ریسٹ ہاؤس تعمیر کیے۔

قیام پاکستان کے بعد پختہ سڑکوں کی تعمیر نے اس شہر کو خاص تیزی سے ترقی دی۔ ویسے بھی اس شہر کی آبادی کی اکثریت مہاجرین پر مشتمل ہے جو زیادہ تر کاروبار، تجارت، ملازمت اور کاشتکاری سے منسلک ہے یہاں کے باسی باشعور ہیں اور اپنے حقوق کی حفاظت کرنا جانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پاک پتن کی نسبت یہاں پر تمدنی سہولتیں زیادہ ہیں۔

حوالہ جات

(1) روزنامہ مشرق

(2) روزنامہ اخبار

(3) نوٹیفکیشن

(4) روزنامہ نوائے وقت 2؍ فروری 1995ء

(5) سٹیٹ گزیٹئر صفحہ نمبر 530

عصر حاضر کا پاک پتن

قیام پاکستان سے قبل اور 1947ء کے بعد ابتدائی چند سالوں تک پاک پتن مغربی پاکستان کی سب سے بڑی نمائندہ تحصیل تھی پھر رفتہ رفتہ ستم بالائے ستم کے تحت اس کی جغرافیائی وسعت گھٹا گئی' تاوقتیکہ پاک پتن کو پر زور عوامی مطالبے کے تحت 1990ء میں ضلع کا درجہ دے دیا گیا مگر حکومت وقت نے اپنی سیاسی مجبوریوں کی بناء پر اس کی وسعت کو صرف ایک ذاتی تحصیل تک محدود رکھا دیگر کوئی اور تحصیل اس کے ساتھ منسلک نہ کی گئی اور یوں پاک پتن وسعت کے لحاظ سے پنجاب کا سب سے چھوٹا مختصر اور منفرد ضلع جس کی لمبائی صرف 15 کلومیٹر ہے' وجود میں آیا۔ اب تحصیل عارف والا پاک پتن کے ساتھ منسلک ہو چکی ہے۔

رقبہ : ضلع پاک پتن کا کل رقبہ 674212 ایکڑ ہے۔ جس میں تحصیل پاک پتن 379066 ایکڑ پر مشتمل ہے جبکہ تحصیل عارف والا کا رقبہ 295146 ایکڑ ہے۔ (1)

محل وقوع : پاک پتن کے مشرق میں ضلع اوکاڑہ کی تحصیل دیپالپور ہے۔ مغرب میں پاک پتن کی تحصیل عارف والا اور ضلع وہاڑی کی تحصیل بوریوالہ ہے۔ جنوب میں دریائے ستلج اور ضلع بہاولنگر کی تحصیل منچن آباد جبکہ شمال میں ضلع ساہیوال (منٹگمری) ہے۔

طبعی خصوصیات : ضلع پاک پتن سطح سمندر سے 162 میٹر بلند ہے اور 25-75 طول بلد اور 30-21 ڈگری عرض بلد پر واقع ہے زمین میدانی اور زرخیز ہے۔ آب و ہوا کے لحاظ سے یہ علاقہ مون سونی خطہ میں واقع ہے۔ جولائی اگست کے مہینے میں بارشیں ہوتی ہیں جبکہ سردیوں میں خلیج فارس سے اٹھنے والے گردباد بھی کبھی کبھار یہاں بارشیں برساتے ہیں۔ یوں گرمیوں میں موسم مرطوب اور سردیوں میں سرد خشک ہے۔ ضلع پاک پتن کی زمین ہموار ہے جس کی سرسبزی اور شادابی کی وجہ نہریں اور آبپاشی کا بہترین نظام ہے۔

نباتات : نہری نظام سے پہلے اس علاقے میں جنڈ' ون' اکاں' کیکر' اور کریر کے

درخت ہوتے تھے۔ ساگ پاڑا سکیم اور نیلی بار آبادکاری کی وجہ سے ان درختوں کی جگہ شیشم' شہتوت' کیکر' اور دوسرے مفید درخت لگائے گئے ہیں۔ اب ضلع پاک پتن میں ہر قسم کے درخت بکثرت ملتے ہیں۔ چند زمینداروں نے کینو' مالٹا' لیموں' امرود اور آم کے باغات بھی لگا رکھے ہیں۔ اب اس ضلع میں باغبانی کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے۔ سفیدہ' پاپولر' سمبل' کے پودے محکمہ جنگلات سے حاصل کر کے ضلع پاک پتن کے تمام دیہاتوں میں کاشت کیے گئے ہیں درختوں کی وجہ سے ضلع کی آب و ہوا خوشگوار ہو رہی ہے۔ سڑکوں کے دو رویہ اور نہروں کے کنارے شیشم اور کیکر کے درخت قومی دولت میں اضافہ کا باعث ہیں۔

حیوانات : سوائے سور کے اس ضلع میں کوئی جنگلی جانور نہیں پایا جاتا' تاہم گیدڑ' بھیڑیا اور لومڑی وغیرہ ضلع کے کچھ حصہ میں پائے جاتے ہیں دریائے ستلج کے کناروں پر جنگلی سور بھی ملتا ہے۔

گائے' بھینس' بکری اور بھیڑ اس ضلع کے پالتو جانور ہیں ساہیوال نسل کی گائے اور دریائے ستلج (نیلی) کی بھینسیں ملکی سطح پر شہرت یافتہ ہے گھوڑا' گدھا' سنڈا' خچر' بیل اور اونٹ اس ضلع میں بار برداری کے لیے استعمال ہوتے ہیں دیہاتوں میں جانور اس ضلع کے باسیوں کی دولت شمار ہوتے ہیں۔

دریا اور نالے : اس ضلع میں دریائے ستلج اور "بیاسا" جیسے عرف عام میں "وی آ" کہلاتی ہے' بہتے ہیں۔ دریائے ستلج کا روائتی نام "نیلی" ہے یہ نام اس کے پانی کے رنگ کی وجہ سے ہے اس صدی کی ابتدا (30-1922ء) میں "ستلج ویلی پراجیکٹ" کے تحت اس پر تین بند باندھے گئے جن سے اس کا پرانا راستہ خاصا متاثر ہوا۔ ہیڈ سلیمانکی سے آگے اس کے پانی کی مقدار کا انحصار بڑی حد تک بھارت کے بھاکڑہ ڈیم اور فیروز پور بند پر ہے۔ ویسے بھی "سندھ طاس معاہدہ" کے تحت اب یہ دریا بھارت کی ملکیت ہے۔ موسم سرما میں دریائے ستلج میں پانی کی مقدار بہت کم ہو جاتی ہے جس سے سلیمانکی سے نکلنے والی تمام نہروں کو پانی مہیا نہیں کیا جا سکتا۔ پھر حکومت پاکستان نے بلوکی سلیمانکی لنک کنال سے ہیڈ سلیمانکی میں پانی فراہم کرنے کا منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچایا تب یہ نہریں سیراب ہوئیں۔ کسی زمانے میں اس دریا کا پاٹ بہت چوڑا تھا۔ پاک پتن اور ضلع بہاولنگر کے درمیان دریائے ستلج کا پاٹ حائل ہے اگر اس پر اوورہیڈ برج

تعمیر کر دیا جائے تو یقیناً" ہر دو اضلاع آمدورفت کی سہولیات میسر آنے پر تمدنی سہولتوں سے بہرہ ور ہو سکیں گے۔

اس طرح بیاسا پاک پتن کی سب تحصیل نور پور کے نزدیک بہتا ہے۔ یہ قدرتی نالہ ہے جس میں برسات کے موسم میں طغیانی آجاتی ہے اور اردگرد کی زمینیں سیلاب سے متاثر ہوتی ہیں موسم برسات میں بھارت اپنا وافر پانی دریائے ستلج میں چھوڑ دیتا ہے جس سے تقریباً" ہر سال ہزاروں ایکڑ پر کھڑی قیمتی فصلیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ دریائے ستلج کا سیلاب ایک بہت بڑا قومی مسئلہ ہے۔ جسے مستقل بنیادوں پر حل کیا جانا حکومتی ذمہ داری ہے۔

درجہ حرارت : اس ضلع کا زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم درجہ حرات جو مختلف موسموں میں رہا درج ذیل ہے۔

موسم	زیادہ سے زیادہ	کم سے کم	اوسط
موسم گرما	104.6 F	78.0 F	90.8 F
موسم سرما	75.8 F	44.6 F	60.2 F
موسم بہار	85.9 F	52.6 F	69.2 F

بارشیں : سال میں بارش کی اوسط 11.2 انچ ہے۔ بارشوں کا موسم عموماً" جولائی سے ستمبر تک ہوتا ہے۔ (2)

آبادی : ضلع پاک پتن کی کل آبادی 725000 افراد پر مشتمل ہے۔ جس میں تحصیل عارف والا 325000 اور تحصیل پاک پتن تقریباً" 400000 نفوس پر مشتمل ہے مردوں اور عورتوں کے تناسب کے لحاظ سے یہ آبادی 45٪ مردوں اور 25٪ عورتوں پر مشتمل ہے جبکہ بچوں کا تناسب 30٪ ہے۔

آبادی میں مختلف گروہ بندی کا تناسب : اس ضلع میں نسبی گروہ بندی کے لحاظ سے آبادی کا تناسب مندرجہ ذیل ہے۔ (3)

موروثی' لوکل' مقامی آبادی	50 فیصد
مہاجر	45 فیصد
پاکستانی آبادکار	5 فیصد

آبادی میں مختلف گروہوں کے اثرات : ضلع پاک پتن کی آبادی ملی جلی اقوام پر مشتمل ہے جس کو درج ذیل گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

وٹو برادری : دریائے ستلج کے دونوں کناروں پر وٹو قوم صدیوں سے آباد ہے دریائے راوی اور ستلج کی درمیانی پٹی میں دریائے بیاس کی مفروعات کا وسیع علاقہ بھی ان کے قبضہ میں تھا حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کی آمد سے پہلے اجودھن (پاک پتن) کے گرد و نواح میں ان کی بے شمار بستیاں آباد تھیں۔ وٹو قوم کا مشہور سردار "کھیوا" جو ایک طاقتور حکمران تھا' اپنی قوم کی بھاری اکثریت کے ساتھ حضرت بابا فریدؒ کے دست مبارک پر مسلمان ہوا۔ لکھے خاں راجہ کھیوا کا جانشین تھا جس کے نام سے "حویلی لکھا" کا شہر منسوب ہے قدیم زمانے میں "سرسہ" ان کا قدیم مرکز تھا۔ اب پاک پتن میں آباد وٹو خاندان مختلف قبیلوں کی صورت میں دریائے ستلج کے کنارے آباد ہیں جو اپنے آباؤ اجداد کے نام سے پہنچانے جاتے ہیں۔ ان قبائل میں مانیکا' ملیکا' تیجیکا' ٹھکرکا' لدھوکا' جیویکا' آہلوکا' جندیکا' عدلیکا' کالوکا' درویشکا' واریکا' بھانیکا' چلا دھیکا' سالکے زیادہ مشہور ہیں۔ وٹو برادری کا ضلعی آبادی میں تیس فیصد تناسب ہے جبکہ یہ برادری ضلعی اور صوبائی سطح پر سیاسی لحاظ سے کافی مضبوط ہے اپنے چند سرکردہ افراد کی بنا پر وٹو برادری کو ملکی سیاست میں بڑا عمل دخل رہا ہے اور ہر دور حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے رہے ہیں میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا' میاں نذر فرید احمد خاں مانیکا (مرحوم) میاں عطا محمد خاں مانیکا' میاں غلام یسین ٹھکرکا' میاں منظور احمد خاں تیجیکا (سابق وزیر اعلیٰ) میاں منظور احمد خاں مانیکا ایڈووکیٹ' میاں احمد رضا خاں مانیکا اور میاں خادم حسین کالوکا اس برادری کے ذی حیثیت اور سرکردہ افراد ہیں' جنہیں جاگیردارانہ نظام اور اپنی افرادی قوت کی بدولت پاک پتن کی سیاست میں کافی بالا دستی رہی میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا تقریباً" ہر عہد میں مختلف وزارتوں پر فائز رہے ہیں۔ آپ کو اپنی وٹو برادری میں ہر لحاظ سے فضیلت حاصل رہی ہے۔

جوئیہ خاندان : جوئیہ قبیلے کے معروف سردار "لونے خاں" اور اس کے دو بھائی "بر" اور "وسیل" اپنے ہزاروں اہل قبیلہ کے ساتھ 635ھ کے قریب حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے حضرت بابا فریدؒ لونے خاں کے

اخلاص، تابعداری اور خدمت سے بے حد متاثر ہوئے اور اسے کثیر العیال ہونے کی دعا دی اس دعا کی تاثیر سے لونے خاں کو اللہ تعالیٰ نے بارہ فرزند عطا کیے اور اس کا بڑا بیٹا لکھو خاں سردار بنا۔ لکھو خاں نے ریاست بیکانیر میں رنگ محل کا قلعہ تعمیر کروایا، بیکانیر میں قصبہ لکھویرا بھی اسی کے نام سے منسوب ہے۔ اس کی اولاد کو لکھویرا کہا جاتا ہے جو ضلع بہاولنگر اور پاک پتن میں آباد ہیں۔

بعض جوئیے اپنے قبیلے کو عربی النسل کہتے ہیں مگر تاریخ جوئیہ کے مصنف مرحوم حیات جوئیہ ٹاڈ صاحب اور "تاریخ قوم راجپوت" کے مصنف شہادت علی خاں جوئیہ قوم کو ہندوستان کی ایک قدیم قوم شمار کرتے ہیں ٹاڈ صاحب اس قوم کو سری کرشن جی کی اولاد بتاتے ہیں یہ قوم پہلے بھٹنیر، ناگور اور ہریانہ کے علاقے میں حکمران تھی اب بھی یہ قوم راجپوتانہ میں اور اس کے ملحقہ علاقے میں بکثرت آباد ہے۔ قیام پاکستان کے بعد یہ قبیلہ بیکانیر سے ہجرت کر کے زیادہ تر ریاست بہاولپور اور ضلع منٹگمری (ساہیوال) عارف والا، پاک پتن میں آباد ہو گیا، ساتویں صدی ہجری میں جوئیوں کی راجپوت بھٹیوں سے بے شمار لڑائیاں ہوئیں (4)، دسویں صدی ہجری میں راجپوتانہ کے جاٹ اور گدارے جوئیوں کے خلاف متحد ہو گئے ان لڑائیوں سے تنگ آکر اور دریائے گھاگرہ کے خشک ہونے کی بنا پر جوئیہ سردار نے دسویں صدی ہجری میں اپنے آبائی شہر رنگ محل کو خیر آباد کہا اور دریائے ستلج کے کنارے ایک نیا شہر سلیم گڑھ آباد کیا زبانی روایتوں میں سلیم گڑھ کا ابتدائی نام "شہر فرید" تھا بعد میں نواب صادق محمد خاں اول نے لکھویروں کے محاصل ادا نہ کرنے کی بناء پر نواب فرید خاں دوم اور ان کے بھائی معروف خاں اور علی خاں کے ساتھ جنگ کی (5) جس کی بناء پر جنوب میں بیکانیر کی سرحد تک اور شمال میں پاک پتن کی جاگیر تک نواب صادق محمد کا قبضہ ہو گیا اور لکھویرا کی ریاست بہاولپور کی ریاست میں مدغم ہو گئی تاہم بعد ازیں شاہان عباسی نے لکھویروں کی ذاتی جاگیریں بحال کر دیں اور انہیں درباری اعزازات بھی دیے۔

میاں فیض احمد جوئیہ، میاں امجد جوئیہ (ایم پی اے) اور ان کا خاندان ضلع پاک پتن میں جوئیہ برادری کے سرکردہ افراد ہیں اور اس ضلع کی سیاست میں انہیں ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے۔

پیر زادہ برادری : یہ گروہ سادات، چشتی، کھگہ، قریشی، بودلہ اور گورایہ خاندان پر

مشتمل ہے۔ لوکل آبادی یعنی پاک پتن کے قدیم باشندے صدیوں پرانے سماجی تعلقات کی بنا پر ان کی بہت عزت کرتے ہیں اور ان کی روحانی سیادت کو تسلیم کرتے ہیں اس برادری کے سرکردہ افراد میں دیوان مودود مسعود سجادہ نشین درگاہ حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ صاحبزادہ پیر غلام فرید چشتی ایم پی اے (سابق)، صاحبزادہ عظمت سید محمد چشتی ایم پی اے، پیر محمد شاہ کھگہ ایم پی اے سابق، میاں محمود احمد خاں (ایم این اے) سجادہ نشین پیر طریقت جناب میاں علی محمد خاں صاحب آف بسی شریف، میاں گنج بخش بودلہ سابق ممبر ڈسٹرکٹ کونسل اور میاں محمد قاسم بودلہ ہیں۔ ان کے علاوہ حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کے عظیم خلیفہ حضرت قطب جمال ہانسویؒ کی اولاد امجاد میں دیوان شیخ جلال محمد ہانسوی کی اولاد جو پاک پتن میں پیر ہانسوی کے لقب سے مشہور ہے اور جن کو 16 ایس پی پاک پتن میں رقبہ جات الاٹ ہوئے ہیں پاک پتن کی پیرزادہ برادری میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔

پاکستان کے وفاقی محتسب اعلیٰ جناب جسٹس عبدالشکور الاسلام کا تعلق بھی پاک پتن کی ہانسوی پیرزادہ برادری سے ہے اور یوں وہ اپنے جد امجد حضرت قطب جمل ہانسوی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عدل و انصاف کا اعلیٰ معیار قائم کیے ہوئے ہیں جبکہ پیر ممتاز الاسلام اور پیر بدر الاسلام اس برادری کے سربراہ ہیں۔ (6)

اسی طرح 1947ء میں دہلی سے ہجرت کر کے حضرت بابا فریدؒ سے دلی عقیدت کی بناء پر یہاں آباد ہونے والوں میں سید مسلم نظامی (7) اور سید لیاقت حسین شمیم قطبی (8) کا خاندان روحانی سیادت کا حامل ہے۔ سید لیاقت حسین شمیم اردو کے معروف شاعر ہیں اور پاک پتن کی کئی نسلیں آپ سے اردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کر چکی ہیں۔

آپ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی نسبت سے قطبی کہلاتے ہیں پاک پتن کے قدیم خاندانوں میں سادات اجمیری میں سید مظہر رسول شاہ اور آپ کا خاندان قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے سید مظہر رسول تحریک پاکستان کے جانثار کارکن رہے ہیں۔

راجپوت برادری : راجپوت ہندوستان کی تاریخ میں ایک جری، بہادر اور جنگجو قبیلے کے طور پر پہچانے جاتے تھے، میدان جنگ میں راجپوتوں کی جوانمردی اور بہادری

ضرب المثل تھی اور ہے۔ حضرت بابا فریدؒ کی آمد سے قبل اجودھن میں ہندو راجپوتوں کی بھاری اکثریت تھی جو مزاج کے سخت گیر، بول چال اور لب و لہجہ میں ترش رو تھے مگر جب یہ قبیلہ جن میں جوئیہ وٹو، سیال، کھرل، چوہان، ٹوانہ، ڈھڈی، چدھڑ، ڈوگر، بھٹی، طور، رانا، کنور، کھوکھر، کوریہ، نون، نوئی، بھنڈارہ، بیٹو وغیرہ حضرت بابا فریدؒ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوا تو پھر "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

یہ برادری ضلع پاک پتن کی آبادی کا پچیس فیصد پر مشتمل ہے ضلعی، صوبائی اور ملکی سیاست میں اس برادری کا بڑا فعال کردار ہے۔ زمینداری کے علاوہ مختلف پیشوں سے اس قبیلہ کے لوگ منسلک ہیں، راؤ محمد ہاشم خاں (ایم این اے) ملکی سطح پر راجپوت برادری کے سرکردہ فرد ہیں۔ کشمیر کمیٹی کے ممبر اور وفاقی پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کے چیرمین رہے۔ جبکہ مقامی سطح پر رانا غلام قادر (ایم پی اے)، رانا زاہد حسین (ایم پی اے) رانا لقمان اور سردار منصب علی ڈوگر اسی برادری میں سیاسی اہمیت کے حامل ہیں۔

آرائیں برادری: بلحاظ تعداد ارائیں برادری ضلع پاک پتن میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ قیام پاکستان سے قبل فرنگی دور میں انگریزوں نے جب ضلع منٹگمری (ساہیوال) میں سہاگ پاڑا اور نیلی بار آبادکاری کا آغاز کیا تو اس وقت ضلع لاہور اور امرتسر کے آرائیوں کو ضلع پاک پتن میں چاہ سکیم پر رقبہ جات الاٹ کیے عرف عام میں یہ ارائیں اب اس ضلع میں آباد کار کہلاتے ہیں، سہاگ پاڑا اور نیلی بار آبادکاری کے دوران انگریزوں نے جو نئے چکوک آباد کیے جن کے ساتھ ایس پی اور ای بی لگتا ہے ان میں ارائیں برادری کی اکثریت ہے۔

اسی طرح مقامی ارائیں جو عرف عام میں "مہر" کہلاتے ہیں جو پاک پتن کی قدیم قوم ہے۔ ملازمت کاروبار کے علاوہ اکثریت پاک پتن کے گرد و نواح میں کاشت کاری کرتی ہے پاک پتن کے محلہ پیر کریاں، پیر کوٹ، محلہ بشارت، محلہ کوکنیانوالہ، محلہ چاہ دوہتہ، اور محلہ عیدگاہ میں ان کی اکثریت ہے۔

قیام پاکستان کے بعد جالندھر، ہوشیار پور، نکودر، زیرہ، فیروز پور اور امرتسر کے ارائیوں کی اکثریت ہجرت کر کے ضلع ساہیوال اور ضلع پاک پتن میں آباد ہوئی۔ شہروں میں اس برادری کے افراد تجارت کاروبار اور ملازمت سے منسلک ہیں۔ جبکہ دیہاتوں

میں یہ برادری کھیتی باڑی سے وابستہ ہے ضلع پاک پتن کے تمام دیہاتوں اور محلوں میں اس برادری کے افراد مقیم ہیں "چیونٹی کی سی محنت اس برادری کا شعار ہے" (9) وہ ایک کھیت سے اتنا پیدا کر لیتے ہیں جتنا کوئی دوسری قوم پیدا نہیں کر سکتی۔

پاک پتن کی معیشت، معاشرت اور سیاست میں اب یہ برادری اپنی افرادی قوت اور مالی وسائل کی بناء پر دن بدن نمایاں ہو رہی ہے مہاجر ارائیوں میں نسلی عصبیت کسی حد تک پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ یہاں پر بسنے والی دوسری اقوام سے کم آمیز اور رسمی تعلقات پر ہی اکتفا کرتی ہے چوہدری محمد شفیق آرائیں، میاں نوید طارق (ایم پی اے)، حاجی چوہدری عبدلواحد، چوہدری شلہدین ایڈووکیٹ، عبدالحلیم عرشی مقامی سیاست میں اس برادری کی نمائندگی کرتے ہیں چوہدری محمد اکرم بلدیہ پاک پتن کے چیرمین جبکہ ڈاکٹر صدر دین بلدیہ پاک پتن کے کافی عرصہ وائس چیرمین بھی رہ چکے ہیں۔ چوہدری جاوید وائس چیرمین ڈسٹرکٹ کونسل پاکپتن ہیں۔

جٹ برادری: اس برادری میں وڑائچ، کچھی، گل، سندھو، بھلر، کانجو، نوناری، اولک، سنگھڑ، راندو، ہنجرا، ونیر، منج، ورک اقوام کے لوگ شامل ہیں ضلعی آبادی میں ان کا تناسب بیس فیصد ہے، ضلع پاک پتن کی سیاست میں اس برادری کا ملا جلا اثر ہے یہ برادری بطور حلیف کسی بھی سیاسی گروہ کی معاون بن کر کردار ادا کر رہی ہے پاک پتن کے قریب 32 ایس پی اور 33 ایس پی میں گل آباد ہیں۔

کمبوہ برادری: کمبوہ برادری بھی ضلع پاک پتن کے اندر بکثرت آباد ہے ملازمت، تجارت اور کاشتکاری سے منسلک ہے۔ چک کمبوہ 39 ایس پی، 38 ایس پی، 10 ایس پی، 20 ایس پی، 36 ایس پی، 15 ایس پی، 5 ایس پی، کے علاوہ شہر پاک پتن کے محلہ فرید نگر، محلہ انعام آباد، محلہ سلوھانوالہ، محلہ عید گاہ میں آباد ہے۔ اس برادری کی اکثریت مقامی ہے۔ تحریک پاکستان اور مہاجرین کی امداد و بحالی دینی و دنیاوی تعلیم کے فروغ کے سلسلہ میں اس برادری کی خدمات کو کسی طور بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

گوندل براری: گوندل قبیلہ کا مورث اعلی گھنوں ایک ہندو پروہت تھا اور دریائے جہلم کے کنارے پوجا پاٹ کیا کرتا تھا۔ جب حضرت بابا فریدؒ اس علاقہ سے گزرے تو اسے آپ کی صحبت حق نے بے حد متاثر کیا اور وہ مسلمان ہوا۔ گھنوں کی اولاد کو

حضرت بابا فریدؒ نے گوندل کا لقب دیا۔ گوندل پاک پتن کے دیہاتوں میں کم تعداد میں ہیں۔ کھیتی باڑی کے ساتھ ساتھ پنجاب کی ثقافتی سرگرمیوں کے امین ہیں۔ میلوں ٹھیلوں پر گانا بجا کر روزی کماتے ہیں۔

بلوچ برادری : پاک پتن کے قدیم باشندے یا تو دریائی قبائل کی اولاد ہیں یا حملہ آوروں کی نسل ہیں' جو مقامی باشندوں سے گھل مل گئے ہیں پاک پتن میں دریائے ستلج کے کنارے بلوچ قبائل آباد ہیں جو غالباً" میر چاکر جس نے نصیر الدین ہمایوں کو دوبارہ تخت دہلی دلوانے میں اہم کردار ادا کیا اس کے ساتھ بلوچستان سے پنجاب آئے اور یہاں آباد ہوئے جو جگا بلوچ' شاہو بلوچ' اور دیگر مواضعات میں یہ برادری بکثرت آباد ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران بلوچ اقوام نے قیام پاکستان کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔ اب لیاقت علی خاں بلوچ ایڈووکیٹ اس برادری میں اثر و نفوذ حاصل کر رہے ہیں جبکہ منظور احمد خاں اس برادری میں ایک بڑے زمیندار ہیں۔

پٹھان برادری : یہ برادری پاک پتن میں متمول زمیندار گھرانوں میں شمار ہوتی ہے ضلع پاک پتن میں بیشتر مواضعات ان کی ملکیت ہیں کوٹ ہیرا سنگھ' بگھا ہانس' موضع مل' سوچان' ناٹلی' بٹی کالو' کری' ڈینڈلا جہانگیر' جنڈ' چک مراد خاں' کنڈ شمس قابل ذکر ہیں۔ خاں محمد زمان خاں اس برادری کی ممتاز شخصیت تھی جنھوں نے اپنے خاندان کے دوسرے افراد خاں اسداللہ خاں' خاں حق نواز خاں' خاں رب نواز خاں' خاں شاہنواز خاں سے مل کر تحریک پاکستان اور مہاجرین کی آباد کاری میں بڑا فعال کردار ادا کیا۔ اس وقت میاں محمود احمد خاں ایم این اے (ن) پٹھان برادری میں سب سے ممتاز ہیں۔

ٹوانہ برادری : ٹوانہ راجپوتوں کا مورث اعلیٰ میلو ریاست وھانگری کا حکمران تھا (10) جو حضرت بابا فریدؒ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوا اگرچہ ٹوانہ برادری کی تعداد پاک پتن کے اندر بہت کم ہے تاہم چوک سکندر کے قریب موضوع "ٹوانہ" جو تقریباً" 82 مربع ایکٹر زمین پر مشتمل ہے اس برادری کی ملکیت ہے اس علاقے میں کسی وقت بابا ملک غلام عباس ٹوانہ معروف شخصیت تھی اب ان کے فرزند محمد شیر ٹوانہ قابل ذکر ہیں جبکہ ملک محمد قاسم ٹوانہ اور ملک حاکم خاں ٹوانہ اور ان کی اولاد اس علاقے کے معروف زمیندار ہیں۔

متفرق برادری : اس برادری میں گجر' شیخ' ہانس' مغل' اعوان' رحمانی' عباسی اور نو مسلم شیخ کے افراد شامل ہیں جہاں تک ہانس قبیلے کا تعلق ہے۔ ان کے بارے ملکہ ہانس کی تاریخی اہمیت میں تفصیل درج ہے غیر زراعت پیشہ برادری میں شیخ' رحمانی اور عباسی زیادہ اہم ہیں۔

آبادی کی پیشہ وارانہ تقسیم کا تناسب :

زراعت پیشہ	50 فیصد
تاجر	5 فیصد
مزدور	15 فیصد
بے روزگار	20 فیصد
ملازمت پیشہ	10 فیصد

آبادی میں خواندگی کی شرح : اس ضلع میں مردوں میں خواندگی کی شرح 20 فیصد ہے۔ جبکہ عورتوں کی شرح 10 فیصد ہے۔

پاک پتن کی معیشت : پاک پتن کی آبادی کا کثیر حصہ دیہات سے منسلک ہے۔ جس کا پیشہ زراعت اور گلہ بانی ہے۔ اس ضلع کی آبادی زیادہ تر کپاس' چاول' گنا گندم' دالیں' سبزیاں' اور سبز چارہ کاشت کر کے گزر اوقات کرتی ہے اس کے علاوہ مال مویشی بھی ان کی دولت تصور ہوتے ہیں چونکہ یہ علاقہ صدیوں سے جاگیرداروں کا علاقہ ہے اس لیے زیادہ تر کاشتکاری مزارعین یا پٹے داروں کے ذریعے ہوتی ہے۔ جس کی بناء پر اکثر اوقات مزارعین' پٹے داروں اور زمینداروں کے درمیان فوجداری اور دیوانی جھگڑے وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

زراعت کے علاوہ تجارت اور ملازمت سے بھی یہاں کی کچھ آبادی منسلک ہے اتفاق شوگر ملز کے قیام کے بعد پاک پتن میں گنا کی کاشت پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔ قبل ازیں گنا کی وسیع پیمانے پر کاشت کے لیے یہاں کے کسانوں کو تمام بنکوں سے قرضہ جات کی سہولتیں فراہم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب ضلع پاک پتن میں گنا کی پیداوار میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے شوگر ملز کے علاوہ 25 جیننگ فیکٹریاں 16 رائس ملز اور 15 آئل ملز بھی موجود ہیں۔ پولٹری کی صنعت بھی پاک پتن میں خوشگوار

حد تک ترقی پذیر ہے جس کی وجہ سے اب گوشت کی قلت کم محسوس ہوتی ہے علاوہ ازیں پارچہ بافی' لکڑی کا فرنیچر' مٹی کے برتن' چاندی' سونے کے دیدہ زیب زیورات یہاں کی مشہور صنعتیں ہیں۔ ویسے مجموعی طور پاک پتن کی معیشت سیزنل ہے۔ فصلوں کی برداشت کے وقت ہی یہاں کے کاروبار میں تیزی اور چمک پیدا ہوتی ہے۔ سال کے دوسرے مہینوں میں مندے کا رجحان غالب رہتا ہے۔

قدرتی وسائل : اس ضلع کے قدرتی وسائل نہ ہونے کے برابر ہیں دریائے ستلج سے تعمیراتی مقصد کے لیے ریت نکالی جاتی ہے جس پر باقاعدہ ریت رائلٹی وصول کی جاتی ہے۔ پاک پتن کی مٹی بہت چکنی ہے۔ جو مٹی کے برتن بالخصوص مٹی کے گھڑے بنانے کے لیے بے حد موزوں ہے دریائے ستلج کے کنارے "سرکنڈوں" کی شکل میں جھاڑیاں پائی جاتی ہیں جن سے ایندھن کا کام لیا جاتا ہے۔ سرکنڈے بکثرت ملتے ہیں جن سے چھپر وغیرہ تیار کیے جاتے ہیں۔ سرکنڈوں کی وجہ سے مونج بکثرت ملتی ہے جس سے چارپائیوں کے لیے بان تیار کیا جاتا ہے۔ قدرتی جنگلات نہ ہیں تاہم مصنوعی جنگلات تیار کیے گئے ہیں۔ ضلع بننے سے قبل پاک پتن کا ذخیرہ بہت مشہور تھا جبکہ اس وقت نور پور سب تحصیل میں واقع 96 ڈی کا ذخیرہ قابل ذکر ہے۔

تجارتی مراکز : پاک پتن کی غلہ منڈی مشہور تجارتی مرکز ریلوے اسٹیشن کے قریب واقع ہے۔ اناج کی خریدو فروخت کا نہایت اہم تجارتی مرکز ہے جس کی بناء پر یہاں پاسکو کا گودام بھی تعمیر کیا گیا ہے۔ یہاں سے گندم اور چاول پاکستان کے دوسرے صوبوں خصوصاً" صوبہ سرحد کو بھیجے جاتے ہیں۔ غلہ منڈی کا جملہ کاروبار یہاں کی شیخ برادری اور قیام پاکستان کے بعد یہاں پر آباد ہونے والی برادریوں کے ہاتھ میں ہے۔ جبکہ یہاں کی مقامی آبادی بتدریج غربت' معاشی بدحالی اور بے روزگاری کا شکار ہو رہی ہے۔ بیرون غلہ منڈی کا بازار پاک پتن کا ایک بڑا تجارتی مرکز ہے۔ یہاں ہر قسم کی دوکانیں بشمول شو سٹورز' آپٹیکل سروس' میڈیکل سٹورز' کلاتھ مرچنٹ' سٹیشنری مارٹ' بک سیلز' الیکٹرک سٹورز' سائیکل ورکس برتن فروش جنرل سٹورز وغیرہ ہیں۔

پاک پتن کا تیسرا بڑا تجارتی مرکز درگاہ بازار ہے جو جنرل سٹورز کلاتھ مرچنٹ۔ شو سٹورز' بینگل شاپس' خواتین کی مصنوعی جیولری' بچوں کے کھلونے اور آرائشی سامان پر مشتمل دوکانیں ہیں۔ اسی طرح پاک پتن کا چوتھا تجارتی مرکز صرافہ بازار ہے جسے سونے اور چاندی کے لین دین کے سلسلہ میں قیام پاکستان سے لے کر آج تک بہت اہمیت حاصل رہی ہے علاوہ ازیں چوک فوارہ سے بس اسٹینڈ تک ہمہ قسم کی دوکانیں ہیں جن میں ہارڈویر۔ سپیئر پارٹس اور ورکشاپس وغیرہ زیادہ ہیں۔

اس شہر میں فروٹ مارکیٹ نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے دوسرے شہروں کی نسبت یہاں پر فروٹ مہنگا اور کم معیاری بکتا ہے البتہ چوک رازق دادا شہید کے بالمقابل سبزی منڈی ہے۔ جہاں پر مقامی سبزیوں کے علاوہ دوسرے علاقوں سے بھی بذریعہ ٹرک سبزیاں یعنی پیاز' لہسن' وغیرہ پہنچتے ہیں۔

پاک پتن میں ہر ماہ کی 15 تاریخ کو مال منڈی کا انعقاد ہوتا ہے جہاں مال مویشی کی خریدو فروخت ہوتی ہے۔ جس میں دریائے ستلج کی اصیل بھینس اور ساہیوال نسل کی گائے و بیل خریدو فروخت کے لیے لائے جاتے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ اس ضلع کی معیشت زرعی ہے۔ زمینوں پر بڑے بڑے جاگیردار قابض ہیں جبکہ دوسری طرف یہاں پر صنعتیں قائم کرنے کا رجحان بے حد کم ہے۔ جس کی بناء پر بے روزگاری زیادہ ہے۔

معاشرت : اس ضلع کی معاشرت پر جاگیرداروں اور بڑے بڑے زمینداروں کا اثر و رسوخ قوی ہے۔ وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے اپنے مزارعین اور غریب عوام کو باآسانی استعمال کرتے ہوئے مختلف جرائم کرواتے ہیں علاوہ ازیں رسہ گیری کا رجحان بھی عام ہے۔ زمیندار اپنی ذات کی انا کی تسکین اور خاندانی رنجشوں کا انتقام غربت کے استحصال سے لیتے رہتے ہیں۔ لوگوں کا رہن سہن عمومی ہے۔ حفظان صحت کے اصولوں کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ شہر میں پانی کے نکاس کا بہتر انتظام نہیں ہے۔ صفائی ناپید ہے اکثر جگہوں پر کوڑا کرکٹ کے ڈھیر لگے نظر آتے ہیں۔ بدبو اور تعفن اکثر محلوں میں عام ہے لوگوں کے مکانات نقشہ کے بغیر اپنی ضروریات کے تحت تعمیر کیے گئے ہیں جن کی بناء پر شہر کا عمومی حسن کبھی بھی قائم نہیں ہو سکا۔ پرانی طرز کے کچے پکے مکانات ہیں۔ شہر میں بجلی کی وجہ سے لوگوں کے رہن سہن میں کچھ آسودگی پیدا ہو چکی ہے جبکہ دیہاتوں میں لوگوں کا رہن سہن نہایت ہی خستہ ہے۔ امیر طبقہ جدید معاشرتی سہولیات سے بہرہ ور ہے۔ ان کے مکانات جدید طرز پر تعمیر ہیں جن میں ہر طرح کی سہولیات میسر ہیں۔ شہروں میں خواتین امور خانہ داری میں مصروف رہتی ہیں

جبکہ دیہاتوں میں خواتین اپنے افراد خانہ کے ساتھ مل کر کھیتوں میں کام کر کے ملکی پیداوار میں اضافہ کا سبب بنتی ہیں۔ پاک پتن قدیم رسم و رواج کی آماجگاہ ہے۔ خوشی و غمی کے رسم و رواج صدیوں پرانی تہذیبی میراث کی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں۔

وٹہ سٹہ کی شادی کا رواج عام ہے۔ شادی بیاہ کی رسومات بڑی دھوم دھام سے ادا کی جاتی ہیں۔ شہروں میں شادی کے موقع پر بینڈ باجے ہوتے ہیں۔ جبکہ دیہاتوں میں ڈھول کی تھاپ شادی کی نوید کا پیغام دیتی ہے' لڑکے کی پیدائش پر لڑکی کی نسبت زیادہ خوشی منائی جاتی ہے۔ عقیقہ کا کہیں کہیں رواج ہے۔ موت پر سوئم اور چالیسویں کا ختم دلوانا مرحوم کی بخشش کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ مذہبی لحاظ سے یہاں پر سنی العقیدہ لوگوں کی اکثریت ہے پیری مریدی عام ہے۔ پاک پتن اولیاء اللہ کی سر زمین ہے۔ حضرت بابا فریدؒ حضرت بدالدین اسحاقؒ حضرت خواجہ عزیز مکیؒ اور ان کے خلفاء عظام کا مرکز تجلیات ہے۔ ان بزرگان دین نے ہمیشہ اپنے اعمال و افعال سے تو ہم پرستی شرک و بدعت جیسی برائیوں کے خلاف آواز بلند رکھی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج بھی ان برگزیدہ ہستیوں کے حیات افروز پیغام کو عملی صورت میں رائج کیا جائے۔

پاک پتن کے اہم تہوار :پاک پتن کے اہم تہوار عیدین' عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم اور گیارہویں شریف کا ختم ہے۔ یکم محرم تا 10 محرم حضرت بابا فریدؒ کا سالانہ عرس منایا جاتا ہے۔ عرس کے دوران پاکستان اور برصغیر سے زائرین یہاں حاضری دیتے ہیں اور ملک کے نامور قوال محفل سماع میں صوفیائے کرام اور اہل دل احباب کے جذبہ وصل حق کی تسکین کرتے ہیں۔ 5 تا 10 محرم بہشتی دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اس عرس کی جملہ رسومات حضرت بابا فریدؒ کے سجادہ نشین دیوان مودود مسعود ادا کرتے ہیں۔

اس عرس کے علاوہ 5' 6 جمادی الثانی حضرت بدرالدین اسحاقؒ کا عرس منعقد ہوتا ہے میٹھے پانی اور دودھ کے جھجر جن میں سونے اور چاندی کی اشرفیاں پائی جاتی ہیں نذرانے کے طور پر درگاہ میں پیش کی جاتی ہیں۔

تیسرا بڑا میلہ چیت ماہ مارچ بستی سخی غلام قادر میں منعقد ہوتا ہے چونکہ یہ میلہ ہمیشہ ایسے موسم میں لگتا ہے جو کسانوں کے لیے فراغت کا موسم ہوتا ہے اس لیے دیہاتی اس میلہ میں دل کھول کر شرکت کرتے ہیں۔

چوتھا عرس حضرت خواجہ عزیز مکیؒ ہر سال منعقد ہوتا ہے۔ اس عرس پر روحانی

ماحول کو فوقیت حاصل رہتی ہے ان تمام میلوں اور اعراس کے موقعوں پر کاروباری حضرات سٹال لگاتے ہیں' سرکس اور مختلف کھیل تماشے ہوتے ہیں۔ حضرت بابا فریدؒ کے عرس کے موقع پر زائرین کے قیام کا کوئی مناسب بندوبست نہیں ہوتا۔ زائرین مختلف جگہوں پر ذاتی طور پر قیام پذیر ہوتے ہیں۔

ادبی سرگرمیاں :پاک پتن صدیوں سے علم و ادب کا گہوارا رہا ہے۔ پنجابی شاعری کے حوالے سے پاک پتن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ حضرت بابا فریدؒ اس زبان کے پہلے عظیم صوفی شاعر ہیں جنہوں نے اس علاقے کی مادری زبان پنجابی میں صوفیانہ اور عارفانہ کلام پیش کیا۔ اس کلام کے اندر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت' انسانیت سے دوستی' دنیا کی بے ثباتی' اور عبودیت کے تقاضوں کا پیغام ہے پھر آپ ہی کی اولاد درگاہ حضرت بابا فریدؒ کے 12 ویں سجادہ نشین حضرت ابراہیم فرید ثانیؒ بھی پنجابی زبان کے قادر الکلام شاعر تھے' بابا گرو نانک جی حقیقتاً" ان کی شاعری سے متاثر ہوئے تھے اور انہوں نے اپنی کتاب " آسا" میں ان کے اشعار کو شامل کیا تھا۔

بعد ازاں سید وارث شاہ نے پاک پتن کے نواحی قصبہ ملکہ ہانس کی مسجد میں بیٹھ کر "ہیر وارث" کا بے مثل لافانی ادبی شاہکار تخلیق کیا اس شاہکار کی بناء پر سید وارث شاہ پنجابی کے سعدی' انگریزی زبان کے شکسپیر کیٹس اور شیلے کہلوائے۔

موجودہ صدی میں ہندوستان کے نامور ادیب اور معروف شاعر کنور مہندر سنگھ سحر بیدی جو کہ قیام پاکستان سے قبل پاک پتن کے باسی تھے اور جن کا ادبی خمیر بھی اس سرزمین سے اٹھا تھا بٹوارے کے بعد جب کبھی وہ پاکستان آئے پاک پتن کی ادبی محافل میں ہر صورت شرکت کرتے ان کی نثری ادبی تخلیق "یادوں کا جشن" کے اندر 1947ء سے قبل پاک پتن کے سیاسی' تہذیبی' ثقافتی اور تاریخی پہلوؤں' کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ ان کی شاعری میں منقبت کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ آپ نے اپنی شاعری کے ذریعے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھرپور عقیدت کا اظہار کیا یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں مستشرقین Orientalists کا طرز فکر غالب ہے۔

قیام پاکستان سے قبل سید محمد شاہ ایڈووکیٹ پاک پتن سے چودہ روزہ اخبار "دنیا" نکالا کرتے تھے اس اخبار کے وہ خود چیف ایڈیٹر تھے اور کتابت بشیر احمد لاہور والے کیا کرتے تھے۔ اس اخبار کے اندر یہاں کے مسلمانوں کے اندر تعلیم کا شعور پیدا کیا جاتا۔

زراعت سے متعلقہ جدید معلومات فراہم کی جاتیں اور امداد باہمی کا شعور اجاگر کرتے ہوئے کو آپریٹو سوسائٹی کی افادیت و اہمیت سے آگاہ کیا جاتا تھا۔

قیام پاکستان کے ابتدائی ادوار سے ہی یہاں کے ادیبوں' شاعروں اور تخلیق کاروں نے علم و ادب کی شمع کو روشن رکھا اور ہر عہد میں یہاں ادبی فضا قائم رہی۔ انجمن ترقی اردو پاک پتن کو یہاں کی ادبی سرگرمیوں میں اولیت کا امتیازی مقام ہے اس ضمن میں مولوی منظور احمد اختر ایڈووکیٹ' میاں علی احمد بسمل حیاتوی' سید صفدر شاہ اجمیری ایڈووکیٹ' استاد لطیف ادیب' پروفیسر خالد جاوید اور دیگر اہل علم احباب نے انجمن کو ایک فعال ادارہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا یاد رہے کہ دیوان غلام قطب الدین (مرحوم) اس انجمن کی باقاعدہ سرپرستی فرماتے رہے یہی وجہ ہے کہ اس انجمن کے زیر اہتمام پاک پتن کے اندر دو انڈوپاک اور کم و بیش چار آل پاکستان روح پرور مشاعرے منعقد ہوئے ان مشاعروں میں جناب کنور مہندر سنگھ بیدی سحر' جناب محشر امروہی' علامہ محمد انور صابری' محترمہ ثریا زیبا' نے بھارت کی نمائندگی کی جبکہ جناب احمد ندیم قاسمی جناب ظہیر کاشمیری۔ جناب احسان دانش' جناب مظفر وارثی' جناب کلیم عثمانی' جناب چراغ دین' المعروف استاد دامن' جناب قتیل شفائی' جناب منیر نیازی' محترمہ بسمل صابری' محترمہ منور لکھنوی' جناب مجید امجد' جناب عبدالحمید عدم' محترمہ خورشید راٹھور' اور جناب ساغر صدیقی نے پاکستان کی نمائندگی کی۔

انجمن ترقی اردو پاک پتن باقاعدگی سے پندرہ روزہ مشاعر کا اہتمام کرتی جس میں پاک پتن کے شعراء کرام اپنا تازہ بہ تازہ کلام پیش کرتے ان شعراء کرام میں مرزا سعد کلانوری' سید عبداللہ شاہ نادار' سید سید علی شاہ بیدار' باقر شاہ جہاں پوری' مجید سالک رضوی' حسن درویش' محمد یوسف ترندی (مزاح)' مظفر بخاری' حافظ لیاقت حسین شمیم قطبی دہلوی' ماسٹر سلیمان عشرت' فیض فرید چشتی' مرزا مصاحب بیگ کلانوری' محمد شریف ساجد' محمد امین شاہد کے علاوہ سید صفدر علی شاہ ایڈووکیٹ قابل ذکر ہیں' اسی طرح کنوز خورشید (ر) تحصیل دار کے گھر پر ادبی شعری نشستیں بھی منعقد ہوتی رہیں۔

ارتقائے زمانہ کے ساتھ ساتھ پاک پتن کے اہل علم اور شعراء کرام نے یہاں اپنے اپنے ادبی حلقے تشکیل دیئے جن میں مجلس افکار نو' مجلس بابا فرید' انجمن وارث شاہ' مجلس تعمیر ادب' حلقہ ارباب فرید اور حلقہ فروغ ادب قابل ذکر ہیں۔

انجمن وارث شاہ کے بانی جناب ظہور حسین ظہور (مرحوم) کی کتاب کوڑے گھٹ اور "کونجاں وس کراوان" پنجابی شاعری میں خاصی مقبول ہیں آپ کی شاعری ادب برائے ادب کی بجائے ادب برائے زندگی ہے جس میں وطن سے لافانی محبت کا عنصر غالب ہے۔ اسی طرح جناب خادم چشتی (مرحوم) پنجابی زبان کے قادر الکلام شاعر ہیں آپ کی شاعری پنجاب کی ثقافت کی جیتی جاگتی تصویر ہے جس میں معاشرتی استحصال اور ظلم کی زبردست کاٹ ہے "رب راکھا" آپ کا شعری مجموعہ دراصل مادر وطن پر ہونے والے ظلموں پر ایک تنقیدی تبصرہ ہے۔

حلقہ ارباب فرید کے بانی جناب منیب برہانی کا مجموعہ کلام "پرتوِ خیال" اور "ستاروں کی گھنٹیاں" اردو شاعری کا دل پذیر مجموعہ ہیں جواں سال تنویر عباس نقوی کا پہلا افسانوی مجموعہ جو کوئے یار سے نکلے اسی حلقے کے زیر اہتمام شائع ہو چکا ہے پھر اردو منزل کے مالک جناب مولانا مسلم نظامی کی کتاب "انوار الفرید" حضرت بابا فرید کی سوانح حیات پر مستند کتاب بہت پہلے شائع ہو چکی ہے سعید آسی کی کتاب "سوچ سمندر" بھی پنجابی شاعری کا بہترین تخیل ہے۔ جناب محمد امین شاہد کا مجموعہ کلام "بہار سے پہلے" شائع ہو چکا ہے اس طرح جناب عمر غنی پنجابی زبان کے صاحب دیوان شاعر ہیں پاک پتن عوامی پنچایت کے بانی معروف دانشور جناب شیخ مسعود خالد کی کتاب "سائیں فرید کا فلسفہ انسانیت" مارکسی جدلیاتی نظریہ اور جدید مغربی مفکرین کے انسان دوست نظریات سے مطابقت پر بہترین تخلیق ہے جب کہ جواں سال مصنف میاں احمد خاور شہزاد کی تصنیف "پاکستان تحریک و سیاست" ان کی ایک قابل قدر تحقیقی کوشش ہے۔

نعت گوئی میں پاک پتن کے شعرائے کرام مقام رکھتے ہیں۔ پاک پتن کے جواں سال نعت گو شاعر جناب جمشید کمبوہ' شہباز فریدی' غازی محمد صدیق' اور امیر حمزہ عباسی قابل ذکر تحسین ہیں۔

محمد ایوب اختر سیکرٹری انجمن وارث شاہ' پرفیسر محمد اکرم ناصر' چوہدری سعد احمد سروش' محمد امین شاہد' ابوسجاد ساغر' محمد یونس فریدی' پروفیسر یاسمین برکت' جنابہ ناہید کوریہ' محمد طاہر خان علوی' ریاض اویسی (مرحوم) اور بی۔ اے وٹو کے نام پاک پتن کی ادبی دنیا میں پکارے جاتے ہیں۔

صحافتی دنیا میں جناب مجیب الرحمٰن شاہی جنہیں شاہی کی بجائے پاکپتنی کہلوانے

پر فخر ہونا چاہیے تھا اسی مٹی کے سپوت ہیں۔ محلہ پیر کریاں کے سعید آسی روز نامہ نوائے وقت سے منسلک ہیں علاوہ ازیں پندرہ روزہ مجلہ "سرحد" "نوٹس" "بندگی" اور " پاکیشیا " یہاں کی ادبی ثقافتی سرگرمیوں کو متعارف کروانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

کرنل (ریٹائرڈ) غلام جیلانی خاں جو پاکستان آرمی ایجوکیشن کور میں منسلک تھے رسالہ "پاکستان آرمی جرنل" کے چیف آڈیٹر رہ چکے ہیں اور جنرل سلم کی مشہور کتاب "شکست سے فتح تک" کا اردو ترجمہ کر چکے ہیں آپ اردو فارسی اور انگریزی زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں۔

کھیلیں اور ثقافتی سرگرمیاں :ابتدائے آفرینش سے آج تک ہر دور کے انسان نے اپنے جذبوں کے اظہار کے لیے مختلف فنون لطیفہ کا سہارا لیا جن میں شاعری موسیقی' مصوری' اداکاری' گلوکاری' فن تعمیروغیرہ سر فہرست ہیں۔ حضرت بابا فریدؒ کی ذات گرامی سے روحانی نسبت رکھنے والے لوگوں کا وجود زندگی کے ہر شعبے میں رہا ہے۔ شہر فرید میں حضرت بابا فریدؒ اور سلسلہ گیلانیاں کے بزرگوں کے عرس اور میلے ہر سال منعقد ہوتے ہیں ان اعراس کے موقع پر اپنے اپنے وقت کے نامی گرامی گلوکار' موسیکار' اداکار' حاضری دینا باعث سعادت سمجھتے ہیں۔ تقسیم ہند سے پہلے ہندو گلوکار ملکمراج چڑایا" پاک پتن سے جا کر دلی ریڈیو اسٹیشن پر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اسی طرح قادر بخش کے بھائی استاد حیدر علی پکھاوجی کا تعلق بھی اسی سر زمین سے رہا جنہیں وائسرائے ہند نے ان کی فنی خدمات کے اعتراف میں گولڈ میڈل عطاء کیا ماضی میں ہندوستان بھر کے معروف قوالوں کے علاوہ دین محمد خاں عرف دینا قوال جالندھر والے در فریدؒ پر حاضری دینے کے لیے آتے رہے یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد دینا قوال کے چھوٹے بھائی احمد دین جو آج کے نامور قوال بدر میاں داد قوال کے دادا تھے۔ پاک پتن میں قیام پذیر ہوئے' اسی طرح سلسلہ گیلانیاں کی دعا سے اللہ رکھی آج کی ملکہ ترنم نور جہاں ہے۔ ملکہ ترنم نور جہاں متعدد بار بستی غلام قادر میں اپنے پیر خانہ پر حاضری دے چکی ہیں اسی طرح نذیر احمد فریدی ریڈیو پاکستان لاہور سے اپنی گائیکی کا مظاہرہ گاہے بہ گاہے کرتے رہتے ہیں۔ محبوب چشتی نے اردو فلم "داسی" کے لیے نغمات ریکارڈ کروائے ان کا تعلق بھی پاک پتن سے ہے۔ اس شہر کے معروف

شاعر فوٹو گرافر ابو سجاد ساغر بحیثیت ماؤتھ آرگنسٹ دور دور تک پہچانے جاتے ہیں۔ استاد بابا محمد صدیق اور استاد عبدالطیف صابری راگ راگنیوں پر گہری معلومات کے حامل ہیں۔

اسی طرح روپ بہروپ کی دنیا سے عشق کرنے والے لوگ بھی اس شہر میں ہر آن رہے ہیں قیام پاکستان کے فوراً بعد یہاں کے چند شوقین اداکاروں نے سٹریٹ تھیٹر کے طرز پر گلی کوچوں میں مختلف نصیحت آموز ڈرامے کیے۔ اس وقت حضرت بابا فریدؒ ڈرامینک کلب' وجود میں آیا۔ اس کلب میں میراں بخش' قمردین' ملک محمد انور' محمد اسلم پرویز' ظہور حسین ظہور' محمد انور گڈی' جان محمد چھولیاں والا' شمشاد علی' جان محمد کاظمی' حافظ بگو' استاد عبدالطیف صابری' باغ علی' اللہ دتہ وٹو' چند ایک ڈراموں میں معروف قانون دانوں سید افضل حیدر نے بھی کام کیا۔ اس وقت سکرپٹ لکھنے کا باقاعدہ رواج نہ تھا۔ ملک محمد انور اشام فروش نے سب سے پہلے ڈرامے کا سکرپٹ لکھا۔

استاد عبدالطیف صابری پاک پتن میں بیک گراؤنڈ موسیقار کی حیثیت سے پہلے شخص ہیں پھر ساٹھ کی دہائی میں میاں محمد اکبر کوریہ اور ان کے ساتھی سید محمد حسین شاہ' سعید بخاری' برجیس سید' اختر شاہ' حلیم بلا بٹ نے پاک پتن میں ڈرامے شروع کیے اور اپنے فن کا سکہ قائم کیا۔ میاں اکبر کوریہ منہ سے مختلف آوازیں نکالنے والے واحد مزاحیہ فنکار ہیں جنہوں نے ریڈیو' ٹی وی اور فلم میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا۔

موجودہ دور میں یہاں کے فنکاروں نے پہلے گنج شکرؒ آرٹ کلب بنایا بعد میں اس کلب کو پاک پتن اکیڈمی کا نام دیا گیا' اس طرح پنجند آرٹ کلب پاک پتن میں موجود ہے ابو سجاد ساغر' محمد ایوب اختر' ملک محمد اکرم ناز' ملک محمد یامین' شہزاد' حاجی رفیق' مصلح الدین خاں' بڑے خوبصورت معاشرتی مزاحیہ ڈراموں کے ذریعے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں

ثقافت کی دنیا میں شہر فریدؒ کے سپوت عبدالعزیز جو "موت کے کنویں والے" کے نام سے دنیا بھر میں پہچانے جاتے ہیں ان کا تعلق بھی اسی شہر سے ہے عبدالعزیز دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں اپنے فن کا مظاہرہ کر کے اپنا لوہا منوا چکے ہیں۔

کشتی یا پہلوانی : قیام پاکستان سے قبل پاک پتن میں مختلف مثالی کھیلیں اور ثقافتی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ ان کھیلوں میں کشتی، دنگل، پہلوانی، کبڈی اور وانجو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ کنور مہندر سنگھ اپنی کتاب "یادوں کے جشن میں" کشتیوں کے بارے کچھ یوں رقمطراز ہیں "کہ ہمارے گاؤں چک بیدی میں ہماری دادی صاحبہ کی یاد میں ایک میلہ ہوا کرتا تھا۔ اس میلہ میں مذہبی رسومات کے علاوہ کشتیوں کا بہت بڑا دنگل ہوا کرتا" ملک کے کونے کونے سے مشہور پہلوان کشتی لڑنے آتے تھے۔ اس دنگل کی خصوصیات یہ تھیں کہ یہاں نورا کشتی نہیں ہوتی تھی۔ ہمیشہ کانٹا کشتی ہوتی۔ اس دنگل میں لاکھ کا مجمع ہو جاتا تھا بڑے بڑے زمیندار آتے تھے"۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ان دنوں ہی بیدی سکھ سردار پہلوانی کی سرپرستی کرتے جس کی وجہ سے اس فن نے یہاں عروج حاصل کیا۔ پھر قیام پاکستان کے بعد مسلمان جاگیرداروں نے اس فن کی سرپرستی چھوڑ دی اور یوں یہ فن رفتہ رفتہ پاک پتن سے معدوم ہوتا چلا گیا تاہم قیام پاکستان کے بعد ابتدائی چند سالوں تک جن پہلوانوں نے پاک پتن کے اندر اس فن کو زندہ رکھا ان میں گھلو پہلوان، میمی پہلوان، شیدا پہلوان، کالا پہلوان، اور رمضان پہلوان زیادہ مشہور ہیں۔

شکار : قیام پاکستان سے قبل یہاں کے مسلمان جاگیردار اور بیدی سکھ سردار شکار کے بھی دلدادہ تھے۔ البتہ اس شوق میں بیدی سکھ سرداروں کا اس علاقے میں کوئی ثانی نہ تھا۔ یہ سردار ہر سال جاڑے کے موسم میں باقاعدہ شکار کے لیے جایا کرتے جس میں ہاتھی، گھوڑے، اونٹ، بہیلیاں، باز، شکرے، باشے اور شکار کا جملہ سازو سامان ہوتا تھا۔ یہ سکھ سردار شیر کے شکار میں خاص مہارت رکھتے تھے البتہ ہرن اور پرندوں کا شکار ان کا دل پسند مشغلہ تھا۔ شیر کے شکار کے لیے یہ اپنا ہاتھی "بے نظیر" استعمال کرتے یہ ہاتھی 30 سال تک موضع چک بیدی میں سکھ سرداروں کے پاس رہا۔ بہت دلیر، نڈر، ذہین اور انتہائی شریف تھا۔ بٹوارے کے بعد حکومت پاکستان نے یہ ہاتھی لاہور کے چڑیا گھر میں بھیج دیا جہاں اس کو "رانی" کے نام سے پکارا جاتا تھا اور یوں پاک پتن کا یہ تحفہ کئی سالوں تک بچوں کی سواری اور سلام کے لیے استعمال ہوتا رہا۔

پھر قیام پاکستان کے بعد شکار کے ضمن میں یہاں کی مشہور و معروف شخصیت جناب دیوان غلام قطب الدین نے خوب نام پیدا کیا۔ اعلیٰ نسل کے باز، شکرے اور

باشے ان کے ڈیرہ پر موجود ہوتے تھے جن کی دیکھ بھال کے لیے نہایت ہی ماہر بازدار رکھے جاتے اعلیٰ نسل کی گائیں، بھینسیں، بکریاں، بھیڑیں، بھی پالنے کا انہیں بے حد شوق تھا۔ اس کے ساتھ نادر قسم کے خوبصورت پرندے جن میں مور، کبوتر اور مینا وغیرہ اور مختلف اقسام کے ہرن بھی ان کے موضع شاملات میں مصنوعی قدرتی ماحول میں پرورش پاتے تھے ان کی وفات کے بعد اب یہ تمام رونقیں ختم ہو چکی ہیں اور اب یہاں اس پیمانے کا شوق کسی زمیندار یا جاگیردار کو نہیں ہے سچ تو یہ ہے کہ اب کوئی بھی شکار جیسے قیمتی شوق کو پورا نہیں کر سکتا۔

شہسواری : قیام پاکستان سے قبل یہاں کے تمام زمیندار اور جاگیرداروں کو اعلیٰ نسل کے گھوڑے پالنے کا بے حد شوق تھا تقریباً" ہر زمیندار کے پاس بہترین گھوڑے ہوتے تھے مگر رفتہ رفتہ کاروں نے ان گھوڑوں کی جگہ لے لی البتہ دیوان غلام قطب الدین کے صاحبزادے عظمت سید محمد چشتی ایک مایہ ناز نامور شہسوار ہیں اور اپنی سرپرستی میں ہر سال پاک پتن کے اندر آل پنجاب شہسواری کا مقابلہ منعقد کرواتے ہیں اس مقابلہ کے جملہ اخراجات خود برداشت کرتے ہیں شہسواری میں ان کا اپنا کلب "الفرید" پنجاب بھر میں اول انعام یافتہ ہے۔

والی بال : کھیلوں کی دنیا میں پاک پتن نے والی بال میں بین الاقوامی طور پر اپنا نام پیدا کیا۔ استاد امیر ہاشمی کی شبانہ روز ماہرانہ تربیت کی بدولت پاک پتن سے چند ایسے نامور کھلاڑی پیدا ہوئے جنھوں نے پاکستان والی بال قومی ٹیم میں شامل ہو کر بین الاقوامی مقابلہ جات میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے پاک پتن کے نام کو والی بال کی دنیا میں عظمت سے ہمکنار کیا قومی ٹیم کے مایہ ناز کھلاڑی جن میں میاں نذر فرید احمد خاں مانیکا (کپتان قومی ٹیم)، میاں فیض بودلہ، میاں رب نواز ملیکا، چوہدری محمد شفیع، محمد حسین اور استاد امیر ہاشمی کے دو فرزند فیض ہاشمی اور سجاد ہاشمی ایران، انڈیا، اور چین میں پاکستان کے نام کو روشن کر چکے ہیں۔ میاں نذر فرید احمد خاں مانیکا بطور صدر پنجاب والی بال ایسوسی ایشن پاک پتن کے اندر تقریباً" ہر سال آل پاکستان والی بال ٹورنامنٹ کا انعقاد کرواتے پھر آل پاکستان فلڈلائٹ والی بال ٹورنامنٹ منعقد ہوتے رہے۔ ان ٹورنامنٹوں کے دوران پاک پتن کے اندر ایک جشن کا سماں رہتا مگر بدقسمتی سے اب یہ گیم پاک پتن کے اندر روبہ زوال ہے۔ اگرچہ میاں گوہر فرید احمد خاں مانیکا نے اس گیم

کے احیاء کے لیے کچھ کوششیں شروع کی ہیں مگر ابھی تک اس سلسلہ میں بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ اسی طرح ایوبی عہد میں یہاں آل پاکستان ہاکی ٹورنامنٹ بھی منعقد ہوتے تھے۔ جن میں پاک پتن کی ٹیم کے دو کھلاڑیوں نے خوب نام پیدا کیا ان میں نواز خاں اور غزنوی قابل ذکر ہیں۔

آج بھی پاک پتن میں ہاکی کی بڑی مضبوط ٹیم موجود ہے۔ اسی طرح کرکٹ کے میدان میں پاک پتن سے میاں فرخ مانیکا اور سیف اللہ خاں پنجاب لیول تک متعارف ہو رہے ہیں۔ کمال الدین پاشا ایڈووکیٹ اپنے کالج کے زمانے میں کرکٹ کے بہترین کھلاڑی رہے ہیں کبڈی اور فٹ بال بھی یہاں کھیلا جاتا ہے مگر ابھی تک صوبائی اور ملکی سطح کا کوئی کھلاڑی پیدا نہیں ہوا۔ اگرچہ سپورٹس آفیسر یہاں تعینات ہیں مگر سپورٹس کمپلکس کی کمی کی بناء پر پاک پتن اب کھیلوں کی دنیا میں بہت پیچھے ہے۔ تاہم سلطان محمود عباسی فزیکل ٹیچر کھیلوں میں دلچسپی کی بناء پر صدارتی ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں

طب و جراحت پاک پتن کی اس مردم خیز سرزمین سے طب کی دنیا میں چند ایسی یگانہ روزگار شخصیات پیدا ہوئیں جنہوں نے برصغیر پاک و ہند میں یونانی اور اسلامی طب میں بہت اعلیٰ مقام حاصل کیا ان نادر العصر ہستیوں میں فخر اطباء حکیم حضرت امام دین پاکپتنی کا نام نامی بذات خود جراحت میں ایک بہت بڑی سند ہے' آپ کے آباؤ اجداد مدینہ طیبہ سے ہجرت کر کے ہندوستان آباد ہوئے۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد پہلے آپ مہاراجہ کپور تھلہ کے شاہی طبیب مقرر ہوئے پھر نواب بہاولپور کے ہاں حکمت و طبابت کے جوہر دکھائے بعد ازاں آپ کی خدا داد صلاحیتوں کی شہرت سن کر درگاہ حضرت بابا فریدؒ کے سجادہ نشین نے آپ کو پاک پتن بلوایا اور رہائش کے لیے ایک عمدہ حویلی اور پانچ سو روپے ششماہی وظیفہ مقرر فرمایا آپ کی کتاب "مخزن اکسیر" کئی جلدوں پر مشتمل ہے علاوہ ازیں میزان المزاج' مفتح العقود "رجیم الاوہام" "کنز المسلمین" تریاق 'اسمار' عطر مجموعہ جیسی طب کی کتابیں تصنیف کیں جو علم و حکمت کا نایاب خزینہ ہیں پھر آپ کے خاندان میں حکیم محمد بخش پاکپتنی نے اسلامی طب میں بڑا نام پیدا کیا۔ آپ نے پہلے ریاست بہاولپور میں ملازمت اختیار کی بعد ازاں شاہ زمان والئی افغانستان کی استدعا پر کابل میں حکمت و طبابت کے اعلیٰ عہدے پر فائز رہے۔ افغانستان

میں تین سال قیام کے بعد واپس پاک پتن آ گئے۔ پاک پتن میں ان کا خاندان صدیوں سے حکمت و طبابت کے پیشہ سے منسلک ہے۔ تحصیل دیپالپور میں "حکیموں والا چک" اسی خاندان کی تاریخی حقیقت ہے۔

پاک پتن کے حکیم سراج دین اپنے دور کے ایک عظیم طبی سائنسدان اور کیمیاگر گزرے ہیں آپ نے سانپوں کے زہر پر لافانی تحقیقی کام کیا ہے۔ یاد رہے کہ مشہور زمانہ حکیم محمد اجمل خاںؒ جو تحریک پاکستان کے بھی بہت بڑے قائد تھے حکیم سراج دینؒ کو اکثر دہلی سے پاک پتن ملنے کے لیے آیا کرتے تھے (11) دیوان حضرت شیخ سید محمد کے زمانہ سجادگی کے وقت پاک پتن میں سائیں رحمت اللہ نے بھی حکمت میں بڑا نام پیدا کیا' سائیں صاحب بڑے فقیر منش انسان تھے' علاج معالجہ میں ہمیشہ سادگی کا پہلو نمایاں رہتا' دیوان سعید محمد بھی ان کا بے حد احترام کرتے تھے

قیام پاکستان سے قبل یہاں ہندو حکماء میں متھرا داس دھون بہت مشہور معالج تھے۔ پھر پاک پتن کو ایک اعزاز یہ بھی ہے کہ یہاں کے معروف طبی محقق کاشی رام چاولہ ہومیوپیتھک کی دنیا میں ایک مثال تھے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں ان کے کلیات و مبادیات کی بنیاد پر ہومیوپیتھک ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد فخر الاطباء حضرت حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کے فرزند ارجمند محقق عصر حکیم اہلسنت الحاج حکیم محمد موسیٰ چشتی نظامی امرتسری مدظلہ العالیٰ کے دو حقیقی بھائیوں نے جن میں حکیم محمد جلال الدین امرتسری اور شمس الاطباء حکیم شمس الدین چشتی نظامی امرتسری نے جلالی دواخانہ کے نام سے پاک پتن میں دوا ساز ادارہ قائم کیا۔ حکیم جلال الدین امرتسری اردو' پنجابی کے عظیم شاعر تھے انہوں نے اپنے والد محترم حضرت حکیم فقیر محمد چشتی نظامی امرتسری کی طبی فارسی بیاض "مجربات فخر الاطباء" کا اردو ترجمہ کیا طب و حکمت کے اس جواں سال سپوت نے عمر نے وفا نہ کی اور قیام پاکستان کے چھ ماہ بعد بعمر 28 سال قضا الہیٰ سے وفات پائی' قبرستان حضرت بابا عبداللہ شاہ نورنگ نوریؒ میں مدفون ہیں آپ کے دوسرے بھائی شمس الاطباء حکیم شمس الدین امرتسری بڑے پایہ کے مستند حکیم تھے۔ آپ نے دہلی طبیہ کالج سے حکیم حاذق کا امتحان نہایت اعزاز سے پاس کیا پاک پتن درگاہ بازار میں "جلالی دواخانہ" ان کا مطب تھا۔ انتہائی خوش نویس تھے خطاطی اور خوشنویسی میں خاص ملکہ رکھتے تھے صوفی منش

انسان تھے۔ فقیروں' درویشوں' عالموں اور درباروں کے خادموں کا مفت علاج کر کے روحانی مسرت حاصل کرتے تھے علاج معالجہ کے لیے اپنے ہاتھ سے مجربات' عرق' شربت' خمیرہ جات' معجونات' جوارشات' اپنی نگرانی میں خود تیار کرتے تھے جون 1993 پاک پتن میں وفات پائی اور حضرت خواجہ عبدالعزیز مکی رضی اللہ عنہ کے آستانہ عالیہ میں دفن ہیں آپ کے ایک بڑے بھائی حکیم محمد نور الدین نظامی صدر مجلس اطباء (بورے والا) بھی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مختصر یہ کہ ایک زمانہ آپ کی خاندانی شرافت' پارسائی' علمی سرپرستی اور طبی تحقیقی خدمات کا معترف ہے۔ (12)

پھر پاک پتن کے حکیم مولوی اللہ داد خاں کے فرزند ارجمند حکیم خداداد خاں بھی حکمت میں گوہر نایاب تھے۔ آپ کو ظاہری چمک دمک سے بہت چڑ تھی اس لیے تمام عمر گوشہ نشینی اور تحقیق و جستجو میں گزار دی۔ اس وقت پاک پتن میں حکیم احمد یار عباسی فن جراحت کے ماہر ہیں۔ پھوڑے' پھنسیاں اور ناسور کا علاج کرتے ہیں۔ ان کا علاج ایلوپیتھک کی نسبت بہت ہی سستا اور نہایت موثر ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ پاک پتن میں غریبوں کے مسیحا ہیں۔ اب پاک پتن میں حکیم محمد عالم مرزا' حکیم محمد یاسین چاولہ' حکیم سدیدالدین' حکیم سید فیروز شاہ بخاری طب یونانی کی خدمت میں مگن ہیں یاد رہے حکیم لطف اللہ کا جاری کردہ رسالہ "جہان طب" یونانی طب کی افادیت و اہمیت کو متعارف کروانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

پاک پتن کے تعلیمی ادارے: شہر میں لڑکیوں کے لیے مزید ایک ہائی سکول کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ موجودہ گرلز سکول شہر کی تعلیمی ضروریات کے پیش نظر بالکل ناکافی ہے۔ امید ہے اہل علم ارباب بست و کشاد اس طرف نظر التفات فرمائیں گے۔ گرلز کالج کی تعلیمی حالت اس لحاظ سے ناگفتہ بہ ہے کہ وہاں پر سٹاف کی بے حد کمی ہے۔ سٹاف کی فراہمی بھی یہاں کے سیاسی زعماء کی ذمہ داری ہے امید ہے کہ وہ اس ذمہ داری سے بہت جلد عہدہ برآ ہوں گے۔

تعداد تعلیمی ادارے تحصیل پاک پتن

	کل تعداد	زنانہ	مردانہ
ڈگری کالج	2	1	1
کامرس کالج	2	1	1
ہائر سیکنڈری سکول	1	x	1 (ملکہ ہانس)
ہائی سکول	26	5	21
مڈل سکول	21	13	8
پرائمری سکول	328	113	215
مکتب سکول	95	x	95

کل تعداد= 471

پاک پتن کی دینی درسگاہیں۔

(1) مرکزی دارالعلوم جامع نقشبندیہ رضویہ محلّہ اسلام کالونی پاک پتن
(2) مرکزی دارالعلوم غوثیہ فریدیہ نگینہ چوک پاک پتن
(3) جامعہ غوثیہ حنفیہ حفظ القرآن لاری اڈہ پاک پتن
(4) دارالعلوم پائی پت ہاؤس محلّہ حسن پورہ پاک پتن
(5) جامعہ فریدیہ نزد کوٹھی میاں علی محمد خاں صاحبؒ آف بسی شریف
(6) جامعہ فخریہ انوارالعلوم چشتیہ نظامیہ محلّہ نوری پاک پتن
(7) جامعہ حفظ القرآن جامع مسجد جنڈوالی متصل مکان راقم
(8) دارالعلوم چشتیہ معینیہ مرتضائی محلّہ پیر کوٹ
(9) دارالعلوم دربار سید جلالؒ نزد پل شاملات
(10) جامعہ عربیہ فریدیہ رجسٹرڈ گودڑی بابا فریدؒ پاک پتن
(11) جامعہ غوثیہ مرتضوی حفظ القرآن محلّہ پیر کریاں پاک پتن

(11) جامعہ غوثیہ مرتضوی حفظ القرآن محلہ پیر کریاں پاکپتن

گوشوارہ رقبہ آبادی بلحاظ تھانہ جات

نمبر شمار	تھانہ جات	رقبہ ایکڑوں میں	کل آبادی
1	تھانہ صدر	171799	252030
2	تھانہ سٹی	2463	110000
3	تھانہ ملکہ ہانس	97195	137870
4	تھانہ چکبیدی	107609	135100

امن وامان کے ادارے

پولیس کی آسامیوں کی تفصیل حسب ذیل ہے

نمبر شمار	ایس پی	ڈی ایس پی	انسپکٹر	ایس آئی	اے ایس آئی	اے ایچ سی	کنسٹیبل
1	1	3	6	19	52	73	319

مجسٹریسی

محکمہ مال کے شعبہ میں آسامیوں کی درج ذیل پوزیشن ہے

ڈی سی	اے ڈی سی جی	اے سی	مجسٹریٹ	تحصیلدار	نائب تحصیلدار	قانونگو	پٹواری
1	1	1	3	1	7	9	86

عدلیہ

عدلیہ کے شعبے میں آسامیوں کی درج ذیل پوزیشن ہے

نمبر شمار	سیشن جج	ایڈیشنل سیشن جج	سینئر سول جج	سول جج	جوڈیشنل مجسٹریٹ
1	1	2	1	3	1

حوالہ جات

(1) ریونیو ریکارڈ ضلع پاک پتن (ڈی سی آفس)

(2) منٹگمری گزٹ 1965 صفحہ نمبر50

(3) نظم و نسق سے متعلقہ پولیس رپورٹ صفحہ نمبر8

(4) مختصر تاریخ جوئیہ از مہر محمد حیات جوئیہ

(5) تاج العارفین از پیر محمد اجمل قریشی صفحہ نمبر203

(6) ملہمات از حضرت قطب الدین جمال ہانسوی" صفحہ نمبر103 تالیف سردار احمد خاں

(7) مصنف انوار الفرید (اردو منزل)

(8) استاد محترم راقم

(9) "پنجابی کسان" از ایم ایل ڈارلنگ صفحہ نمبر70

(10) جنرل سر عمر حیات خاں ٹوانہ مرتبہ مولانا غلام رسول مہر

(11) مقالہ از حکیم محمد یاسین چاولہ

(12) ماہنامہ "مہر و وفا" صفحہ نمبر8

روضہ حضرت خواجہ عزیز مکیؒ

حصہ ششم

رسوماتِ عرس حضرت بابا فریدؒ

بہشتی دروازہ

مزاراتِ پاک پتن

درگاہ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

آستانہ عالیہ حضرت موج دریاؒ

آستانہ عالیہ پیر طریقت حضرت میاں علی محمد خاں صاحبؒ

رسومات عرس حضرت بابا فریدؒ اور بہشتی دروازہ

حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا عرس مبارک یکم محرم الحرام سے شروع ہو کر 10، محرم الحرام کو ختم ہوتا ہے مگر رسوم ختم خوانی 25، ذوالحجہ سے ہی شروع ہو جاتی ہیں۔ آپؒ کے عرس مبارک کی جملہ رسومات کی بنیاد آپ کے وصل کے بعد آپ کے خلیفہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اپنے دستِ مبارک سے ڈالی ہے جو موجود سجادہ نشین کی ذات سے وابستہ ہیں' آپ کے آستانہ عالیہ میں جن مقامات پر یہ رسومات ادا ہوتی ہیں۔ زائرین کے لیے ان مقامات کا جاننا بہت ضروری ہے۔

نوری دروازہ کے سامنے وسیع کشادہ صحن ہے۔ اس صحن کے شمال میں ایک چھوٹی سی مسجد "اولیاء مسجد" اور "گنبد کلاں" ہے۔ اس صحن کے مشرق میں ایک سہ دری مجلس خانہ ہے۔ اس مجلس خانہ میں جناب سجادہ نشین رسومات عرس ادا کرتے ہیں اور تبرک تقسیم کرتے ہیں بہشتی دروازہ کے سامنے بہشتی دالان ہے۔ جہاں سے بہشتی دروازہ کھولا جاتا ہے۔ محکمہ اوقاف سے قبل عرس مبارک 25، ذوالحجہ سے 5، محرم الحرام اختتام پذیر ہوتا تھا مگر محکمہ اوقاف نے زائرین کی بڑھتی ہوئی تعداد اور زیادہ لوگوں کو بہشتی دروازہ سے گزرنے کی سعادت کی خاطر اب عرس کو 10-9، محرم الحرام تک بڑھا دیا ہے۔ آپ کے عرس مبارک کی رسومات کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ختم شریف : 25، ذوالحجہ عرس کے آغاز کے موقع پر درگاہ حضرت بابا فریدؒ کے موجودہ سجادہ نشین درگاہ عالیہ فریدیہؒ میں اپنے عزیز و اقارب جملہ احباب و شرفاء شہر و دیگر معتدین خاندان فریدیہؒ کے ہمراہ ایک جلوس کی صورت میں بوقت 10-9 بجے آستانہ عالیہ میں داخل ہوتے ہیں۔ جلوس کے آگے نقیب گھڑیال بجاتا ہے اور "اللہ محمد چار یار حاجی خواجہ قطب فریدؒ" "حق فرید یا فرید" کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ سجادہ نشین آستانہ میں داخل ہوتے ہی مزار اقدس کے روبرو تقریباً" نصف گھنٹہ قوالی سنتے ہیں پھر سجادہ نشین آپ کے روضہ کے اندر داخل ہو کر مزار اقدس کے مغربی محراب پر بیٹھ جاتے ہیں اور تمام اعزاء و اقارب نہایت ادب و احترام سے حلقہ کی صورت میں رہتے ہیں۔ اس دوران قوالی بند کر دی جاتی ہے امام مسجد (خانقاہ معلی) اور حافظ قرآن' قرآن مجید کا ختم پڑھتے ہیں اور پھر ختم خواجگان رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین پڑھا جاتا ہے۔

بہشتی دروازہ

اولاً" اس ختم کا ثواب روح پاک فخر موجودات سرور کائنات رحمت اللعالمین پیش کر کے باارواح صحابہ کرام اور جملہ حضرات خواجگان چشت رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین پہنچایا جاتا ہے اور پھر اختتام ختم پر تین مرتبہ دعائے خیر ہوتی ہے پھر سجادہ نشین اپنے دست مبارک سے تمام حاضرین میں تھوڑی تھوڑی چینی تقسیم کرتے ہیں اور حاضرین یہ تبرک لے کر باہر نکلتے جاتے ہیں اور باہر سے لوگ آکر لیتے جاتے ہیں جب نصف کے قریب چینی تقسیم ہو جاتی ہے تو سجادہ نشین دعا خیر کہتے ہوئے روضہ مبارک سے باہر آتے ہیں اور روضہ کے دروازوں کو بند کر دیتے ہیں اب دیوان صاحب بمعہ دیگر احباب گنبد کلاں میں داخل ہوتے ہیں اور مغربی محراب میں بیٹھ کر بقیہ چینی ختم خواندہ تقسیم کر دیتے ہیں۔

مجلس خانہ میں آمد : جب تمام تبرک چینی ختم ہو جاتی ہے تو سجادہ نشین اپنے ہمراہیوں کے جلوس میں گنبد کلاں سے باہر نکل کر مجلس خانہ میں داخل ہوتے ہیں اور مجلس خانہ کی دالان کی شمالی چبوتری پر رونق افروز ہو جاتے ہیں تمام حاضرین دو رویہ مؤدب کھڑے ہو جاتے ہیں اسی دوران خدام دو طباقوں میں مٹی کی چھوٹی چھوٹی پیالیاں ڈولیاں شربت سے بھری ہوئی سجادہ نشین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان میں نصف شکر اور نصف چینی کے شربت کی ہوتی ہیں جن پر پھر حضرت امامین و شہدائے کربلا اور حضرت خواجگان چشت اہل بہشت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام کا ختم پڑھا جاتا ہے اور وہ حاضرین میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک بڑی طباق میں جلے و مشتری (میدے کی چھوٹی چھوٹی روٹیاں اور حلوہ) رکھے ہوئے آتے ہیں وہ بھی اس طرح تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔

جلہ و مشتری کی وجہ تسمیہ : جس زمانے میں حضرت بابا فرید" بحکم الٰہی حضرت خواجہ خضر علیہ السلام کے ساتھ بحری سفر کو تشریف فرما ہوئے تو اس وقت آبی مخلوق جنہیں "جلوڑہ" کہا جاتا ہے آپ کے سامنے حاضر ہوئی جس کو آپ نے تعلیم و ہدایت فرما کر مرید کیا۔ مرید ہونے کے بعد اس قوم کے بے شمار افراد نے شکریہ کے طور پر حضرت بابا فرید" کی خدمت میں انواع و اقسام کے کھانے پیش کیے۔ کھانا جن میں جلہ بھی تھا اور جلے میں نہایت سفید و شیریں حلوہ رکھا ہوا تھا پیش کیا۔ آپ نے ان کی یہ ضیافت منظور فرمائی اور ختم کہہ کر تقسیم کر دیا۔ جل ہندی زبان میں پانی کو کہتے ہیں اور

پانی کے اندر رہنے والی مخلوق کو جلوڑہ بولا جاتا ہے اور پھر جلوڑہ سے بگڑ کر یہ لفظ جلہ مشہور ہوا۔ مشتری دراصل دو الفاظ مشت اور تری سے مرکب ہے مشت کے معنی مٹھی اور تری کے معنی تر چیز یعنی حلوہ چونکہ اس جلہ میں مٹھی بھر حلوہ ہوتا ہے لہٰذا اس لفظ کو جلہ مشتری کی تقسیم کی رسم کہا جاتا ہے تب سے یہ رسم جلہ و مشتری جاری ہے عرس کے دوران ہر روز جلہ و مشتری کا تبرک پکایا جاتا ہے ماچھی قوم کی عورتیں اس تبرک کو پکاتی ہیں اور ہر روز دوران عرس یہ تبرک تقسیم ہوتا ہے ان تبرکات کے تقسیم ہو جانے کے بعد حضرت سجادہ نشین صاحب اپنے ہمراہوں کے ساتھ پھر آپ" کے روضہ کے سامنے آجاتے ہیں اگر یہ دن منگل یا جمعہ المبارک کا ہو تو سجادہ نشین اپنے ساتھیوں سمیت تین دفعہ روضہ بابا فرید" کا طواف کرتے ہیں اور پھر روضہ کے اندر دونوں مزارات کی جاروب کشی کی خدمت سرانجام دیتے ہوئے کچھ دیر مراقبہ میں رہتے ہیں۔ اسی اثناء میں آپ کے ہمراہی باہر قوالی سنتے رہتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد سجادہ نشین بھی باہر آکر دہلیز کے ساتھ جنوب کو رخ کر کے کھڑے ہو جاتے ہیں تمام حاضرین بھی دست بستہ مؤدبانہ کھڑے رہتے ہیں اور تھوڑی دیر قوالی سن کر اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔

رسم ختم شریف : 25ر ذوالحج مبارک سے 5ر محرم الحرام تک ہر روز متواتر سجادہ نشین بہ نفس نفیس رسومات ختم ادا کرتے ہیں یہ ختم کل دس ہیں اور بعض اوقات روائت ہلال کے 11 بھی ہو جاتے ہیں۔

حضرت بابا فرید" نے 5ر محرم الحرام میں وفات پائی۔ سید الشہداء 10ر محرم الحرام کو شہید ہوئے بابا صاحب کا عرس 6 محرم کو اختتام پذیر ہوتا ہے اس لیے یکم سے 5ر محرم تک تو بابا صاحب" کا ختم دلایا جاتا ہے اور 6ر سے 10ر محرم تک سہ تاریخیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی انتہائی مصائب و مشکلات اور دردناک شہادت کے دن ہیں اس لیے 5 دن کے ختم حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی یاد اور ان کی روح کو ثواب کے لیے رکھے گئے ہیں اس لیے 6 سے 10ر محرم کی بجائے 25ر ذوالحجہ سے یکم محرم تک امام مظلوم کی یاد میں ختم کروانے شروع کیے اس طرح 10ر ختم ہو جاتے ہیں۔

یکم محرم الحرام سے رسومات : یکم محرم الحرام کو نماز عصر کے بعد جب تیسرا گولہ چھوٹتا ہے تو سجادہ نشین سر پر دستار باندھے مخصوص روائتی لباس زیب تن کیے اپنے

اہل خاندان، مریدین اور عقیدت مندوں کے ہمراہ ایک شاندار جلوس کی صورت میں درگاہ شریف کی طرف آتے ہیں تمام راستہ میں نقیب حسب روائت "اللہ محمد چار یار حاجی خواجہ قطب فرید" شاہ شکر گنج شاکر کو شکر ملے۔ مناقب کو شکر، چار پیر چودہ خانوادہ کا سجادہ تیری مدد، معین الدین خواجہ ہندالولی، عطائے رسول یا علی مدد کہتے ہوئے آستانہ عالیہ فریدیہ" میں داخل ہوتے ہیں اور گنبد کلاں کے عقب سے ہوتے ہوئے مجلس خانہ (سہ دری) میں رونق افروز ہوتے ہیں۔

محفل سماع : مجلس خانہ میں جناب سجادہ نشین شمالی محراب کی چبوتری جس کے اردگرد چوبی سبز جنگلہ لگا ہوا ہے اس پر جنوب کی طرف منہ کر کے استادہ ہو جاتے ہیں۔ اس دوران ایک پرانی وضع کا روائتی عصا آپ کو دیا جاتا ہے آپ زمین پر ٹیک دیتے ہیں۔ اور ایک خادم مور چھل کرنے لگتا ہے۔ تمام ہمراہی نہایت ادب و احترام سے صف بستہ کھڑے رہتے ہیں۔

اب قوال نہایت دل پذیر اور خوش الحانی سے حضرت بابا فرید" حضرت خواجہ امیر خسرو، حضرت احمد جام" اور میراں سید .بھیکہ کا صوفیانہ عارفانہ کلام پُراثر انداز میں پڑھتے ہوئے سماع شروع کرتے ہیں۔

مست الست صوفی اور کوڑیاں : اس محفل میں سماع میں تین صوفی عربی لباس میں ملبوس موجود ہوتے ہیں جب قوال سرود کرتے ہوئے مجلس خانہ سے روضہ اقدس کے نوری دروازہ کے سامنے تک جاتے ہیں تو ایک صوفی جسے ایک خادم تھامے ہوتا ہے آنکھیں بند کیے عالم محویت میں اس خادم کے ہمراہ نوری دروازہ تک چلتا ہے اب اس پر کوڑیاں نچھاور کی جاتی ہیں جنہیں لوگ تبرکاً" اٹھا لیتے ہیں قوال اور یہ صوفی نوری دروازہ کے سامنے چند ساعتوں تک توقف فرماتے ہیں۔ تین مرتبہ باری باری یہ صوفی قوالوں کے ہمراہ اسی طرح آتے جاتے ہیں ہر توقف میں عصابردار سجادہ نشین سے نہایت ادب سے عصا لے لیتے ہیں اور وہ بیٹھ جاتے ہیں حاضرین سماع کو بھی بیٹھنے کی اجازت ہوتی ہے لیکن جب قوال اور صوفی سرود کرتے ہوئے واپس آجاتے ہیں تو سجادہ نشین عصا ٹیک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سرود ختم ہو جانے پر خواجگان چشت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ختم شریف پڑھا جاتا ہے اس کے بعد سجادہ نشین مع حاضرین اندرونِ روضہ اقدس بابا فرید" آجاتے ہیں اور حضرت بابا فرید گنج شکر" کا تبرک تقسیم کیا جاتا ہے۔

اس تبرک کی تقسیم کے بعد سجادہ نشین اپنے دولت کدہ پر تشریف لے جاتے ہیں۔ (1)

آخری سماع : اسی مروجہ طریق سے یکم تا 9، محرم الحرام تک چھ دنوں میں سات ساعتیں منعقد ہوتی ہیں مگر ساتویں سماع رات کو ہوتی ہے پہلی اور آخری سماع میں سجادہ نشین خود اپنے ہاتھ سے کوڑیاں لٹاتے ہیں باقی ایام میں ایک خادم کوڑیاں تقسیم کرنے کی رسم ادا کرتا ہے۔

سرود اور مست الست صوفیوں کی وجہ تسمیہ : جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ آپ کے عرس کی جملہ رسومات کی بنیاد حضرت سلطان المشائخ" نے رکھی ہے "حضرت بابا فرید" کی تدفین ثانی کے بعد حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے حضرت بابا فرید" کے بڑے صاحبزادے حضرت بدرالدین سلیمان" (2) کو ایک اعلی مسند پر بیٹھایا اور خود مع شرکاء مجلس باادب دست بستہ آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اس پر قوالوں نے ہجرو فراق کے ہندی دوہوں سے سرود شروع کیا تو آپ پر وجد طاری ہو گیا۔ اس جوش و مستی میں آپ تین دفعہ مزار اقدس کی طرف آئے اور واپس لوٹ گئے اور تینوں بار قوال بھی آپ کے ہمراہ آئے اور گئے" چنانچہ عرس کے موقع پر حضرت سلطان المشائخ کی اس سنت کی ادائیگی کے لیے سماع کی مجلسیں ہوتی ہیں اور تین مصنوعی صوفی اور قوال سرور کرتے ہوئے روضہ شریف کی طرف جاتے ہیں۔

کوڑیاں کیوں نچھاور کی جاتی ہیں : جب حضرت سلطان المشائخ جذب و مستی وجدوحال میں جھومتے ہوئے تین مرتبہ روضہ شریف تک گئے تو حضرت بدرالدین، سلیمان اول سجادہ نشین نے آپ کے اوپر کوڑیاں نچھاور کی تھیں ان کی تقلید میں یہ رسم ادا کی جاتی ہے اول و آخر سماع میں موجود سجادہ نشین اپنے ہاتھ سے کوڑیاں لٹاتے ہیں جبکہ دیگر درمیانی ایام میں ایک خادم یہ کوڑیاں لٹاتا ہے۔

بہشتی دروازہ :

5، محرم الحرام پاک پتن کی روحانی تاریخ میں اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس روز حضرت بابا فرید" کے عرس شریف کی رسومات اور رونقیں اپنے پورے عروج پر ہوتی ہیں کیونکہ اسی روز آستانہ عالیہ کا بہشتی دروازہ کھولا جاتا ہے جس سے گزرنے کی سعادت ہر زائر کی دلی تمنا ہوتی ہے اس سعادت کے حصول میں آسانی کے لیے مقامی

انتظامیہ ہر سال عرس کے موقع پر زائرین کے لیے خصوص اعزازی پاس اور فلاور جاری کرتی ہے مگر عملی طور پر محکمہ پولیس کے اہلکاران اعزازی پاسوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور یوں یہ پاس زائرین کے ساتھ ایک "سنجیدہ مذاق" سے زیادہ کوئی وقعت نہیں رکھتے محکمہ اوقاف کی تحویل میں آنے سے قبل بہشتی دروازہ کے موقع پر ناکافی انتظامات کی بدولت اکثر و بیشتر حادثاتی اموات واقع ہو جاتی تھیں مگر اب انتظامیہ' پولیس' محکمہ اوقاف' اور محکمہ تعلیم اپنی مشترکہ کوششوں سے عرس پر بہترین انتظامات کا بندوبست کرتے ہیں جس کی بناء پر لاکھوں زائرین بہشتی دروازہ سے گزرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

5, محرم الحرام کو درگاہ شریف کی طرف جانے والی تمام گلیوں کو بند کر دیا جاتا ہے صرف چوک نگینہ سے چوک فوارہ اور لنگر خانہ حضرت بابا فریدؒ تک زائرین پولیس کی زیر نگرانی قطار در قطار بہشتی دروازے سے گزرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

رسم قفل کشائی : 5, محرم الحرام کو عصر کے بعد پولیس آستانہ عالیہ کو تمام زائرین سے خالی کروا لیتی ہے سوائے چند مخصوص اشخاص کے آستانہ میں کسی کو نماز عصر کے بعد ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہوتی پھر نماز مغرب سے ذرا پہلے سجادہ نشین مع متعلقین پیران عظام انتظامیہ کے اعلیٰ افسران معززین شہر کے جلو میں آستانہ عالیہ میں داخل ہوتے ہیں اور نوری دروازہ سے مزار اقدس پر حاضری دیتے ہیں۔ اس موقع پر سجادہ نشین کو زعفرانی رنگ کے بے شمار "پیچے" پیش کیے جاتے ہیں۔ (3) سجادہ نشین ان پیچوں کو اپنے دست مبارک سے مزار اقدس پر چڑھاتے ہیں اور ایک پیچہ سر پر باندھ لیتے ہیں اور باقی ایک ایک پیچہ حاضر الوقت اولاد فریدیہؒ عالیہ مشائخین و حاضرین میں تقسیم کر دیتے ہیں پھر دعائے خیر کے بعد نوری دروازہ سے باہر آجاتے ہیں اور قدم رسول اللہ کے چبوترے پر سے ہو کر بہشتی دروازہ کے دالان میں آجاتے ہیں اس موقع پر زائرین مناسب مسرت و شادمانی سے تالیاں بجاتے ہیں اور پھر سجادہ نشین اپنے ہاتھ سے بہشتی دروازہ کی قفل کشائی کرتے ہیں دروازہ کھلنے کے بعد پہلے سجادہ نشین اور آپ کے رشتہ دار و اکابرین حکومت اندر داخل ہوتے ہیں اس موقع پر روضہ مبارک کے اندر ہر دو مزارات پر مٹی کی پیالیوں میں شربت جس پر شاہ بدرالدینؒ عرف شاہ مدارؒ کے نام کا ختم پڑھا جاتا ہے۔ سجادہ نشین اور آپ کے ہمراہ اس ختم خواندہ شربت کو پیتے

ہیں پھر نوری دروازے سے باہر آتے ہوئے بقیہ زعفرانی پیچے آستانہ عالیہ کے صحن میں ایک اونچے چوبی تخت پوش پر کھڑے ہو کر تقسیم کرتے ہیں اور یوں بہشتی دروازہ صبح نماز فجر تک کھلا رہتا ہے اور مخلوق خدا تمام رات توبہ استغفار کرتی ہوئی اس دروازہ سے گزرنے کی سعادت حاصل کرتی رہتی ہے۔

محکمہ اوقاف کی تحویل میں آنے سے قبل یہ دروازہ صرف دو روز یعنی 5 اور 6, محرم الحرام تک کھولا جاتا تھا مگر اب زائرین کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اس دروازے کو 9, محرم الحرام تک کھولا جاتا ہے پہلے اور دوسرے روز حسب دستور سجادہ نشین اس دروازے کی رسم قفل کشائی کرتے ہیں قفل کشائی کے وقت آتش بازی کا مظاہرہ بھی کیا جاتا ہے جبکہ دوسرے ایام میں حکومتی عوامی نمائندگان اس دروازے کو کھول کر "سند پارسائی" حاصل کرتے ہیں۔

بہشتی دروازے کی وجہ تسمیہ : حضرت بابا فریدؒ کے وصال کے بعد آپ کے خلفائے عظام اور جملہ کتب سیر و تصوف بہشتی دروازے کے بارے خاموش ہیں۔ یہاں تک کہ "جواہر فریدی" کے اصل قلمی نسخوں میں بھی کہیں بہشتی دروازے کا ذکر نہیں ملتا (4) البتہ 1301ء میں پیر محمد حسین چشتی نے "جواہر فریدی" میں الحاقی طور پر یہ روائت درج کی ہے اس روائت کے مطابق حضرت بابا فریدؒ کی وفات کے بعد آپ کی نعش مبارک کو اس جگہ بطور امانت دفن کیا گیا جہاں اب شیخ شہاب الدینؒ "گنج عالم" کا مزار ہے۔ آپ کی وفات کے چند روز بعد جب سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ اجودھن تشریف لائے اور آپ نے روضہ مبارک بنانا چاہا تو غیب سے یہ آواز آئی کہ روضہ شریف کی بنیاد اور مرمت ایسی پاک اینٹوں سے کی جائے جن پر قرآن پاک ختم کیے گئے ہوں یہ سن کر حضرت سلطان المشائخ نے سینکڑوں "حفاظ" بلوائے اور اینٹوں پر قرآن پاک ختم کیے گئے اور پھر ان اینٹوں سے روضہ شریف تیار کیا جانے لگا۔

جب تمام کام مکمل ہو گیا تو سب صاحبزادگان خلفائے عظام اور مریدین نے حضرت بابا فریدؒ کی نعش مبارک کو قبر سے نکالا اور پھر اس کو خوشبو سے معطر کیا دوبارہ تدفین کے دوران کچھ کچی اینٹیں لحد کے لیے درکار تھیں اور وہ موجود نہ تھیں۔

اس وقت حضرت بابا فریدؒ کی روح مبارک نے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کو ارشاد فرمایا کہ مشرق کی طرف جو جالیاں چھوڑی ہوئی ہیں۔ ان کو توڑ کر کچھ اینٹیں نکالو اور

ان کو لحد میں لگا دو لہٰذا ان اینٹوں کو نکالنے سے مشرق میں دروازہ بن گیا جو اب "نوری دروازہ" کہلاتا ہے بابا فریدؒ کی دوبارہ تدفین کے دوران ارواح پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کبارؓ، امامین و پیران شجرہ شریف ظاہر ہوئیں جو مشرقی دروازہ (نوری دروازہ) سے باہر تشریف لائیں اور روضہ شریف کے متصل جو چھوٹی سی کوٹھڑی بنی ہوئی ہے اور جس کا نام "قدم رسول" ہے یہاں سب کھڑی ہو گئیں اور حضرت نظام الدینؒ اولیاء کو ارشاد ہوا۔

"اے نظام الدین با آواز بلند بشارت سنا دے کہ جو بھی اس بہشتی دروازہ سے گزر جائے گا امان پائے گا"۔ (5)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازراہ کرم صلی اللہ علیہ وسلم دیدار سے لوگوں کو مشرف فرما دیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی یہ گذارش قبول فرمائی اور ارشاد فرمایا۔

"جو کوئی اس وقت آئے بلاشبہ اپنی چشم ظاہر سے مجھے دیکھ لے"

یہ سن کر حضرت خواجہ نظام الدینؒ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور اسی حال میں آپ نے دستک دے کر با آواز بلند کہا۔ اللہ محمد چار یار حاجی خواجہ قطب فرید، فرید فرید کہتے ہوئے بہشتی دروازہ میں داخل ہو کر مشرقی دروازہ سے باہر آئے لہٰذا آج تک اس دروازہ کو بہشتی دروازہ کہتے ہیں اور ہر سال بہشتی دروازہ کھلتا ہے تو لوگ تالیاں بجا کر سنت نظامی ادا کرتے ہیں۔

دوسری روائت کے مطابق ایک روز حضرت بختیار کاکیؒ نے حضرت بابا فریدؒ کو حلوائی کی دوکان سے مٹھائی خریدنے کے لیے بھیجا تاکہ اس مٹھائی پر حضرت خواجہ عثمانؒ ہارونی کا فاتحہ دلوائی جا سکے۔ جب حضرت بابا فریدؒ بازار میں پہنچے تو بازار میں ایک ہنگامہ برپا تھا اور ایک ہجوم ادھر آ رہا تھا دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ شیخ نجم الدینؒ صغری پر حال و وجد کی کیفیت طاری ہے اور آپ نے یہ فرمایا کہ آج جو میری صورت دیکھ لے گا جنت میں جائے گا جب بابا فریدؒ نے یہ بات سنی تو آپ نے اپنا منہ ادھر سے موڑ لیا اور حلوائی کی دکان کے ایک کونے میں چھپ گئے جب یہ ہنگامہ آگے نکل گیا تو آپ مٹھائی لے کر اپنے پیرو مرشد حضرت بختیار کاکیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام

قصہ عرض کیا اور ساتھ ہی یہ عرض کیا کہ آپ کا رخِ انور دیکھنے کے بعد کسی اور صورت کو بھی دیکھوں، طبیعت کو یہ بات گوارا نہیں، یہ بات سن کر حضرت بختیار کاکیؒ بہت خوش ہوئے کچھ دیر مراقبے میں رہنے کے بعد فرمایا۔ خواجہ نجم الدینؒ صغری پر تو سالہا سال کی محنت و ریاضت کے بعد یہ راز کھلا ہے کہ جو میری صورت دیکھ لے گا جنتی ہو گا لیکن تیرے مرقد کی پائنداز ایک ایسا دروازہ ہو گا کہ قیامت تک جو اس میں سے نکل جائے گا۔ دوزخ کی آگ اس پر حرام ہو گی (6) واللہ اعلم بالصواب۔

تبصرہ : اگر ان تمام روائتوں پر بحث کی جائے تو یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ بہشتی دروازہ کی روائت بنیادی طور پر حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء سے منسوب ہے مگر ان کے شہرہ آفاق ملفوضات "فوائد الفواد" میں کہیں بھی بہشتی دروازہ کا ذکر نہ ہے ویسے بھی آپ نے اپنی زندگی میں دہلی سے اجودھن تک کل دس سفر کیے ہیں، تین حضرت بابا فریدؒ کی زندگی میں اور سات آپ کے وصال کے بعد مگر آپ کے کسی سفر کے بیان میں بہشتی دروازہ کا ذکر نہیں ملتا ہے مزید اس سلسلہ میں سیر الاولیاء، خیر المجالس، تاریخ فرشتہ، اخبار الاخیار، ریاض اولیاء، سفینۃ العارفین اور دیگر مستند کتب سیر بہشتی دروازہ کے بارے میں خاموش ہیں بہر حال 1837 جنرل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال میں کیپٹن سی۔ ایم ویڈ نے بہشتی دروازہ کا ذکر کیا ہے تاہم اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ بہشتی دروازے سے گزرنے والا ہر شخص اپنے گناہوں سے تائب ہو کر مغفرت کا طلب گار بن کر نیکوکاروں اور عبادت گذاروں کے ساتھ خدا کی رحمتوں سے ہمکنار ہونے کے لیے درِ فریدؒ پر کھڑے جنت کی بھیک مانگتے ہیں۔ خدا کی رحمت بے کراں ہے کسی لمحہ بھی مغفرت کی دعا قبول ہو سکتی ہے اور یوں بہشتی دروازہ فسق و فجور سے تائب ہونے اور آئندہ پاکیزہ زندگی گذارنے کا ایک سچا وعدہ ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور گناہوں سے محفوظ رکھے (آمین)

غسل روضہ شریف : 9 محرم الحرام کو عرس کی جملہ رسومات اختتام پذیر ہوتی ہیں یوم عاشورہ کے روز آستانہ عالیہ اور روضہ شریف کو غسل دے کر مزارات مقدسہ کی صندل مالی کی جاتی ہے سجادہ نشین ہر دو مزارات پر صندل چڑھاتے ہیں جب تک مزار پر صندل خشک نہ ہو جائے۔ روضہ بابا فریدؒ کا دروازہ بند رہتا ہے چراغ جلانے یا بجھانے یا کسی اور غرض سے خادم درگاہ شریف کے کواڑوں کو کھول کر اندر چلا جاتا ہے۔ کسی

اور کو حکم نہیں ہوتا البتہ آپ کی اولاد میں سے ہر شخص اندر جا سکتا ہے۔ صندل خشک ہو جانے پر ہر دو مزارات پر غلاف چڑھا دیا جاتا ہے جس سے تمام عرس کا خاتمہ سمجھا جاتا ہے پھر چالیس روز تک نوری دروازہ حضرت امام حسین کے غم میں بند رہتا ہے۔

حوالہ جات

(1) خزینۃ البرکات ولی از پیر سید امام علی شاہ صفحہ نمبر25

(2) نوری دروازہ میں داخل ہوتے ہی پہلی قبر شریف آپ کی ہے

(3) زعفرانی رنگ میں بھگوئے ہوئے ململ کے ٹکڑے

(4) انوار الفرید از مسلم نظامی صفحہ نمبر416

(5) رسومات عرس فریدی از بشیرالدین صفحہ نمبر91

و خزینۃ البرکات ولی از پیر سید امام علی شاہ صفحہ نمبر33

(6) رسومات عرس فریدی از میاں بشیر الدین

مزارات پاک پتن

حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کے ابدی روحانی فیضان کی بدولت ہر دور میں پاک پتن اولیاء اللہ کا مسکن رہا۔ جنہوں نے خالص تصوف یعنی شریعت' طریقت اور حقیقت کی تبلیغ کو جاری رکھتے ہوئے لوگوں کی باطنی اصلاح اور تزکیہ نفس پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے اشاعت دین کے سلسلہ میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ خدمات اسلام کے سلسلہ میں ان صوفیاء کرام کا طریق کار بڑا سادہ سہل اور محبت آمیز تھا۔ وہ اپنے پیروکاروں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچاتے' دکھی اور ناشاد لوگوں کو محبت' خلوص اور امن و سکون کی دولت مہیا کرتے تھے۔ ان صوفیاء کرام کی خانقاہوں نے تاریخ اسلام میں بڑا موثر اور اہم کردار ادا کیا ہے۔ سید حسن نصر نے اپنی تصنیف "اسلام سائنس اور تمدن" میں اس حقیقت کا ذکر کیا ہے

"اسلام کی ابتدائی صدیوں میں یہ مراکز توقع کے مطابق صوفیوں کے اجتماعات کے مقام تھے جہاں خواہشمندوں کو باطنی اسرار و رموز سے آگاہ کیا جاتا تھا یہاں وہ لوگ جنہیں رسمی علم سے اطمینان نہیں ہوتا تھا اور وہ ایقان کی روشنی اور حقیقت کے براہ راست کشف کے طالب ہوتے تھے۔ مکتبی علم' بحث و تمحیص یعنی قیل و قال کو خیرباد کہہ دیتے تھے اور روحانی راہنما (مرشد) کی ہدایات کے مطابق ذکر و فکر کرتے" (1)

صوفیوں کے یہ مراکز درحقیقت علمی مراکز ہوتے تھے لیکن وہاں جو علم سکھایا جاتا تھا وہ کتابوں میں نہیں ملتا تھا۔ ان مراکز میں اہل لوگ علم کی بلند ترین صورت یعنی باطنی و روحانی علم کا ادراک کرتے تھے جس کی تحصیل کے لیے روح اور ذہن کی پاکیزگی ضروری ہوتی ہے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے۔ مذکورہ مصنف نے حضرت بابا فریدؒ کو یوں خراج عقیدت پیش کیا۔

"کہ شیخ فرید الدینؒ نے پاک پتن میں جو تربیت گاہ بنائی وہ صوفیاء کے ایک مثالی مرکز کی تمام شرائط پر پوری اترتی تھی اور اس نے عالم اسلام کے اس حصہ میں اسلامی تمدن کو باطنی استحکام کا عنصر عطا کیا"

الختصر پاک پتن کے اندر اولاد فریدؒ عالیہ کے مزارات کے علاوہ آپ کے پاک

طینت خلفائے عظام اور دیگر چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کے مزارات یہاں کی مذہبی روحانی اور ثقافتی تاریخ میں درخشندہ ہیں کیونکہ ان صاحبین مزارات نے ہر عہد میں اپنے روحانی مورث یعنی حضرت بابا فریدؒ کے مشن منزہ کی تکمیل کی۔

(1) روضہ حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ :

حضرت بابا فریدؒ کا روضہ شریف حضرت خواجہ نظام الدینؒ اولیاء نے تعمیر کروایا۔ روضہ شریف کی تعمیر میں استعمال ہونے والی ہر اینٹ پر قرآن پاک ختم کروایا۔ آپ کے روضہ کے دو دروازے ہیں ایک مشرقی اور دوسرا جنوبی مشرقی دروازہ نوری دروازہ کہلاتا ہے۔ جبکہ جنوبی دروازہ "بہشتی دروازہ" کے نام سے منسوب ہے روضہ شریف کے دونوں دروازوں کے کواڑوں پر خالص چاندی کا خول چڑھا ہوا ہے جن کے درمیان سنہری پتری سے بنے ہوئے پھول نہایت ہی دیدہ زیب ہیں روضہ کے اندر اور گنبد میں شیشہ کی پچ رنگی گلکاری بنی ہوئی ہے درمیان میں برقی قمقموں سے مزین فانوس لٹکا ہوا ہے جبکہ روضہ کا سنہری کلس بہت ہی خوبصورت ہے 1965ء سے آپ کے روضہ شریف کے باہر اور گنبد پر اعلیٰ قسم کا سنگ مرمر لگا ہوا ہے آپ کے مزار کے سرہانے سنگ مرمر کی خوبصورت جالی لگی ہوئی ہے جہاں سے صرف خواتین آپ کے مزار کی زیارت کرتی ہیں اور دعائیں مانگتی ہیں یاد رہے کہ مستورات کو مزار شریف کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے روضہ شریف میں دو مزارات ہیں نوری دروازہ میں داخل ہوتے ہی پہلا چھوٹا مزار آپ کے صاجزادہ اور آستانہ عالیہ کے پہلے سجادہ نشین حضرت بدر الدین سلیمان کا ہے اور دوسرا مزار آپ کا ہے۔

(2) روضہ حضرت علاؤ الدین موج دریاؒ :

حضرت علاؤ الدین موج دریاؒ حضرت بابا فریدؒ کے پوتے تھے جن کے حالات تفصیل سے گذشتہ صفحات پر بیان ہو چکے ہیں آپ کا روضہ آپ کے مرید سلطان محمد تغلق نے بنوایا جو تغلق عہد کے فن تعمیر کا نادر نمونہ ہے صدیاں گذرنے کے بعد روضہ قابل مرمت ہو چکا تھا جسے اب محکمہ آثار قدیمہ نے دو لاکھ کی خصوصی گرانٹ سے اپنے مایہ ناز سول انجینئر حق نواز کی زیر نگرانی مرمت کروائی اب اس کی رعنائی بحال ہو چکی ہے روضہ کے چاروں طرف لکڑی اور خشت پختہ میں خوبصورت گلکاری اور قرآن پاک کی

آیات کندہ ہیں اس رفیع الشان روضہ کے اندر جگہ کی گنجائش کے سبب دیگر سجادہ نشینوں کو بھی یہاں دفن کیا گیا اس لیے اس کے اندر قطار در قطار 20 کے قریب مزارات ہیں حضرت علاؤ الدین موج دریاؒ کے مزار کے غرب جناب دیوان سید محمد کا مزار ہے جبکہ آپ کے سرہانے آپ کے استاد محترم کا مزار ہے۔ ان کے برابر سلطان محمد تغلق کے عہد کے شیخ الاسلام حضرت شیخ علم الحقؒ کا مزار ہے جو آپ کے چھوٹے صاجزادے تھے اسی طرح شیخ افضل الدینؒ، فضیل شیخؒ، مظہر الحقؒ اور شیخ ابراہیم فرید ثانیؒ بھی اسی روضہ میں مدفن ہیں آستانہ شریف کے بہشتی دالان کے مشرق میں شیخ جیوا کا مزار ہے جو جنوں کے پیر مشہور ہیں آپ کے روضہ کے اندر جناب دیوان غلام قطب الدین کا مزار بھی ہے۔

(3) روضہ شیخ شہاب الدین گنج علمؒ :

آپ حضرت بابا فریدؒ کے صاجزادے تھے، علم و فضل میں یکتا تھے اسی لیے آپ کا لقب گنج علم ہے حضرت شہاب الدین سہروردیؒ سے دلی عقیدت کی بناء پر حضرت بابا فریدؒ نے اس فرزند کا نام شہاب الدین رکھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء سے آپ کی گہری دوستی تھی۔ بابا فریدؒ کے روضہ مبارک کے مغرب میں جامع مسجد کی دیوار سے متصل ایک خوبصورت خشتی حجرہ ہے۔ جس میں شیخ شہاب الدینؒ آسودہ خاک ہیں لوگ آپ کے مزار سے پانی پیتے ہیں مشہور ہے کہ اس متبرک پانی کو پی کر غبی بچوں کا ذہن کھل جاتا ہے آپ کے چھ لڑکے ہوئے جن کی اولاد انڈیا کے مشہور شہر جونپور، فتح پور سیکری، دہلی، ٹانڈہ، سرسا، رہتاس گڑھ اور بہار و بنگال کے مختلف مقامات میں جا کر بس گئی آپ کے روضہ کے باہر مغرب کی طرف جامع مسجد فریدیہ کی سیڑھیوں کے قریب دیوان فتح محمد کا مرقد ہے جبکہ آپ کے روضہ کے اندر دیوان اللہ جوایا آسودہ خاک ہیں۔

(4) حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابرؒ کی چلہ گاہ :

آپ حضرت بابا فریدؒ کی ہمشیرہ بی بی حاجرہؒ کے لخت جگر ہیں۔ بی بی حاجرہ کی شادی غوث پاک کے پوتے اور شیخ عبدالوہاب کے صاجزادے شیخ عبدالرحیم سے ہوئی تھی۔ وہ مجذوب تھے لہٰذا بی بی صاحبہ نے اپنے صاجزادے کو ہرات سے لا کر ہانسی میں اپنے

بھائی حضرت بابا فریدؒ کے سپرد کیا اس وقت مخدوم صاحب کی عمر آٹھ سال کی تھی تین سال تک آپ کو ظاہری تعلیم دی گئی اس کے بعد والدہ ہرات واپس چلی گئیں اور آپ حضرت بابا فریدؒ دیگر اہل خانہ کے ساتھ اجودھن (پاک پتن) چلے آئے یہاں آپ کا عقد اپنے ماموں حضرت بابا فریدؒ کی صاحبزادی بی بی خدیجہ عرف شرف النساء سے ہوا لیکن نکاح کے بعد اسی دن دلہن کا انتقال ہو گیا مخدوم صاحبؒ میں شروع ہی سے جذب کے آثار تھے لہٰذا گوشہ نشین ہو کر سب سے الگ تھلگ رہتے اور ہر وقت یاد خدا میں مشغول رہتے۔

حضرت بابا فریدؒ نے آپ کو اپنے لنگر کا منتظم مقرر کیا تھا مگر آپ کھانے پینے سے ہمیشہ بے نیاز رہے یہی وجہ ہے کہ آپ کو "صابر" کا خطاب ملا پھر خلافت بھی مرحمت فرمائی اور کلیر شریف (ہندوستان) میں آپ کا تقرر ہوا۔

جہاں آپ کا آستانہ عالیہ مسلمانوں کے لیے روحانی طمانیت کا منبع ہے۔ پاک پتن (اجودھن) میں درگاہ حضرت بابا فریدؒ میں آپ کی چلہ گاہ واقع ہے۔

(5) حضرت میاں علی محمد خانصاحبؒ :

پیر طریقت قدوۃ السالکین، زبدہ العارفین حضرت خواجہ میاں علی محمد خانصاحبؒ آف بسی شریف کا مزار آستانہ عالیہ حضرت بابا فریدؒ کے چبوترے پر ہے آپ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے صاحب سلوک بزرگ ہیں آپ کا خاندان صدیوں سے ہندوستان میں ضلع جالندھر اور ہوشیار پور میں روحانی سیادت کا مالک و امین رہا آپ کے نانا جی حضرت خواجہ میاں شاہ محمد صاحبؒ ضلع ہوشیار پور کے عظیم المرتبت عابد و زاہد مرتاض بزرگ تھے جنہوں نے اپنے زہد و تقویٰ پرہیز گاری، کشف و کرامت اور تصوف کی لازوال محنت سے ہندوستان کے اندر اپنے سلسلہ کو بہت فروغ دیا۔ آپ کی سوانح حیات "یادِ پیر" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ آپ نے 1332ھ میں وصال پایا اور نئی بستی ضلع ہوشیار پور (بھارت) میں آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے آپ کے وصال کے بعد آپ کے نواسے حضرت خواجہ علی محمد خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ سجادہ نشین ہوئے۔

آپ ضلع ہوشیار پور کی بستی عمر خاں میں 1881ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد گرامی کا نام محمد عمر خاں تھا جو صاحب علم و فضل تھے جنہوں نے "یادِ پیر" اور "تہذیب دھرم" کے نام سے دو کتابیں تصنیف کی ہیں آپ نے اپنے جلیل القدر نانا کے سایہ

عاطفت میں علوم دینیہ میں خوب دسترس حاصل کی۔ عربی، فارسی، فقہ، حدیث، تفسیر کا علم مکمل کرنے کے بعد اپنے نانا جی حضرت خواجہ محمد صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت فرما کر سلوک و معرفت کا درس لیا اور نانا جی کے وصال کے بعد مسند شیخ پر بیٹھے اور اپنے زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت اور مجاہدہ کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری و باطنی بے پناہ حسن عطا کیا تھا۔ آپ سراپا حسن و جمال تھے۔

قیام پاکستان کے بعد پہلے لاہور تشریف لائے۔ آستانہ علیہ حضرت داتا گنج بخشؒ کے قریب اپنی قیام گاہ پر دو ماہ رہے پھر سلسلہ چشت کے موسس ثانی اور شہباز طریقت حضرت بابا فریدؒ کی محبت انہیں پاک پتن کھینچ لائی اور یہاں مستقل قیام فرمایا۔ آپ علوم ظاہری و باطنی دونوں میں منبع معرفت و حقیقت تھے۔

مولانا غلام قادر گرامی جو فارسی زبان میں ملک الشعراء ہیں جنہیں حکیم الامت ڈاکٹر علامہ اقبال بھی فارسی شاعری میں اپنا استاد تسلیم کرتے ہیں اور ان کے اشعار کو گھنٹوں وجد و شوق کے عالم میں پڑھتے رہتے تھے۔ مولانا نے فارسی زبان میں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ایک منقبت لکھی (2) جو فارسی شاعری کی جملہ خوبیوں سے مزین ہے فصاحت و بلاغت اور جامعیت کی منہ بولتی تصویر ہے اور فارسی شاعری کا ایک بیش قیمت خزینہ ہے اس منقبت کی شرح آپ نے فارسی زبان میں "راہ فردا" کے نام سے تحریر فرمائی جس پر خود گرامی صاحب نے مقدمہ لکھا "راہ فردا" کی اشاعت اول امرتسر سے ہوئی، اشاعت دوم دہلی سے اور تیسرا ایڈیشن پاک پتن شریف سے شائع ہوا۔ آپ کی تحریر کردہ اس شرح کو پڑھ کر آپ کی ظاہری و باطنی علمیت کا عرفان حاصل ہوتا ہے، دلائل الخیرات آپ کا وظیفہ تھا، صوم و صلوٰۃ کے بے حد پابند تھے شب بیداری آپ کا معمول تھا اپنے زہد و تقویٰ کی بناء پر آپ نے اپنے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو خوب ترقی دی بڑے بڑے روسا امراء، اور جاگیردار آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے جن کی آپ اصلاح فرماتے رہتے تھے آپ کو اپنے روحانی سلسلہ کے مورث حضرت بابا فریدؒ سے بے حد عقیدت تھی اور یہ حضرت بابا فریدؒ کی محبت کا کرشمہ ہے کہ عین عرس فریدیؒ کے فوراً بعد یعنی 15، محرم الحرام 1395ھ بمطابق 1975ء واصل بحق ہوئے اناللہ وانا الیہ راجعون آستانہ عالیہ میں دفن ہوئے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے نواسے میاں محمود احمد خاں صاحب ایم این اے مسلم لیگ (ن) آپ کے سجادہ نشین مقرر ہوئے انہوں نے راقم کو چند تاریخی اہمیت کی حامل دستاویزات عطا فرمائیں جن کے اندر ابوالمظفر محمد شاہ جہاں' داراشکوہ اور احمد شاہ سعادت یار خاں آپ کے بزرگوں کی دعاؤں کے طالب رہے اور وہ علاقے جن میں آپ کے بزرگ قیام پذیر تھے جن میں سراج آباد' ابراہیم آباد' بابا پور بسری' رسول پور درویش' رسولپور محمود' محمد شفیع پور' رسول پور محمد صدیق (جالندھر) کے بارے شاہان مغلیہ نے اپنے عمال حکومت کو سختی سے منع کیا کہ وہ ان علاقوں میں رہائش پذیر صوفی بزرگوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں تاکہ یہ درویش بزرگ بے فکر اور فارغ البال ہو کر ہمیشہ شاہی دولت و سلطنت کے بقائے دوائی کے لیے دعاگو رہیں یہ خطوط فارسی زبان میں ہیں جو میاں محمود احمد خانصاحب کے پاس محفوظ ہیں۔

(6) مزار دادا میاں :

حضرت میاں علی محمد خان صاحبؒ کے مرقد کے مغرب کی طرف ملحقہ حضرت دیوان غلام قطب الدین (مرحوم) کے صاجزادہ میاں مسعود المعروف دادا میاں کا مزار ہے دیوان صاحب کے یہ فرزند انتہائی خوش اطوار' خوش خلق' شیریں گفتار اور ملنسار تھے ان کی موت عالم شباب میں ہوئی اگر یہ زندہ رہتے تو یقیناً" سیاسی افق پر خاندان چشت کا نام روشن کرتے آپ کی بے وقت موت اہل پاک پتن کے لیے انتہائی ناقابل تلافی نقصان ہے اسی طرح میاں صاحبؒ کے مرقد کے مشرقی چبوترے پر خاندان چشت کے سرکردہ افراد کی قبور ہیں جن میں پیر محمد شریف چشتی کا مرقد بھی شامل ہے۔ جناب میاں صاحبؒ کے پائنتی کی طرف خاں بہادر میاں نور احمد خاں' خاں میرباز خاں اور میاں نذر فرید خاں مانیکا کی قبور ہیں۔ جناب دادا میاں صاحب حضرت میاں علی محمد صاحب کے مرید تھے آپ کے مزار کی چھت پر رنگ برنگ شیشے لگے ہوئے ہیں قبر مبارک سفید سنگ مرمر کی ہے۔

(7) روضہ حضرت بدرالدین اسحاقؒ :

سید بدر الدین اسحاقؒ سادات بخارا سے تھے وہاں سے دہلی تشریف لائے اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے ایک دفعہ تحقیق مسائل کے سلسلہ میں حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی خانقاہ واقع پاک پتن (اجودھن) میں حاضر ہوئے۔ بعد تحقیق حضرت شیخ الشیوخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی حضرت بابا فریدؒ نے آپ کو اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا اور اپنی دامادی میں قبول فرما لیا۔

آپ اپنے مرشد کی محبت و تعلیم کا کامل نمونہ تھے۔ آنکھیں ہمیشہ پرنم رہتی تھیں رقت کا ہمہ وقت غلبہ رہتا آپ بہت بڑے عالم باعمل تھے مدت تک دہلی کی مشہور درسگاہ "مدرسہ منیریہ" میں درس دیا فارسی اور عربی میں بے تکلف اور آبدار شعر کہتے تھے آپ کا وصال 693ھ اجودھن (پاک پتن) میں ہوا۔ اور پاک پتن کی قدیم جامع مسجد کے احاطہ میں آپ کا مزار مرجع خلائق ہے آپ کے مزار کی وجہ سے اردگرد کا "محلہ بدر دیوان" کے نام سے پاک پتن میں مشہور ہے۔

وفات کے بعد خواجہ نظام الدینؒ اولیاء نے آپ کی اہلیہ محترمہ اور دونوں صاجزادگان (خواجہ سید محمد امام اور خواجہ سید محمد موسیٰ) کو دہلی منگوا لیا۔ حضرت سلطان المشائخ دونوں مخدوم زادگان کی بے حد قدرو منزلت کرتے تھے خواجہ سید محمد امام کی اولاد دہلی کے قرب و جوار میں پھیل گئی۔ وقائع فریدالدینؒ مصنفہ جناب محمد حسین اور کتاب تحقیق الحقائق فی معرفتہ السادات الخلائق المعروف تقویٰ مصنفہ جناب سید حسن علی شاہ اولاد حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشتؒ (اوچ شریف) سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ دیوان محمد اشرف صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت بابا فرید الدینؒ نے حضرت خواجہ محمد امامؒ کی اولاد میں سید محمد جعفر اور سید محمد شاکر کو نو گاؤں سے بطور تبرک پاک پتن لے آئے اور خانقاہ سید بدرالدین اسحاقؒ سے متصل یہیں آباد کیا اس وقت جو خاندان سادات آباد ہیں انہی دو بزرگوں کی اولاد سے ہیں۔

جناب خواجہ حسن نظامی نے اپنی کتاب (3) میں اولاد سید بدرالدین اسحاقؒ کا تین مقامات پر یوں ذکر فرمایا۔

"میرے دادا حضرت مولانا بدرالدین اسحاقؒ کا مزار ایک گنبد میں ہے جو

جھجھراںوالے پیر مشہور ہیں کیونکہ یہاں حضرت کے عرس کے دن شربت کی صراحیاں (جھجھریاں) بھری جاتی ہیں یہاں میری برادری کے لوگ رہتے ہیں اور سید نادر شاہ صاحب اس درگاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ سید بدر الدین اسحاق اپنے خسر اور اپنے مرشد حضرت بابا فریدؒ کی وفات کے بعد اجودھن (پاک پتن) کی جامع مسجد میں جا کر بیٹھ گئے کیونکہ حضرت بابا فریدؒ کے جانشین حضرت بدرالدین سلیمانؒ سے ان کی موافقت نہیں رہی تھی وہ آخر عمر تک اسی مسجد میں رہے اور انتقال کے بعد اسی مسجد کے قریب دفن ہوئے ان کے دونوں صاحبزادے یعنی مولانا خواجہ سید محمد امامؒ اور خواجہ سید موسیٰ دہلی آگئے تھے اور یہیں سکونت اختیار کر لی تھی اب مولانا سید بدرالدین اسحاقؒ کی درگاہ میں جو لوگ رہتے ہیں ان میں سید نادر شاہ صاحب زیادہ ممتاز ہیں اور انہی کے ذریعے حضرت کے روضہ کی تصویر مجھے حاصل ہوئی ہے جو اس کتاب میں شائع کی گئی ہے۔

"یہ تفصیل اس غرض سے بھی لکھی ہے کہ حضرت مولانا محمد امامؒ کی اولاد کو اپنے اجداد کے ناموں اور مزاروں کا علم ہو جائے یہ لوگ پاک پتن شریف میں آباد اور سابقہ ریاست پٹیالہ میں رہتے ہیں"

عرس حضرت بدرالدین اسحٰقؒ :

آپ کا عرس ہر سال یکم جمادی الثانی تا 7، جمادی الثانی پاک پتن میں ہوتا ہے جو "جھجھراںوالہ" میلہ کے نام سے موسوم ہے چونکہ آپ کا نکاح محض درویشانہ طریق پر کیا گیا تھا اس لیے ہمیشہ آپ کے دل میں اس کی نسبت ضرور خیال رہتا تھا جس کے رفع کرنے کے لیے حضرت بابا فریدؒ کی طرف رسم جھجھراں آپ کو عطا ہوئی لکھا ہے کہ ایک ہندو کھتری کو اللہ تعالیٰ نے حضرت بابا فریدؒ کی دعاؤں سے اولاد نرینہ عطا فرمائی تو اس نے عقیدت و محبت سے چھوٹی چھوٹی مٹی کی صراحیوں میں دودھ اور شربت بھر کر حضرت بابا فریدؒ کی خدمت میں پیش کیں جس پر حضرت بابا فریدؒ نے سب کی سب صراحیاں (جھجھریاں) حضرت بدر الدین اسحاقؒ کو بخشش فرمائیں اور فرمایا کہ تیری یہ رسم جھجھراں تاقیامت ہوتی رہے گی چنانچہ فرمان فریدؒ کے مطابق یہ رسم برابر ادا کی جا رہی ہے۔

(8) حضرت خواجہ عزیز مکیؒ کا مزار شریف :

آپؒ کا مزار پرانے ٹاؤن ہال کے غرب والی سڑک کے آخری کنارے پر واقع ہے۔ آپ کے بارے مختلف روایتیں ہیں جن کی مستند تصدیق نہیں ہو سکی۔ صدیوں سے سینہ بہ سینہ یہ روایتیں چلی آرہی ہیں بعض روائتوں میں یہ درج ہے کہ آپ حضرت امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں ابوالعاص یمن کے ساتھ ہند پر حملہ آور ہوئے اور حصہ پنجاب کی فتح کے دوران یہاں شہید ہوئے بعض روائتوں میں آپ کو صحابی بیان کیا گیا ہے ایک کتاب "نغمات العزیہ من انفاس القلندریہ" میں مولوی محمد تقی حیدر نے آپ کا حال کچھ یوں بیان کیا ہے کہ شیخ عبدالعزیز عبداللہؒ" حضرت صالح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں کئی پیغمبروں کی خدمت میں رہ کر اکتساب فیض کیا پھر رسالت مآب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اسلام کے ابتدائی ایام میں کئی غزووں میں شریک ہوئے اور علمبرداری کی خدمت سر انجام دیتے رہے ایک بار کسی لڑائی میں آپ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گئے راستہ میں استغراق ہو گیا وہیں آپ نے استغراق کی حالت میں تیس برس گزار دیے حتیٰ کہ جب حضرت علیؓ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے گزرے تو آپ استغراق سے حالت بیداری میں آگئے اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے دست حق پرست پر بیعت کر کے جنگ جمل اور جنگ صفین میں شریک ہو گئے کئی دیگر کتب میں چاروں خلفائے راشدین سے آپ کی بیعت تحریر ہے تاہم اس بارے حتمی کوئی رائے نہیں دی جا سکتی۔ آپ سال ہا سال سکر و جذب کی حالت میں رہتے حضرت علیؓ سے بیعت کرنے کے بعد آپ پھر استغراق کی حالت میں چلے گئے اور 40 سال اسی جذب و مستی میں گزار دیے پھر بیدار ہونے پر مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے اجودھن (پاک پتن) میں تشریف لائے اور اس مقام پر جہاں آپ کا مزار ہے پہنچ کر لوگوں کو فرمایا کہ میں اس غار میں اترنا چاہتا ہوں تم اوپر سے بند کر دینا چنانچہ حسب فرمان لوگوں نے آپ کو بند کر دیا۔

کافی عرصہ کے بعد حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ ملتان اور حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ بحکم حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اپنے کسی مسئلہ سلوک کے حل کے لیے یہاں پہنچے چنانچہ آپ نے سردابہ (غار) سے نکل کر ہر دو بزرگوں کے عقدے حل کیے اور

پھر اسی غار میں پوشیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ اب میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے وقت ظاہر ہوں گا 12، ذی الحجہ کو آپ سردابہ میں روپوش ہوئے تھے اس لیے ہر سال اس تاریخ کو آپ کا عرس شریف ہوتا ہے "واللہ علم بالصواب"؛ ان تمام روائتوں سے ہٹ کر ایک بات ثقہ اور مستند ہے کہ حضرت بابا فریدؒ نے بہ تصرف باطنی معلوم کر کے لوگوں پر آپ کی عظمت اور بزرگی ظاہر فرمائی اور پختہ مزار بنوایا کہ اس مزار پاک کے متصل کسی زمانے میں ایک کنواں تھا جس پر حضرت شاہ نصراللہ جو کہ حضرت بابا فریدؒ کے بے حد عزیز مرید تھے ان کی اولاد آباد ہے وہی آپ کے مزار کی مجاوری بھی کرتے ہیں اور ساون کے مہینے میں آپ کا ختم دلاتے ہیں۔

روضہ کے اندر طویل مزار آپ کا ہے اور دوسرے مزارات کے بارے میں یہی مشہور ہے کہ ان میں آپ کا جسم مدفون ہے۔ آپ کے آستانہ کے اندر اور باہر اہلیان پاک پتن کی قبور ہیں اس قبرستان میں ایک مزار خواجہ نذر محمد صاحب کا ہے جو صاحب کرامت تھے مزار سے متصل ایک مسجد ہے اب مزار اور مسجد کا انتظام اوقاف کے سپرد ہے مزید آپ کے مزار کے عقب میں جنوب مغرب کی طرف چوڑی گر کا روضہ ہے ان جملہ روائتوں پر عقلی اور منطقی تنقید صفحہ نمبر 43 پر تفصیلاً" ہو چکی ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ نے آپ سے باطنی اکتساب فیض کیا اور آپ ایک صاحب کرامت بزرگ ہیں۔

(9) مزار حضرت سید محمد عبداللہ شاہ نورنگ نوریؒ

چوک فوارہ کے جنوب مغربی گوشہ میں ایک تکیہ اور حضرت سید عبداللہؒ شاہ نورنگ نوریؒ کا مزار شریف ہے۔ آپ حضرت بابا فریدؒ کے معصوم فرزند ہیں جو ساحران کے سحر سے واصل بالحق ہوئے۔ آپ کے روضہ کے اندر آپ کی وفات سے متعلقہ یہ روائت درج ہے۔

یہ مزار اقدس حضرت بابا خواجہ عبداللہ شاہ نورنگ نوری حضوریؒ کا ہے۔ آپ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ قطب عالم' زہد الانبیاء' اغیاث ہند کے چھوٹے صاجزادے ہیں۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی آپ پر نظر کرم تھی۔ آپ ابھی دس گیارہ برس کے تھے کہ ایک دن آپ چند لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے لڑکوں نے عرض کیا "ہمیں بھوک لگی ہے اپنے لنگر سے کھانا عنایت فرمائیں" آپ نے اپنی چادر بسم اللہ الرحمٰن

الرحیم پڑھ کر زمین پر بچھا دی چند ساعتوں کے بعد چادر اٹھائی تو نیچے ہر قسم کے کھانے تیار تھے لڑکوں سے کہا کھانا کھاؤ۔ ایک خادم نے آپ کی کرامت کا ذکر حضور بابا صاحبؒ سے کیا جناب بابا صاحب نے فرمایا کہ "عبداللہ نورنگ نوری ہے اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے"

بارہ سال کی عمر میں 4، محرم کو وصال ہوا۔ آپ کے روضہ مبارک کو چوک فقراء بھی کہتے ہیں آپ کا روضہ چار دیواری میں ہے اردگرد بہت پرانا قبرستان اور قدیمی مسجد ہے۔ جو آپ کے نام سے قبرستان بابا عبداللہؒ و مسجد بابا عبداللہؒ کے نام منسوب ہے اس قبرستان میں کئی بزرگوں کے مزارات ہیں سائیں اللہ ہو کا مزار بھی ان کے حجرہ میں ہے راقم کی والدہ ماجدہ کا مزار مسجد کے شمالی جھرنے سے متصل ہے۔

(10) روضہ حضرت میراں شاہ صاحب گیلانیؒ :

آپ حضرت بابا فرید مسعود گنج شکرؒ کے سجادہ نشین حضرت دیوان سید ابراہیم شاہ صاحبؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کا اصل نام میراں اللہ داد ہے آپ کا مزار گول سڑک محلہ میراں شاہ میں ڈھکی پر واقع ہے۔ روضہ کے ساتھ ایک مسجد بنی ہوئی ہے آپ کا عرس ہر سال ماہ ذوالحجہ میں ہوتا ہے اور آپ کا سجادہ نشین عرس کی جملہ رسومات خود ادا کرتا ہے اس عرس پر سماع اور نعت خوانی روحانی ماحول کی ترجمانی کرتی ہے آپ کے مزار کے مغرب میں صرافہ بازار میں حضرت بولن امام بخاریؒ کا مزار ہے جنہوں نے اپنی زندگی میں نیم کے درخت کو آم لگا کر دکھائے اور کئی سائلان کو کھلا کر ان کی خوشی کو پورا کیا اب یہ مزار بے آباد ہے۔ ملامتیہ قلندریہ سلسلہ کے لوگ یہاں قیام کرتے رہے اور پاک پتن میں یہ تکیہ بابا بولن امامؒ کے نام سے مشہور ہے۔

(11) روضہ پیرزین بانولایالث بانولاؒ :

آپ کا مزار سبزی منڈی کے عقب میں بڑی ڈھکی ابو دروازہ کے پہلو میں واقع ہے آپ حضرت بابا فریدؒ کے مریدین باصفا میں سے ہیں۔ عقیدت و محبت کے عالم میں آپ نے شیخ الشیوخ حضرت بابا فریدؒ کی لعاب دہن منہ میں ڈال لیا جس سے جذب کی کیفیت آپ پر طاری ہو گئی بعض روائتوں میں آپ کا روضہ قدیم طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے مگر حوادث زمانہ کے تحت شکستہ ہو چکا ہے مرمت کی اشد ضرورت ہے محکمہ

آثار قدیمہ نے اگر بروقت توجہ نہ دی تو چند سالوں کے اندر یہ روضہ زمین بوس ہو سکتا ہے چند سال قبل حافظ عبدالخالق جن کا مکان آپ کے روضہ کے قریب ہے۔ اپنی زندگی میں آپ کا ہر سال باقاعدہ عرس کرواتے اور روضہ کی مکمل نگہداشت کرتے مگر ان کی وفات کے بعد روضہ کی نگرانی و نگہداشت کا چنداں کوئی بندوبست نہیں ہے اہل محلہ کی بے اعتنائی سے روضہ روبہ شکستگی ہے لوگ گھروں سے دانے اکٹھے کر کے آپ کا ختم دلواتے ہیں۔ اسی طرح سبزی منڈی کے شمال مشرقی گوشہ میں ٹیلہ پر سبز پیر صاحبؒ کا مزار ہے آپ کے مزار مبارک کے اندر تین قبور ہیں بڑی قبر حضرت پیر زین بانولا رحمتہ اللہ علیہ کی ہے۔ دو قبور بیٹوں کی بیان کی جاتی ہیں مزار مبارک پر کسی نام کی کوئی تختی نہیں ہے مزار مبارک کے باہر چند کچی قبور ہیں۔

(12) روضہ حضرت شیخ موودودؒ :

گوڑی حضرت بابا فریدؒ کے قریب حضرت خواجہ شیخ موودودؒ کا روضہ ہے۔ روضہ شریف کے اندر چار مزارات ہیں۔ ایک آپ کا مزار جبکہ دوسرا آپ کے بھائی شیخ محمود شاہؒ کا اور دیگر دو مزارات آپ کے صاحبزادگان کے ہیں۔ روضہ سے ملحقہ ایک عالی شان قدیم طرز تعمیر کی بنی ہوئی مسجد ہے جس میں اولاد فریدیہؒ کے بزرگوں نے جامعہ عربیہ فریدیہ گوڑی بابا فریدؒ کے نام سے ایک دینی درس گاہ قائم کر رکھی ہے۔ اکبر اعظم کے عہد کے معروف صوفی بزرگ حضرت شیخ محمد سلیم چشتیؒ، حضرت خواجہ شیخ موودودؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ جن کا مزار فتح پور سیکری ہندوستان میں ہے۔

ہر سال ساون کے مہینے میں آپ کا ختم دلایا جاتا ہے۔ اکثر مستورات آپ کی " چوری" کی نیاز دیتی ہیں۔ روضہ شریف کے باہر اور اردگرد اہلیان شہر کی قبور ہیں جن میں پاک پتن کے قدیم باسی پٹھان خاندان (خان محمد زمان خاں وغیرہ) کی قبور نمایاں ہیں۔ اسی طرح آپ کے روضہ شریف کے باہر مین سڑک پر حضرت سید سخی غلام قادر شاہؒ اور حضرت سید سخی محمد علی شاہؒ بستی غلام قادر گیلانی خاندان کے بزرگوں کے مزارات ہیں۔

(13) روضہ حضرت سید سخی غلام قادر صاحب گیلانیؒ :

شہر سے جنوب کی طرف 3 کلومیٹر کے فاصلہ پر آپ کا روضہ مرجع خلائق ہے آپ

حضرت غوث پاک میراں شیخ محی الدین سید عبدالقادر جیلانیؒ کی اولاد پاک سے ہیں۔ لاہور سے ہجرت کر کے پاک پتن تشریف لائے اور محلہ حضرت بابا فرید الدینؒ میں رہائش اختیار کی جس گلی میں آپ کا مکان تھا اب وہ گلی پاک پتن میں آپ کی وجہ سے پیراں والی گلی کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح لاہور میں موچی دروازہ کے قریب محلہ گیلانیاں آپ کے بزرگوں کے نام پر ہی رکھا گیا تھا اور لاہور کے قبرستان میانی صاحب میں "سید بودیاں والی سرکارؒ" آپ کے اجداد میں سے ہیں۔ آپ کے روضہ میں دو مزارات ہیں۔ ایک مزار آپ کا جب کہ دوسرا مزار آپ کے نواسے سید سخی محمد علی شاہ صاحب کا ہے۔ آپ سخاوت میں بے مثل تھے کسی سوالی کو اپنے در سے نامراد واپس نہیں لوٹاتے تھے۔ فقر و غنا، تونگری، سخاوت اور دریا دلی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ پہلے آپ کے مزار کا گنبد چھوٹا تھا۔ جبکہ موجودہ سجادہ نشین سید فخر الدین گیلانی نے اب دوبارہ روضہ کی تعمیر کروائی ہے جو ابھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچی ضلع ساہیوال میں دریائے راوی اور پاک پتن میں دریائے ستلج کے کنارے آباد تمام قبیلے آپ کے مریدین ہیں آپ کا عرس ہر سال ماہ شعبان المکرم میں ہوتا ہے۔

(14) روضہ حضرت سید اصغر علی شاہ صاحبؒ و سید حیدر امامؒ :

آپ سید سخی محمد علی شاہؒ کے فرزند ارجمند ہیں آپ نے اپنے زہد و تقویٰ پرہیزگاری محبت آمیز طرز عمل سے اس علاقے میں اپنے سلسلہ طریقت کو خوب ترقی دی اور اس علاقے میں بہت نام پیدا کیا۔ جبکہ آپ کے اکلوتے خلف الرشید سید حیدر امامؒ نے آپ کی زیر قیادت وزیر سرپرستی تحریک پاکستان میں اس علاقے میں جس جانفشانی سے کام کیا اس کی تفصیل اگرچہ گذشتہ صفحات پر درج ہو چکی ہے تاہم اس علاقے میں مسلم لیگ کی فتح آپ دونوں یعنی باپ بیٹے کی مرہون منت ہے۔ آپ کا عرس ہر سال ماہ 12ر چیت بستی سخی غلام قادر میں منایا جاتا ہے جس میں ضلع پاک پتن، ساہیوال، دیپالپور، اوکاڑہ، لاہور سے مریدین رنگ برنگ جھنڈوں کے ساتھ " جماعتوں" کی صورت میں عرس میں شمولیت کرتے ہیں عرس کے آخری دن موجودہ سجادہ نشین سید فخر الدین گیلانی کے گھر سے آپ کے تبرکات جس میں آپ کی دستار مبارک، گھڑی، عصا، قرآن پاک وغیرہ کی زائرین کو زیارت کرائی جاتی ہے اور "رسم" کی صورت پر دربار شریف پر غلاف چڑھایا جاتا ہے جس سے آپ کا عرس اختتام کو پہنچتا

ہے۔

(15) روضہ حضرت ابوالخیرؒ و بزرگان سادات گیلانی :

آپؒ کا روضہ فریدیہ پرنٹنگ پریس کے مشرق کی طرف کوٹھی میاں غلام محمد احمد خاں مانیکا کے قریب واقع ہے۔ روضہ شریف میں سید زین العابدین شاہؒ اور سید محمد قاسم شاہؒ کے مزارات ہیں، جن کا تعلق سید سخی محمد علی شاہؒ آف بستی غلام قادر گیلانی خاندان سے ہے آپ کا گھرانہ جودو سخاوت میں بے حد مشہور رہا۔ ان بزرگان کے خلیفہ شیخ ابوالخیرؒ بھی اس روضہ میں مدفون ہیں جن کے عرس پر خاندان چشت یعنی اولاد حضرت بابا فریدؒ اور ارائیں خاندان ختم شریف دلواتے ہیں اور لنگر کا انتظام کرتے ہیں روضہ کے اردگرد ایک وسیع قبرستان ہے جو رفتہ رفتہ لوگوں کی ہوس جوع الارض کا شکار ہو رہا ہے۔

(16) روضہ حضرت سید محبوب شاہ صاحبؒ :

حضرت بابا فریدؒ کے دربار عالیہ کی طرف جاتے ہوئے "چوک چٹی قبر" میں آپ کا روضہ موجود ہے آپ کے حالات زندگی تفصیل سے معلوم نہیں ہو سکے تاہم روایتاً یہ مشہور ہے کہ آپ شہید ہو کر یہاں دفن ہوئے اور آپ حضرت غوث پاکؒ کی اولاد میں سے ہیں آپ ایک بابرکت بزرگ ہیں سڑک کی تعمیر کے سلسلہ میں مزار شریف متعدد بار گرایا گیا مگر تصرف بزرگانہ سے آخر سڑک ہی علیحدہ بنی اور مزار اپنی اصلی جگہ پر قائم ہے اہل محلہ اور عباسی خاندان (بانڈگان) بذریعہ چندہ آپ کا عرس کرتے ہیں۔

گنبد مبارک کی دیوار پر حضرت سید محبوب شاہ گیلانی قادری رحمتہ اللہ علیہ المعروف چٹی قبر لکھا ہوا ہے۔ مزار شریف سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے مزار کے اندر ایک بڑی قبر ہے داخل ہونے کا راستہ جانب شمال ہے۔

(17) حضرت سید حافظ قائم الدین محمد برقندازؒ :

آپ سبزواری سید تھے۔ آپ کے بزرگ ایران سے لاہور آئے پھر وہاں سے اجودھن تشریف لائے اور یہیں آپ کی پیدائش ہوئی آپ نے لڑکپن میں قرآن مجید حفظ کیا اور دینی تعلیم میں بھی دسترس حاصل کی، کئی سالوں تک ہر روز حضرت بابا فریدؒ

کے روضہ پاک کے نوری پنجرہ کے قریب بیٹھ کر قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت اور حضرت بابا فریدؒ کے باطنی فیوض نے انہیں ایک صاحب مرتبہ بزرگ کا رتبہ عطا فرمایا "ایک رات خواب میں حضرت بابا صاحبؒ ملے اور حضرت شیخ محمد پیجار نوشاہیؒ قادری سے بیعت کا حکم دیا چنانچہ شیخ محمد پیجار نوشاہیؒ کی خدمت میں حاضری کے لیے روانہ ہوئے شیخ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے آپ کے پاس کچھ نہ تھا۔ اس سوچ سے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے آخر جنگل سے ایک گٹھڑی اوپلوں کی چن لی تاکہ ڈیرہ پر آگ جلانے کے کام آئے جب آپ نے حضرت محمد پیجارؒ کی خدمت میں اوپلوں کی گٹھڑی پیش کی تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے آپ کو اپنے سلسلہ میں داخل کر لیا" (4)

آپ نے 27 ربیع الثانی 1155ھ بمطابق یکم جولائی 1743ء کو وفات پائی مزار مبارک پاک پتن میں خواجہ عزیز مکیؒ روڈ پر زیارت گاہ خاص و عام ہے آپ کے آستانہ کے اردگرد چاردیواری ہے جس کے اندر آپ کا مزار ایک پختہ روضہ کے اندر بنا ہوا ہے اور دوسری قبر آپ کے صاحبزادہ کی ہے سید نادر علی شاہ مزار کی سجادہ نشینی کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں

(18) روضہ حضرت پیر سلطان محمودؒ :

آپ کا روضہ شریف شہر کے باہر جنوب مغرب میں ایک وسیع قبرستان میں واقع ہے۔ جو آپ کے نام پر "قبرستان پیر سلطان" مشہور ہے آپ موضع جلال جموں کے رہنے والے تھے اور بھٹی (پاولی) خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت بابا فریدؒ کی محبت انہیں یہاں کھینچ لائی اور آپ نے یہاں سکونت اختیار کی، کپڑا بن کر روزی کماتے، صوم و صلوٰۃ کے بے حد پابند تھے۔ پہلے پہل پاک پتن کے باسی آپ کو "سلی" کہتے تھے۔ مگر جب حضرت بابا فریدؒ کے سجادہ نشین دیوان عبدالسبحانؒ آپ کی کرامت سے متاثر ہوئے تو انہوں نے اہلیان شہر کو یہ حکم دیا کہ وہ آئندہ انہیں پیر سلطان محمودؒ کے نام سے پکاریں اور مزید دیوان صاحب نے آپ کی رہائش وغیرہ کے لیے موجودہ مزار کے اردگرد جگہ عنایت کی (5) ہر سال 10 جمادی الاول آپؒ کا ختم دلوایا جاتا ہے۔ اسی قبرستان میں قاضی شیر محمد صاحب کا روضہ شریف بھی ہے۔

سید نور شاہ اجمیریؒ جو دیوان عبدالسبحان کے دور میں اجمیر شریف سے پاک پتن تشریف لائے تھے۔ جن کی اولاد پاک پتن میں آباد تھی وہ خود تو چشتیاں شریف تشریف لے گئے جبکہ ان کے تیسرے بھائی چراغ شاہؒ اپنے دادا بزرگوار حضرت سید ہاشم علی شاہؒ کی خدمت میں پاک پتن میں مقیم رہے ان کا مزار بھی قبرستان پیر سلطان محلّہ کرم پور میں واقع ہے۔

(19) روضہ سید چراغ شاہ○ :

شہر کی عیدگاہ کے عقب میں آپؒ کا مزار شریف ہے اردگرد ایک وسیع قدیمی قبرستان ہے۔ آپ کے حالات زندگی کے بارے کچھ زیادہ معلوم نہ ہو سکا صرف روائتاً" یہ معلوم ہوا کہ آپؒ سادات خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور بسلسلہ جہاد یہاں شہید ہو کر دفن ہوئے۔ مزار مبارک کے اردگرد پاک پتن کا وسیع قدیمی قبرستان ہے جو آپ کے نام پر قبرستان چراغ شاہ مشہور ہے۔

(20) روضہ سید مدحؒ شاہ :

آپ کا مزار "چوک بابا فریدؒ" کے قریب موضع چک پیر نظام الدین کے نزدیک ایک ٹیلے پر پاک پتن شہر سے 3 کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اردگرد ایک وسیع قبرستان ہے۔ آپ حضرت بابا فریدؒ کی اولاد پاک سے ہیں۔ سال میں دو دفعہ آپ کا عرس ہوتا ہے آپ کے مزار کے اوپر گنبد تعمیر ہے گنبد کے اندر ایک قبر ہے۔ گنبد کے اردگرد پختہ چاردیواری ہے مزار میں داخل ہونے کے لیے جنوب کی طرف دروازہ ہے۔

(21) روضہ پیر گھوڑیا نوالہ :

چوک فوارہ کے شمال میں ایک تنگ سی گلی کے آخری سرے پر ایک مزار پیر گھوڑیا نوالہ کے نام سے مشہور ہے اردگرد عباسی خاندان کے مکانات ہیں لوگ اپنی منتیں مٹی کے گھوڑے بنا کر مزار پر لے جا کر ادا کرتے ہیں آپ کے حالات زندگی بھی معلوم نہ ہو سکے۔ دیوان شیخ محمد یار صاحب سجادہ نشین کے عہد سجادگی میں آپ شہر فریدؒ کے صاحب کرامت بزرگ مشہور ہوئے۔

(22) روضہ حضرت پیر خواجہ محمد اکبر نقشبندیؒ

آپ کا روضہ شریف پاک پتن کے محلّہ پیر کریاں میں مرجع خلائق ہے جہاں ہر سال 24، نومبر کو آپ کا عرس منعقد ہوتا ہے۔ آپ 21، فروری 1897ء بمقام کوٹلی (میرپور) خواجہ محمد شہباز کے گھر پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد امجد کا انتقال ہو گیا تو آپ کی تعلیم و تربیت و پرورش کی ذمہ داری خواجہ محمد عبداللہ نے بخیرو خوبی سرانجام دی' جوان ہونے پر فوج میں ملازمت اختیار کی پھر سید محمد جعفری شاہ صاحب نقشبندی سجادہ نشین شاہ دولہ گجرات کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ جنہوں نے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ کی خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا۔ قیام پاکستان کے بعد کشمیر سے ہجرت فرما کر پہلے نارووال تشریف لائے' پھر یاران طریقت کے اصرار پر پاک پتن تشریف لے آئے اور یہاں مستقل سکونت اختیا کر لی اور 24، نومبر 1971ء بروز بدھ آپ کا وصال ہوا۔ آپ نے اپنے سلسلہ نقشبندیہ کو بہت فروغ دیا 25 کے قریب آپ کے خلفائے عظام ہیں۔ اس وقت آپ کے خلف الرشید صاحب زادہ ابو طاہر محمد نقشبند بہت بڑے عالم صاحب طریقت اور صاحب اجازت صوفی ہیں اور سلسلہ نقشبندیہ کے فروغ میں ان کی خدمات قابل تعریف ہیں۔

(23) روضہ حضرت خواجہ پیر محمد فخرالدین چشتی نظامیؒ :

آپ کا مزار شریف گورنمنٹ گرلز ہائی سکول کے عقب محلّہ نوری میں واقع ہے آپ چشتی نظامی سلسلہ کے صاحب کرامت بزرگ اور ممتاز عالم دین ہیں آپ 1886ء بمقام بستی معظم تحصیل فاضلکا (ہندوستان) میں مولانا محمد یوسف کے گھر پیدا ہوئے۔ اپنی دینی تعلیم مکمل کرنے کے بعد خواجہ محمد عبدالحکیمؒ صاحب کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد مختلف مقامات پر قیام فرمایا۔ حضرت بابا فریدؒ کی محبت انہیں پاک پتن لے آئی یہاں آپ نے مستقل قیام فرمایا۔ 1970ء بروز بدھ آپ کا وصال ہوا۔ ہر سال 18، شعبان المعظم آپ کا عرس منایا جاتا ہے صوفی لال دین جو کہ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور آپ کے خلیفہ مجاز ہیں ان کے توسط سے 1983ء میں جناب سعید احمد قریشی صاحب سابق وزیر عشر زکوٰۃ نے اپنی عقیدت و محبت سے نذرانے

کے طور پر لاکھوں روپے صرف کر کے آپ کا عالیشان روضہ تعمیر کروایا۔ روضہ سے ملحقہ ایک بڑی خوبصورت جامع مسجد اور دینی درسگاہ ہے جہاں بچوں کو حفظ اور ناظرہ قرآن پاک کی تعلیم دی جاتی ہے۔

(24) روضہ حضرت عبدالرحمٰن نوشاہی قادریؒ :

آپ پاک پتن کے مستقل رہائشی تھے۔ اپنے وقت کے مشہور خدا رسیدہ اور صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ پہلے پہل اپنی باطنی تعلیم کے لیے حضرت خواجہ محمد پناہ آف کبیر والا کے سجادہ نشین سے روحانی فیض حاصل کیا۔ بعد میں سلسلہ نوشاہیہ قادریہ کے عظیم بزرگ حضرت خواجہ باہو سیال کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ان کی سرپرستی میں راہ سلوک کی کئی منزلیں طے کر کے خلافت حاصل کی۔ خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ نے اپنی رہائش حویلی لکھا کے قریب موضع ۔ بھیڈے والا میں اختیار کی۔ 1860ء میں 55 سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ 1992ء میں ماسٹر محمد دریام (پڑپوتے) حافظ نور محمد میاں یار اور میاں نوشیر نے آپ کا روضہ تعمیر کروایا۔ آپ کا ہر سال 12 ساون کو عرس منایا جاتا ہے۔

(25) حضرت سید محمد ظفر شاہؒ صاحب چشتی نظامی صابری قادری نقشبندی :

حضرت قبلہ سید محمد ظفر شاہؒ یوپی کے مردم خیز علاقہ بلند شہر کے ایک قصبہ ڈبائی" میں محرم الحرام 1308، سید مصاحب علی شاہؒ کے ہاں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد اپنے وقت کے صاحب عرفان بزرگ تھے۔ انہوں نے چھ بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ پھر تعلیم و تربیت کی تکمیل کے بعد ریاست گوالیار میں ایک ذمہ دار عہدے پر تعینات ہوئے مگر فقر و غنا کی بدولت 1932ء میں ملازمت سے ریٹائرمنٹ حاصل کر لی پھر مرشد کی تلاش کے سلسلہ میں مختلف مقامات کے سفر کیے۔ اسی تلاش و جستجو میں حضرت بابا تاج الدینؒ اولیاء ناگپوری کی خدمت میں پہنچے جن کے حکم سے آپ پاک پتن پہنچے تو حضرت قبلہ صوفی حافظ محمد امینؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ مرشد نے اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا اپنے مرشد کے وصال کے بعد آپ نے آستانہ عالیہ حضرت بابا فریدؒ گنج شکر

میں قیام فرمالیا۔ آپ سلسلہ قادریہ' چشتیہ' صابریہ' نظامیہ' نقشبندیہ کے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے آپ نے تین بار حج بیت اللہ ادا کی حضرت بابا فریدؒ سے دلی عقیدت کی بناء پر آپ نے اپنی زندگی ہی میں حضرت خواجہ عزیز مکیؒ کے عقب میں ایک قطعہ زمین خرید کیا اور اپنی گرہ خاص سے اس پر مسجد کی تعمیر شروع کی۔ تعمیر کے دوران ہی 10، مارچ 1970ء آپ کا انتقال ہوا اسی مسجد کے احاطہ میں آپ کا روضہ واقع ہے۔ اردگرد کا محلہ آپ کے نام پر محلہ ظفر آباد کہلاتا ہے مسجد خانقاہ اور درس کا انتظام آپ کے مریدین باصفا کی زیر نگرانی بااحسن و خوبی انجام پا رہا ہے حاجی میاں عبدالشکور ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر پاک پتن اس انتظامی کمیٹی کے منتظم اعلیٰ ہیں۔ جبکہ شیخ محمد قدیر اپنے مرشد کے روضہ کی خدمت میں مصروف ہیں۔

سید محمد ظفر شاہ اردو زبان کے بلند پایہ صوفی شاعر تھے "نغمات" "جذبات" " تجلیات" آپ کے مجموعہ کلام ہیں۔ جن میں مشاہدہ حق ہر جگہ نظر آتا ہے آپ کے خلفائے عظام میں صوفی دلداز خان' صوفی عبدالرحیم اور صوفی سید احمد قادری ہیں۔ پہلے دو خلفائے عظام وفات پا چکے ہیں۔ جبکہ سید احمد قادری اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر اپنے مرشد کے سلسلہ کی اشاعت و ترویج میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

(26) حضرت خواجہ جان محمد چشتی سلیمانی تونسویؒ :

حضرت خواجہ جان محمد چشتیؒ کمبوہ قوم کے ممتاز بزرگ حضرت خواجہ نور محمدؒ کے ہاں 1873ء امرتسر کے مشہور "مہیناں" میں پیدا ہوئے بعد ازاں آپ کے والد ترک سکونت کر کے پاک پتن سے تقریباً 15 کلومیٹر پیر غنی روڈ پر 39 ایس پی میں سکونت اختیار کی جو اب خواجہ صاحب کی نسبت سے اتنالی شریف کے نام سے مشہور ہے۔

آپ مادر زاد ولی تھے حصول علم سے والہانہ لگاؤ تھا۔ عربی' فارسی' اور انگریزی زبانوں پر خوب عبور رکھتے تھے آپ کو حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ سے روحانی نسبت تھی اور آپ انہی سے بیعت تھے۔ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ آپ سے بے حد محبت رکھتے تھے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ خواجہ جان محمد تو ہماری مراد ہے۔

حضرت دیوان سید محمد (سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت بابا فریدؒ) کو بھی آپ سے خصوصی نسبت تھی۔ وہ اکثر لوگوں سے پوچھتے "کیا تم نے فرشتہ دیکھا ہے" پھر آپ کی طرف اشارہ کر کے فرماتے لوگو! یہ فرشتہ ہی تو ہے۔

آپ کی بلند علمی و روحانی مقام کا اس بات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ ایک عرصہ تک جامعہ سلیمانیہ تونسہ شریف اور آستانہ عالیہ حضرت بابا فریدؒ میں مسند درس پر فائز رہے۔ حضرت خواجہ حافظ سدید الدین تونسویؒ، حضرت مولانا عبدالکریمؒ (حجرہ شاہ مقیم) حضرت مولانا عبدالحق پاک پتن شریف، اور حضرت سید محمد شاہ (پیر غنی) ایسے بلند پایہ بزرگ آپ کے اکابر تلامذہ میں سے ہیں۔

آپ کے بے شمار خلفاء ہیں جن میں حضرت خواجہ کرم الدین انتالی شریف، حضرت ابوالنور محمد صدیق چشتی والد ماجد مولانا محمد نور اللہ (بصیرپوری) اور حضرت سید غلام علی شاہ گیلانی دہلی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

آپ 21، ربیع الثانی 1338ھ بمطابق 1919ء بوقت عصر واصل بحق ہوئے آپ کا روضہ انتالی شریف میں ہے آپ کے پہلو میں آپ کے فرزند خلیفہ اول حضرت خواجہ کرم الدین اور دروازے کے ساتھ آپ کے پوتے حضرت خواجہ فیض الرحمن کوثر مدفون ہیں ہر سال 20، ربیع الثانی کو آپ کا عرس مبارک انتالی شریف میں نہایت عقیدت و احترام سے منایا جاتا ہے۔

(27) حضرت خواجہ محمد امیر تونسوی نظامیؒ :

آپ خواجہ حافظ عثمان غنی کے گھر 1937ء میں تونسہ شریف میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم سلیمانی درس سے حاصل کی۔ آپ نے 17، مئی 1990ء بروز سوموار وفات پائی آپ کا مزار مبارک چوک بابا فریدؒ (چوک جمال) سے چند میٹر دور پاک پتن میں زیارت گاہ خاص و عام ہے آپ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے مرید و خلیفہ تھے آپ کا شجرہ طریقت حضرت محمد امیرؒ حضرت خواجہ محمد تونسویؒ حضرت خواجہ اللہ بخشؒ، حضرت شاہ محمد سجان تونسویؒ، حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ مرید حضرت مولانا فخرالدین دہلویؒ سے ملتا ہے۔ خواجہ محمد شعیب آپ کے سجادہ نشین ہیں مزار مبارک ابھی زیر تعمیر ہے۔

(28) حضرت خواجہ سید امورالحسن شاہ صابری چشتیؒ :

آپ حضرت لطیف شاہ میرٹھیؒ کے مرید و خلیفہ تھے آپ کا گھرانہ شریعت و طریقت کا منبع تھا۔ آپ کا شجرہ طریقت حضرت سید میراں بھیگ سے ملتا ہے 27، جون 1986ء بروز جمعہ آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار شریف حضرت عزیز مکیؒ کے مزار

اقدس بجانب جنوب مرجع خلائق ہے۔

آپ کے مزار کے اوپر سفید رنگ کا خوب صورت گنبد تعمیر ہے مزار میں داخل ہونے کے لیے مشرق کی طرف دروازہ ہے سید شمیم حسن شاہ صاحب آپ کے سجادہ نشین ہیں۔

(29) حضرت پیر مخدوم صبغۃ اللہ شاہ عثمانی چشتی صابریؒ :

آپ 1896ء بمقام پانی پت (ہندوستان) میں پیدا ہوئے آپ نے 1914ء میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا آپ نے پہلی بیعت حضرت شاہ علی حسین صاحب کچھوچھویؒ سے کی اور دوسری بیعت مولانا مشتاق احمد انبیٹوی چشتی صابریؒ سے تھی قیام پاکستان کے بعد پانی پت سے ہجرت فرما کر ملتان میں قیام پذیر ہوئے بعدازاں 1972ء میں پاک پتن کے محلہ حسن پورہ میں رہائش اختیار کی مدرسہ عربیہ گنج شکرؒ اور مسجد تعمیر کروائی اور لنگر خانہ بھی جاری کیا 11، اپریل 1975ء بروز جمعہ وصال پایا۔

آپ کا مزار مبارک پانی پت ہاؤس محلہ حسن پورہ مسجد کے احاطہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے مزار مبارک کے شمال جنوبی جانب آپ کی زوجہ محترمہ دفن ہیں آپ کی نرینہ اولاد تین تھی جناب نور قمر صاحب آپ کے بعد سجادہ نشین ہیں۔

حوالہ جات

(1) بحوالہ بابا فرید مسعود گنج شکرؒ از جعفر قاسمی صفحہ نمبر 14

(2) راہ فردا از حضرت میاں علی محمد خاں صاحبؒ صفحہ نمبر 4

(3) نظامی جنتری

(4) شریف التواریخ از سید شریف احمد شرافت نوشاہی جلد سوئم صفحہ نمبر 335

(5) بحوالہ تاج العارفین از پیر محمد اجمل چشتی صفحہ نمبر 198

کتابیات

1 - اسرار عترت فریدی از پیر محمد حسین چشتی
2 - خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور لاہور
3 - سیر الاولیاء از مولانا امیر خورد کرمانی
4 - نظامی بنسری از خواجہ حسن نظامی
5 - خیر المجالس
6 - فوائد الفوائد ملفوضات حضرت نظام الدین اولیاء ؒ بحوالہ منادی دہلی
7 - سیر الاقطاب از الہدیہ ابن شیخ عبدالرحیم
8 - رسالہ منادی دہلی جلد نمبر 49 (گنج شکر نمبر)
9 - انوار الفرید از مولانا مسلم نظامی
10 - فوائد الفوائد از مولانا حسن سنجری ؒ
11 - بابا فرید مسعود گنج شکر ؒ از جعفر قاسمی
12 - حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر ؒ از وحید احمد مسعود
13 - دوام العیش فی الائمۃ من قریش از مطبوعہ رضویہ لاہور
14 - عالمی مشائخ کانفرنس رپورٹ منعقدہ 1994ء
15 - ماہنامہ مہر و وفا
16 - خزینۃ البرکات ولی از پیر سید امام علی شاہ
17 - رسومات عرس فریدی از میاں بشیر الدین
18 - راہ فردا از حضرت میاں علی محمد خان صاحب آف بسی شریف"
19 - شریف التواریخ از سید شریف احمد شرافت نوشاہی، جلد سوئم
20 - تاج العارفین از پیر محمد اجمل چشتی
21 - سوانح حیات حضرت بابا فرید" از وحید احمد مسعود
22 - اخبار الاخیار
23 - شیخ الشیوخ عالم
24 - آب کوثر از شیخ محمد اکرم
25 - تاریخ فرشتہ جلد اول از محمد قاسم فرشتہ (جلد اول)
26 - پاکستان ناگزیر تھا از ریاض حسین
27 - رؤسائے ملتان
28 - مسلم رول ان انڈیا
29 - کیمبرج ہسٹری
30 - پاکستان کی مختصر تاریخ از پروفیسر ایم کبیر
31 - تاریخ فیروز شاہی از سراج عفیف
32 - سفر نامہ ابن بطوطہ از رئیس احمد جعفری
33 - تذکرۂ تیموری ترجمہ ابوالہاشم
34 - تاریخ پنجاب از سید محمد لطیف
35 اکابرین تحریک پاکستان از محمد علی چراغ
36 پنجاب کا مقدمہ از حنیف رامے
37 - یادوں کا جشن از کنور مہندر سنگھ بیدی سحر
38 - ظہور پاکستان از چوہدری محمد علی
39 - تحریک و تاریخ پاکستان از سید مسعود حیدر بخاری
40 - تاریخ دیپالپور
41 - ہڑپہ تہذیب از پروفیسر عبدالحمید
42 - واقعات دار الحکومت از ملک بشیر احمد
43 - تاریخ ملتان از مولانا نور محمد فریدی
44 - سیاست کے فرعون از وکیل انجم
45 - Tyrany of Martial Law
46 - Irrigated Agriculture of Pakistan.
47 - فرید کوٹ گزیٹیر بحوالہ ذکر سعید از مولانا محمد سعید شبلی فرید کوٹی
48 - اسٹیٹ گزیٹیر از ریسرچ سوسائٹی پنجاب جلد اول
49 - ڈسٹرکٹ گزیٹیر آف پنجاب جلد اول
50 - منٹگمری گزٹ از ریسرچ سوسائٹی پنجاب

51- ہفت روزہ بندگی

52- روزنامہ پاکستان مطبوعہ لاہور 1946ء

53- روزنامہ مشرق

54- روزنامہ اخبار

55- روزنامہ نوائے وقت

56- تاریخ پنجاب از کنہیا لعل

57- تاریخی مقالات از پروفیسر ڈاکٹر محمد اسلم

58- ایف آئی ار نمبر 74/77

59- مٹی کی خوشبو از پیرزادہ انور عزیز چشتی

60- پنجابی صوفی شاعر از آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ایڈیشن 1938ء

61- دربار اکبری از مولانا محمد حسین آزاد مرحوم سنگ میل پبلشرز

62- تاریخ پاکستان سٹیٹ بک بورڈ پنجاب

63- تزک تیموری

64- ہیر وارث شاہ از سید وارث شاہؒ

65- خزینہ برکات ولی از پیر سید امام علی شاہ فریدی

66- تاریخ ملتان

فہرست تصاویر

میاں اللہ بخش طارق نے غیر جانبدار مؤرخ کی حیثیت سے بغیر کسی لگی لپٹی تاریخ پاکپتن کے اندر تاریخی سچائیاں واضح کر دی ہیں جسے پڑھنے والا ہر قاری تحسین وآفرین پر مجبور ہو گا۔

پروفیسر سید مسعود حیدر بخاری

صدر شعبہ تاریخ ساہیوال

تاریخ پاکپتن میں جس صدق دل سے پاکستانیت کو اجاگر کیا گیا ہے اس سے یقیناً نئی نسل مادر وطن سے محبت کا لازوال درس حاصل کرے گی

میاں محمود احمد خان

وفاقی وزیر صنعت و پیداوار

تاریخ پاکپتن نے ایک بہت بڑے تاریخی خلا کو پر کیا ہے میں موصوف کو اس مستند تاریخی دستاویز پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور سراپا سپاس ہوں

سید افضل حیدر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ

سابق وزیر قانون پنجاب و ممبر پاکستان نظریاتی کونسل

پاکپتن کے جملہ ادوار کا انتہائی عرق ریزی سے نہایت عمیق اور معروضی تجزیہ کیا گیا ہے۔

کیپٹن (ریٹائرڈ) محسن رضا

ایڈیشنل سیکرٹری تعلیمات پنجاب

مصنف نے جس محنت ریاضت اور محققانہ تجزیہ سے یہاں کے جملہ حالات وواقعات تاریخی تکنیک کے ساتھ مرتب کیے ہیں یقیناً وہ ہمارا بہت بڑا تاریخی ورثہ ہے۔

سید طاہر علی شاہ

سابق ڈپٹی کمشنر پاکپتن

مصنف نے پاکپتن کی پر شکوہ تاریخ مرتب کرتے ہوئے لامحدود ماضی کے گم گشتہ اوراق کو دن کے اجالوں کی طرح عیاں کر دیا ہے۔

پروفیسر شبیر احمد مغل

کنٹرولر امتحانات بہاولپور

تاریخ پاک پتن جدید تحقیقات اور انکشافات کے شیدائیوں کیلئے حتمی ماخذ ثابت ہو گی، اس کے مطالعہ ہمارے تجسس کی آبیاری کرے گا اور مزید جاننے کا جذبہ صادقہ فزوں تر کرے گا۔

پروفیسر سید ریاض حسین زیدی

شعبہ ادبیات ساہیوال